# آداب اسلامی

۱

ناشر

تنظیم المکاتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم


| | |
|---|---|
| نام کتاب | آداب اسلامی (۱) |
| تالیف | نصاب تعلیم کمیٹی |
| مترجمین | سید کمیل اصغر زیدی، سید رضوان حیدر رضوی |
| کمپوزنگ | ابوزینب |
| سنہ طباعت | ستمبر ۲۰۰۵ء |
| تعداد | ایک ہزار |
| ناشر | تنظیم المکاتب، گولہ گنج لکھنؤ |
| قیمت | |

# فہرست


| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| عرض تنظیم | ۱۵ |
| مقدمہ | ۱۷ |
| **پہلا سبق** | |
| اسلام دین معاشرت | ۲۳ |
| ا۔نماز جماعت | ۲۸ |
| ۲۔نماز جمعہ | ۲۹ |
| ۳۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر | ۳۰ |
| ۴،۵۔خمس وزکوۃ | ۳۰ |
| خلاصہ | ۳۳ |
| سوالات | ۳۳ |
| **دوسرا سبق** | |
| اسلامی اخوت | ۳۵ |
| خلاصہ | ۴۳ |
| سوالات | ۴۳ |





| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| **تیسرا سبق** | |
| والدین کے حقوق | ۴۴ |
| ا۔والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ | ۴۴ |
| ۲۔بداخلاقی سے پرہیز | ۴۸ |
| ۳۔شفقت اور نرمی | ۵۲ |
| خلاصہ | ۵۴ |
| سوالات | ۵۴ |
| **چوتھا سبق** | |
| صلۂ رحم | ۵۵ |
| قطع رحم | ۶۱ |
| خلاصہ | ۶۴ |
| سوالات | ۶۴ |
| **پانچواں سبق** | |
| پڑوسی کے حقوق | ۶۵ |
| پڑوسیوں کو اذیت پہونچانا | ۷۰ |
| خلاصہ | ۷۴ |
| سوالات | ۷۴ |
| **چھٹا سبق** | |
| سماجی زندگی کا طریقہ | ۷۵ |

حسن خلق ـــــــ ٧٦
خوش اخلاقی کے نتائج ـــــــ ٨٢
خلاصہ ـــــــ ٨٥
سوالات ـــــــ ٨٥

## ساتواں سبق

تواضع ـــــــ ٨٦
تواضع کے حدود اور اس کی علامتیں ـــــــ ٩٠
تواضع کے نتائج وفوائد ـــــــ ٩١
خلاصہ ـــــــ ٩٦
سوالات ـــــــ ٩٦

## آٹھواں سبق

وفائے عہد ـــــــ ٩٧
ایفائے عہد کی اہمیت ـــــــ ١٠٠
خلاصہ ـــــــ ١٠٦
سوالات ـــــــ ١٠٦

## نواں سبق

حلم وبردباری (١) ـــــــ ١٠٧
غیظ وغضب ـــــــ ١٠٩



خلاصہ ـــــــ ١١٧
سوالات ـــــــ ١١٧

## دسواں سبق

حلم وبردباری (٢) ـــــــ ١١٨
حلم وبردباری ـــــــ ١١٨
حلم وبردباری کے سلسلہ میں روایات ـــــــ ١٢٠
غصہ کو ضبط کرنے سے متعلق روایات ـــــــ ١٢١
اخلاق حلیمانہ ـــــــ ١٢٤
خلاصہ ـــــــ ١٢٨
سوالات ـــــــ ١٢٨

## گیارہواں سبق

عفو اور چشم پوشی ـــــــ ١٢٩
عفو اور درگذشت کا فرق ـــــــ ١٣٣
انتقام کی طاقت کے باوجود معاف کردینا ـــــــ ١٣٥
عفو کے مواقع ـــــــ ١٣٧
خلاصہ ـــــــ ١٣٩
سوالات ـــــــ ١٣٩

## بارہواں سبق

انصاف ـــــــ ١٤٠

عدل وانصاف کے متعلق ایک اخلاقی یاددہانی —— ۱۴۶

خلاصہ —— ۱۴۹

سوالات —— ۱۴۹

## تیرہواں سبق

خندہ پیشانی —— ۱۵۰

کشادہ روئی کے فائدے —— ۱۵۱

ہنسی مذاق —— ۱۵۳

الف: وہ روایات جن میں ہنسی مذاق کو ممدوح قرار دیا گیا ہے —— ۱۵۴

ب: وہ روایات جن میں ہنسی مذاق کی مذمت کی گئی ہے —— ۱۵۵

خلاصہ —— ۱۶۰

سوالات —— ۱۶۰

## چودہواں سبق

تعاون —— ۱۶۱

خلاصہ —— ۱۷۱

سوالات —— ۱۷۱

## پندرہواں سبق

مومنین کے درمیان صلح وصفائی —— ۱۷۲

خلاصہ —— ۱۸۲

سوالات —— ۱۸۲



## سولہواں سبق

یتیموں اور غریبوں کی سرپرستی —— ۱۸۳

خلاصہ —— ۱۹۱

سوالات —— ۱۹۱

## سترہواں سبق

عیادت —— ۱۹۲

الف: عیادت —— ۱۹۲

ب: عیادت کی تاکید —— ۱۹۵

ج: عیادت کرنے کا طریقہ —— ۱۹۸

خلاصہ —— ۲۰۱

سوالات —— ۲۰۱

## اٹھارہواں سبق

غم اور خوشی کے مواقع پر شرکت —— ۲۰۲

۱۔ دعوت قبول کرنا —— ۲۰۳

۲۔ تعزیت —— ۲۰۶

خلاصہ —— ۲۱۱

سوالات —— ۲۱۱

## انیسواں سبق

ملاقات اور مہمان نوازی —— ۲۱۲

ضیافت و مہمان نوازی ۲۱۶
ضیافت کے آداب ۲۱۷
خلاصہ ۲۲۱
سوالات ۲۲۱

### بیسواں سبق

سلام ۲۲۲
سلام کے آداب ۲۲۷
مصافحہ اور معانقہ ۲۳۱
خلاصہ ۲۳۳
سوالات ۲۳۳

### اکیسواں سبق

حدود کی رعایت ۲۳۴
۱۔ شخصی حدود ۲۳۵
۲۔ عیب چھپانا ۲۳۷
۳۔ امانتداری ۲۳۹
خلاصہ ۲۴۳
سوالات ۲۴۳

### بائیسواں سبق

دوست اور ساتھی (۱) ۲۴۴



خلاصہ ۲۵۳
سوالات ۲۵۳

### تیئیسواں سبق

دوست اور ساتھی (۲) ۲۵۴
خلاصہ ۲۶۵
سوالات ۲۶۵

### چوبیسواں سبق

غیبت (۱) ۲۶۶
(۱) غیبت کی تعریف ۲۶۷
(۲) غیبت کی حرمت ۲۶۹
خلاصہ ۲۷۷
سوالات ۲۷۷

### پچیسواں سبق

غیبت (۲) ۲۷۸
(۳) غیبت کی وجہیں ۲۷۸
۱۔ تسکین قلب ۲۷۸
۲۔ فخر و مباہات ۲۷۹
۳۔ توہین ۲۷۹
۴۔ حسد ۲۷۹

۵۔ دوسروں کی نقل ۲۷۹
۶۔ پیش بندی ۲۸۰
۷۔ اظہار تعجب ۲۸۱
۸۔ اظہار ترحم ۲۸۱
(۴) غیبت کے مستثنیات ۲۸۱
۱۔ انصاف کا مطالبہ ۲۸۱
۲۔ مشورہ ۲۸۲
۳۔ خبردار کرنا ۲۸۳
۴۔ برائیوں کا سد باب ۲۸۳
۵۔ جرح و تعدیل ۲۸۳
۶۔ عرفیت ۲۸۴
۷۔ مذہب میں ایجاد کرنے والے ۲۸۴
۸۔ کھلے عام گناہ کرنے والے ۲۸۴
(۵) غیبت کا سننا ۲۸۵
خلاصہ ۲۸۷
سوالات ۲۸۷


## چھبیسواں سبق


تہمت اور بدگمانی ۲۸۸
تہمت ۲۸۸
بدگمانی ۲۹۰





بدگمانی کے اثرات ۲۹۴
خلاصہ ۲۹۸
سوالات ۲۹۸


## ستائیسواں سبق


چغل خوری اور استہزاء ۲۹۹
چغل خور کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ ۳۰۱
تمسخر ۳۰۴
خلاصہ ۳۰۸
سوالات ۳۰۸


## اٹھائیسواں سبق


حسد ۳۰۹
حسد کی تعریف ۳۰۹
حسد کے چار مرحلے ۳۱۰
حسد، قرآن مجید کی روشنی میں ۳۱۰
حاسد اور حسد، روایات کی روشنی میں ۳۱۲
حسد کے اسباب ۳۱۶
خلاصہ ۳۱۹
سوالات ۳۱۹

## انتیسواں سبق


جھوٹ ۳۲۰

جھوٹ کی تعریف ۳۲۱

جھوٹ، قرآن کریم کی روشنی میں ۳۲۱

جھوٹ، روایات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں ۳۲۳

سچ، قرآن اور احادیث کی روشنی میں ۳۲۶

جائز غلط بیانی ۳۲۷

۱۔ ضرورت ۳۲۷

۲۔ صلح ۳۲۸

۳۔ جنگی حیلہ ۳۲۹

ہنسی مذاق کے لئے جھوٹ بولنا؟ ۳۲۹

توریہ ۳۳۰

خلاصہ ۳۳۱

سوالات ۳۳۱


## تیسواں سبق


خاتمہ سخن ۳۳۲




# عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگر چہ اپنی توجہ ''قیام مکاتب'' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی تعلیم کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اسی لیے آپ نے روز اول مکاتب کے ساتھ تعلیم بالغان اور مراسلاتی کورس کو بھی تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا اور آپ کی زندگی میں یہ شعبے کم و بیش فعال بھی ہو گئے تھے مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی جس کا اہم سبب مناسب نصاب کا فقدان تھا۔

مکاتب کے ساتھ اسکول، جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکولوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ہی قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ و سیرت اور اخلاق و حدیث پر مشتمل متوسط سطح کے ایسے نصاب کی ضرورت کا مزید احساس ہوا جس سے نوجوانوں میں دینی شعور پیدا ہو سکے۔ تربیت مدرسین کے علاوہ ادھر کچھ عرصہ سے نوجوانوں کے لیے دینی تعلیمی تربیتی کیمپ، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ جیسے سلسلے شروع کیے گئے جن کے لیے بھی کتب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

نصاب کی تیاری ایک مشکل کام ہے اس کے لیے مختلف نمونوں، کتب اور مواد کے علاوہ صاحبان علم ہی نہیں بلکہ ماہرین فن کی ایسی تجربہ کار جماعت درکار ہوتی ہے جو یکسوئی کے ساتھ یہ کام انجام دے سکے اس راہ میں جن دشوار گذار اور صبر آزما مراحل سے گذرنا ہوتا ہے اس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسے مشاغل سے سروکار رکھتے ہیں۔

موجودہ صورتحال میں مناسب محسوس ہوا کہ از سر نو نصاب ترتیب دینے اور تجربہ کرنے کے

بجائے مختلف ممالک اور زبانوں میں نوجوانوں کی تربیت کے لیے رائج نصاب سے استفادہ کیا جائے۔

چنانچہ طلاب کی سطح کے اعتبار سے تلاش شروع کی گئی مگر کسی ایک مرکز سے کوئی ایک ایسا جامع نصاب نہ مل سکا جو ہمارے ملک کی نسل نو کے دینی ضروریات کو پورا کر سکے لہٰذا مختلف تعلیمی مراکز میں رائج نصاب سے انتخاب کیا گیا جس کے باعث اسلوب نگارش، انداز بیان اور سطح فکر میں اختلاف ناگزیر ہے۔

کتب کا اردو میں ترجمہ بھی ایک مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں حوزۂ علمیہ قم میں زیر تعلیم اہل علم اور خوش استعداد صاحبان قلم خصوصاً جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے افاضل سے مدد لی گئی۔ اس طرح الحمد للہ اب قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ و سیرت اور اخلاق و حدیث پر مشتمل نصاب مرتب ہو کر اشاعت کی منزل میں ہے۔ فی الحال ان موضوعات سے روشناس کرانا مقصود ہے۔ آئندہ تجربہ کی روشنی میں کتب یا ان کے مشمولات میں تبدیلی کا امکان ہے جس کے لیے ہم اہل نظر اور ارباب بصیرت کی مثبت آراء اور تنقید کے منتظر ہیں۔

زیر نظر کتاب ''آداب اسلامی'' جلد (۱) بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ مترجمین کتاب جناب مولانا سید کمیل اصغر زیدی صاحب فاضل جامعہ امامیہ، جناب مولانا سید رضوان حیدر صاحب اور سازمان مدارس و حوزات علمیہ ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں اور عنایتوں سے زیر نظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔

والسلام

سید صفی حیدر

سکریٹری

۵؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

## مقدمہ

اسلامی ادب میں لفظ ''تعلیم'' اور ''تربیت'' عموماً ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور علماء و اساتذۂ کرام بھی تعلیم سے زیادہ تربیت کی اہمیت کے قائل ہیں۔

قرآن کریم اور پیغمبر اکرمؐ و اہل بیت علیہم السلام کی روایات میں تربیت اور تزکیۂ نفس کے مسئلہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ ''تربیت'' کے بغیر ''علم'' ''سراج منیر'' کے بجائے ''حجاب'' بن جاتا ہے اور ترقی و تکامل کی راہ میں مانع قرار پاتا ہے۔

اسی لئے ''اسلامی آداب'' اور ''تربیت و تزکیہ نفس'' کو نظام تعلیم میں بنیادی رکن کی حیثیت حاصل ہے اور انہیں نظر انداز کر دینے کی وجہ سے معاشرہ میں بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

لفظ ''آداب'' اور ''اخلاق'' جب ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو عموماً ان سے ایک ہی معنی مراد لئے جاتے ہیں البتہ کبھی کبھی ان کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک کے معنی دوسرے لفظ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

استعمال کے لحاظ سے یوں تو آداب اسلامی ''کسی راستہ پر پوچھتے ہوئے چلتے چلے جانا'' ''اخلاق حسنہ'' اور ''اعلیٰ صفات و اقدار'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن ان موارد کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم ''ثقافت'' اور ''تہذیب و تمدن'' جیسے وسیع مفہوم تک پہونچتے ہیں کیونکہ ثقافت کا مفہوم دینی احکام و

تعلیمات سے وسیع ہے۔ تہذیب وثقافت میں معاشرہ کے وہ آداب ورسوم اور عادات واطوار بھی شامل ہوتے ہیں جو کسی تہذیب اور کلچر کی شناخت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اسلام نے اپنے آفاقی پیغام کے تحت اقوام عالم کو جن آداب کی تعلیم دی ہے وہ آداب انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں کسی بھی معاشرہ میں پائے جانے والے آداب ورسوم کو دین اسلام صرف اسی صورت میں کالعدم قرار دیتا ہے جب وہ روح اسلام سے متصادم ہوں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اعلان بعثت کے بعد اس دور میں رائج بہت سے رسم ورواج کو باقی رکھا اور اسی کے ساتھ آنحضرتؐ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ ”میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں“

معاشرہ کے لئے تہذیب وثقافت یا کلچر کی وہی حیثیت ہے جو بدن کے اندر خون کی ہوتی ہے جس طرح خون، دماغ کی رگوں سے لے کر پیر کی انگلیوں کے سروں تک جسم کے تمام حصوں میں دوڑتا رہتا ہے اسی طرح تہذیب وکلچر کا اثر زمانہ کے عالم جلیل مفکر سے لے کر کارخانوں کے مزدور تک معاشرہ کے تمام افراد کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور جزیرہ نمائے عرب اس کے نور سے جگمگا اٹھا تو دنیا میں ایک جدید معاشرہ وجود میں آیا۔ آپسی ہمدردی اور انس ومحبت کا جذبہ اس معاشرہ کی امتیازی خصوصیت تھی جس کی ترجمانی قرآن مجید نے ان الفاظ میں کی ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً



وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾(۱)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں تم انہیں دیکھو گے کہ بارگاہ احدیت میں سرخم کئے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار سے فضل وکرم اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں کثرت سجود کی بنا پر ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات پائے جاتے ہیں یہی ان کی مثال توریت میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے جیسے کوئی کھیتی ہو جو پہلے سوئی نکالے پھر اسے مضبوط بنائے پھر وہ موٹی ہو جائے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے لگے تاکہ ان کے ذریعہ کفار کو جلایا جائے اور اللہ نے صاحبان ایمان وعمل صالح سے مغفرت اور عظیم اجر کا وعدہ کیا ہے“

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(۲)

”اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کردی ہے کہ اگر آپ ساری دنیا خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں باہمی الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن خدا نے یہ الفت ومحبت پیدا کردی ہے کہ وہ ہر شے پر غالب اور صاحب حکمت ہے“

جس وقت لوگ پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کا کلمہ پڑھ کر گروہ در گروہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے یہی وہ وقت تھا جب ایک جانب آنحضرتؐ نئی ”اسلامی ثقافت“ کی بنیاد رکھ رہے تھے اور دوسری جانب ان آداب ورسوم کے خلاف جہاد کر رہے تھے جو انسانی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے

---

(۱) سورۂ فتح آیت ۲۹

(۲) سورۂ انفال آیت ۶۳

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے نماز جمعہ و جماعت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا حکم دیا، افراد و معاشرہ کے درمیان اخوت و محبت، والدین کے ساتھ حسن سلوک، دیگر افراد کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور انصاف کی ترویج کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک صحتمند معاشرہ کے لئے شرح صدر، مزاح، یتیموں کی کفالت، مریضوں کی عیادت اور دوسروں کے خوشی اور غم کے مواقع پر، مہمانوں کی ضیافت اور امانتداری جیسی باتوں کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ ان کے اصول بھی معین فرما دئے اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیت اطہارؑ کی سیرت طیبہ کے ذریعہ دین اسلام نے انسانی عظمت کے منافی اعمال مثلاً غیبت، چغلخوری، بہتان و الزام تراشی، حسد، استہزا، جھوٹ جیسے منفی اور معاشرہ کے لئے نقصان دہ رسم و رواج اور آداب و اطوار کا خاتمہ بھی کیا۔ اسلام نے ان آداب کو فضا میں معلق قوانین کی شکل میں پیش نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نظام اور وسائل تربیت کے ذریعہ ان کی جڑیں معاشرہ اور انسانی وجود میں بہت گہرائی تک انکی جڑیں پیوست کر دی ہیں۔

اسلام نے اپنے نظام میں دنیوی و اخروی ثواب و عقاب کا تصور پیش کیا اور اسلامی نقطہ نظر سے انسانی حیات کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے دنیا فقط گذرگاہ اور آخرت کے لئے کاشت کا مقام ہے اس دنیا میں انسان جو بوئے گا کل اسی کو کاٹنا پڑے گا اس کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کے ذریعہ بھی اسلام اجتماعی زندگی کو صحیح جہت عطا کرتا ہے۔

اسلامی ثقافت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس ثقافت میں انفرادی عمل اجتماعی امور کی ضمانت بھی ہوتا ہے مثلاً جب کوئی مسلمان رضائے الٰہی، ثواب جنت کے حصول اور اپنی حسن عاقبت کے لئے کسی یتیم کی کفالت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل محض ذاتی اور انفرادی فائدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے بچہ کو محفوظ اور آبرومندانہ زندگی میسر ہو جاتی ہے اور اس طرح بے سرپرست بچہ کے بجائے ایک صالح بچہ معاشرہ کا جزء بنتا ہے اور اس کے خدمات قوم و ملت کے کام آتے ہیں۔ اس طرح اسلامی



آداب اور تہذیب و ثقافت میں اخلاقیات کے انفرادی و اجتماعی معاملات کسی ٹکراؤ کے بغیر ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں جس سے معاشرہ پر امن و آسائش اور سعادت و خوش بختی کا دور دورہ سایہ فگن رہتا ہے۔

آپکے مبارک ہاتھوں میں اس وقت جو کتاب ہے یہ ''سازمان مدارس وحوزات علمیہ'' کے نصاب تعلیم کا حصہ ہے جسے اس ادارہ کے شعبہ نصاب تعلیم نے حوزات علمیہ کے ابتدائی درجات کے لئے تدوین کیا ہے۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں جنہوں نے اس کی تالیف و ترتیب میں ہمارا تعاون کیا ہے خاص طور سے مولانا سید کمیل اصغر زیدی اور مولانا سید رضوان حیدر رضوی کے مشکور ہیں جنہوں نے اس جلد کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری ادا کی ہے۔

خدائے کریم سے دعا ہے کہ ان تمام حضرات کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

شعبہ تدوین نصاب

۲۰۰۴

# پہلا سبق

## اسلام دین معاشرت

دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کا ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ ایک معاشرتی اور سماجی دین ہے اور اس نے صرف انسان کے انفرادی ضروریات یا روحانی پہلوؤں اور نفسانی خواہشات کو ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ اسے دوسروں کے ساتھ زندگی گذارنے کے اصول سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

البتہ سب سے پہلے اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کی مشترکہ خواہش اور قلبی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب وکامران ہوجائیں، ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے بہتر، برتر ہو نیز دنیا کی اعلیٰ ترین چیزیں اس کے پاس ہوں، اس کے پاس دنیا کا سب سے بڑا عہدہ ہو اور وہ ترقی وکمال کی سب سے اعلیٰ منزل پر پہونچ جائے اور اسکی زندگی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہے اور کامیابیاں ہمیشہ اسکے قدم چومتی رہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو مال ودولت اور ترقی وکمال نیز کامیابی وکامرانی سے نفرت کرتا ہو اور ہر انسان کی فطرت میں جہاں ترقی اور کمال کا شوق اور نیز دوسروں پر برتری کا جذبہ پایا جاتا ہے وہیں اس کے اندر یہ خواہش بھی موجود ہوتی ہے کہ اس کی ترقی اور کمال کے سفر میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کی ترقی کی رفتار میں کچھ لحات کے لئے رکاوٹ آجائے یا ٹھہراؤ پیدا

ہوجائے تو وہ اس کی وجہ سے رنجیدہ، ملول اور غمزدہ نظر آنے لگتا ہے۔

اور یہ وہی خصوصیت اور فطری چیز ہے جسے علماء اسلام نے "حبّ کمال" کا نام دیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں یہ فطری چیز نہ پائی جاتی ہو یا اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ پایا جاتا ہو۔ دنیا کے مختلف ادیان و مذاہب کے درمیان بھی اس مسئلہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ تمام مذاہب نے متفقہ طور پر اس صفت کو تسلیم کیا ہے اور اپنے اپنے طریقے سے انسان کو سعادت وکمال سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے۔

البتہ ان کے درمیان یہ اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ واقعی کمال اور سعادت کسے کہا جاتا ہے۔ اور اس تک پہونچنے کے راستے کیا ہیں؟

وہ الٰہی ادیان ہوں یا مادی اور غیر الٰہی مذاہب ان سب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اسی بات کا دعویدار ہے کہ صرف اس کا بتایا ہوا راستہ ہی حقیقی سعادت وکمال تک پہونچاتا ہے۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ ترقی وکمال کی تمنا اور محبت کے ساتھ ساتھ ہر انسان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ اس کے اس کمال اور ترقی میں کبھی کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے جس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں ایسے کمال اور ارتقاء کی تمنا موجود ہے جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو اور اگر اس کو مان لیا جائے تو یہ وہی کمال ہے جس کی طرف اسلام نے تمام انسانوں کو دعوت دی ہے یعنی بخوبی "قرب الٰہی" اور خداوند عالم تک رسائی" کیونکہ اس عالم ہست و بود میں صرف خداوند عالم ہی کمال مطلق کا مالک ہے۔

اسلام کی نظر میں کوئی بھی انسان اسی وقت کمال حقیقی کی منزل تک پہونچ سکتا ہے کہ جب وہ خدا سے نزدیک ہوجائے اور خداوند عالم سے نزدیک ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے واجبات کو



ادا کیا جائے اور محرمات سے پرہیز کر کے اس کی رضا حاصل کی جائے۔ کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے خداوند عالم کے علاوہ ہر چیز ایک دن فنا ہوجانے والی ہے۔ اسی لئے ذات خدا کے علاوہ کوئی بھی چیز انسان کی خواہش "بقائے دوام" کا جواب نہیں بن سکتی ہے۔ لہٰذا جو حضرات مال و دولت کو خوشبختی اور سعادت سمجھتے ہیں وہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ مال و دولت چاہے جتنی زیادہ کیوں نہ ہوجائے پھر بھی وہ ایک محدود اور فانی چیز ہے اس کے علاوہ خود انسانی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع اور مشکلات سامنے آتے ہیں جو مال و دولت سے بھی حل نہیں ہو پاتے کیونکہ دولت کے زور پر ہر چیز حاصل نہیں کی جاسکتی ہے لیکن خداوند عالم ہر چیز کا خالق ہے اور اس کی ذات والا صفات ہی جمال وکمال اور ہر خیر کا سرچشمہ اور مرکز ہے اور وہ تمام اشیاء کے فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔ لہٰذا اس پر توکل اور بھروسہ کے ذریعہ ہی انسان حقیقی بے نیازی اور ابدیت کی منزل تک پہونچ سکتا ہے۔

اس بارے میں قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے: ﴿یا اَیُّها النّاسُ اَنتُمُ الفُقَراءُ الی اللهِ وَاللهُ هوَ الغَنِیُّ الحمیدُ﴾ (۱) "انسانو! تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد وثنا ہے"

گویا انسان خداوند عالم (جو کہ غنی مطلق ہے) کے سامنے فقیر نہیں بلکہ مجسمۂ فقر ہے۔

علوم ومعارف سے معمور اپنی دعائے عرفہ امام حسینؑ میں پروردگار کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں۔ ﴿ماذا وَجدَ مَنْ فَقَدکَ، وَ ما الّذی فَقَدَ مَنْ وَجَدَکَ﴾ "پروردگارا! اس نے کیا پایا ہے جس نے تجھے کھو دیا ہے اور اس نے کیا کھویا ہے جس نے تجھے پالیا ہے"

اس جملہ میں امام حسینؑ نے اس اہم حقیقت کو روشن کیا ہے کہ خداوند عالم کا وجود ہی

---

(۱) سورۂ فاطر آیت ۱۵

سب سے کامل واکمل وجود ہے ہذا جس کا رخ غیر خدا کی طرف ہوگا وہ گمراہی وضلالت اور عدم کی وادی میں پہونچ جائے گا۔ لیکن جو خداوند عالم سے وابستہ رہے گا وہ کمال کی طرف رواں دواں رہ کر بے نیازی کی اس منزل پر پہونچ جائے گا جہاں اسے کسی کمی اور نقص کا احساس نہ ہوگا۔

جب اسلام نے قرب الٰہی کو انسان کا سب سے اعلیٰ مقصد کمال وسعادت قرار دیا ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس منزل تک پہونچنے کے لئے اسلام نے کس راستہ کی تعلیم دی ہے؟ اور اسکے لئے کیا طریقہ بتایا ہے؟۔

مذکورہ سوال کا جواب خداوند عالم نے اس آیۂ کریمہ میں بیان فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ کَانَ یرجوا لقاء رَبّهِ فلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَ لایُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبّهِ اَحَداً﴾(۱)

''جو بھی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔'' اس آیۂ شریفہ میں بشریت کے خدا تک پہونچنے کی دو شرطیں قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ اعمال صالحہ کا انجام دینا۔

۲۔ اخلاص اور عبادت خدا میں شرک سے پرہیز۔

اسلام کی نظر میں کسی بھی انسان کو حقیقی سعادت اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب وہ خدا کے اوامر ونواہی کی مکمل پابندی کرے یعنی واجبات کو بجالائے اور محرمات سے پرہیز کرے کیونکہ اس سے خداوند عالم راضی وخوشنود ہوتا ہے۔ یہی خداوند عالم کی حقیقی بندگی ہے اور اسی سے انسان کو حقیقی آزادی میسر ہوسکتی ہے۔ جب ہم جب کسی بھی حکم الٰہی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس حکم کا سماج اور معاشرہ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور نظر آتا ہے اور بہت ہی کم ایسا حکم شرعی نظر آئے گا جس کا تعلق صرف

---

(۱) سورۂ کہف آیت ۱۱۰



ایک فرد سے ہو اور اس میں دوسروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عبادت کو خداوند عالم کی وسیع رحمت تک پہونچنے کا واحد اور تنہا ذریعہ قرار دیا ہے البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس عبادت کی بنا پر انسان اس سماج اور معاشرہ سے بالکل الگ ہوکر رہ جائے جس میں اس نے آنکھ کھولی ہے، جس میں پروان چڑھا ہے یا پہاڑوں، جنگلوں اور غاروں کے اندر گوشہ نشینی اختیار کرلے اور بقیہ دنیا سے کوئی رابطہ ہی نہ رکھے بلکہ اس کے برعکس لوگوں کی خدمت کرنے اور ان کے مشکلات میں ہاتھ بٹانے یا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور آپسی بھائی چارہ سے بھی قرب خدا حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی خداوند عالم کی عبادت ہی ہے۔

اسلام میں جہاں بہت سارے احکام براہ راست اجتماعی اور معاشرتی امور سے تعلق رکھتے ہیں وہیں اکثر عبادات کو بھی باجماعت (یا ایک ساتھ اجتماعی شکل میں) ادا کرنے کا حکم بھی موجود ہے حتی کہ اعتکاف جو کہ ایک مستحب عمل ہے اور بظاہر اس کے ذریعہ صرف کسی ایک فرد کی اصلاح ہوتی ہے مگر یہ اعتکاف بھی اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب اسے کسی جامع مسجد میں انجام دیا جائے اور اگر اس دوران مسجد سے باہر نکل گیا تو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے لیکن اس میں بھی بعض ضروریات کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے جن کے بارے میں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان ضروریات کا تعلق کسی نہ کسی سماجی معاملہ سے ہے جیسے مریضوں کی عیادت وغیرہ۔

اور دوسرے یہ کہ وہ انسانی اقدار جن پر حقیقی سعادت کا دارومدار ہے ان کی پیشرفت اور استحکام بھی انہیں آپسی روابط اور تعلقات سے وابستہ ہے۔

بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ انسانی وجود کے اعلی اقدار جیسے ایثار ومحبت، اور قربانی وغیرہ کے جوہر اس وقت تک کھل کر سامنے نہیں آسکتے جب تک انسان دوسروں کے درمیان رہ کر زندگی بسر نہ کرے۔

مذکورہ گفتگو کی روشنی میں ہم ان بعض اسلامی احکام کا تذکرہ کررہے ہیں جن میں اجتماع، سماج

اور معاشرے کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے. اور ان کے فوائد ایک ساتھ پوری جماعت یا قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔

## ۱۔نماز جماعت

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نماز جو پروردگار عالم کی عبادت و بندگی کا سب سے اہم ستون ہے یہ ایک انفرادی عبادت ہے کیونکہ ہر انسان خداوند عالم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے تنہا بھی پڑھ سکتا ہے. لیکن اسلام کی نگاہ میں نماز جماعت کی اہمیت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جماعت ہی نماز کا اصل طریقہ ہے اور مجبوری وغیرہ کی صورت میں فرادیٰ پڑھی جاسکتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَاَقِيمُوا الصَّلاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ ارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِين﴾(۱)

"اور نماز قائم کرو، زکات ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

چنانچہ میدان جنگ میں جہاں ہر طرف سے دشمن کے حملوں کا خطرہ موجود رہتا ہے اور ہر سمت مستعدی کے ساتھ نظر رکھنا پڑتی ہے وہاں بھی پیغمبر اکرم ﷺ نے جماعت ہی کے ساتھ نماز ادا کی۔

خاص طور سے امام حسینؑ نے روز عاشورہ نرغۂ اعداء میں گھرے ہونے کے باوجود تیروں کی بارش میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کی جس کے لئے آپ کے جاں نثار صحابی جناب سعید بن عبد اللہ آپ کے سینہ سپر ہو گئے اور دشمن کے تیروں کو اپنے بدن پر روکتے رہے اور آخر کار امامؑ کے سامنے جام شہادت نوش فرمایا یہ سب قربانیاں صرف نماز جماعت کے لئے ہی پیش کی گئیں تھیں۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۴۳



پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿لا صَلاةَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ الاَّ مِنْ عِلَّةٍ﴾(۱) "جو شخص مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ نماز (جماعت) نہ پڑھے اس کی نماز، نماز نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ فقہاء و مراجع کرام نے اپنے رسالۂ عملیہ میں نماز جماعت سے غیر حاضری کو شرعاً قبیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے کسی عذر اور مجبوری کے بغیر نماز جماعت کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر نماز میں پڑھے جانے والے سوروں یا اذکار کو دیکھا جائے تو اس میں بھی یہی نظر آتا ہے چاہے کوئی فرادیٰ ہی نماز پڑھے تب بھی اس کے لئے جمع کے صیغے استعمال کرنا ضروری ہوتے ہیں جیسے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ اور آخر میں جب نمازی سلام پڑھتا ہے تو اس میں بھی جمع کے صیغے موجود ہیں جیسے: "اَلسَّلامُ عَلَيْنَا وَ عَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ" جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرادیٰ نماز میں بھی ہمیں دوسرے مومنین کا خیال رکھنا چاہئے۔

## ۲۔نماز جمعہ

اسلام نے روز جمعہ نماز جمعہ کو نماز ظہر کا بدل قرار دیا ہے اور اس کی بے شمار اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے. اور یہ نماز صرف جماعت کے ساتھ ہی پڑھی جاسکتی ہے اس کے علاوہ اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز سے پہلے امام جماعت خطبہ میں لوگوں کے سماجی اور معاشرتی مسائل پر بھی روشنی ڈالے اور ان پر ایک دوسرے کے مشکلات حل کرنے کے لئے زور دے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۸ ص ۲۹۳

### ۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کو رواج دینے اور برائیوں کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن مجید نے انھیں دونوں فرائض کی بنا پر مسلمانوں کو سب سے بہتر امت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿كُنتُم خَيرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَوْنَ عَنِ المُنكَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (۱) ''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں کثرت سے روایات موجود ہیں جنھیں ہم اختصار کی بنا پر ترک کر رہے ہیں البتہ اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ ان دونوں فریضوں کو صرف اسی لئے حکم شریعت قرار دیا گیا ہے تاکہ سماج اور معاشرہ کے اخلاقیات کو سنوار کر اسے ہر قسم کی برائیوں اور انحرافات سے محفوظ رکھا جا سکے۔

### ۴ و ۵۔ خمس وزکات

خمس وزکات کو بھی اسلام نے مالداروں کے اوپر اسی لئے واجب قرار دیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ اسلامی حکومت غرباء وفقراء اور قوم کے دوسرے ضرورت مند افراد کی کفالت کرے اور دوسرے اہم کاموں کو انجام دے سکے۔

زکات اتنا اہم فریضہ ہے کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں متعدد بار اس کا ذکر کیا ہے قرآن میں شائد ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں نماز کے ساتھ زکات کا تذکرہ نہ پایا جاتا ہو۔

---

(۱) آل عمران آیت ۱۱۰



جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ﴿اَقِيمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (۱) ''نماز قائم کرو زکات ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِى الْأَرْضِ اَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكاةَ﴾ (۲) ''یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکات ادا کی۔''

سماج اور معاشرے کے بارے میں اسلام کے اور بھی کافی احکام موجود ہیں جنمیں سے ہم نے فی الحال چند نمونے ہی ذکر کئے ہیں اسی طرح جہاد، حج، اتحاد، مسلمانوں کے معاملات کا خیال رکھنا، نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کا تعاون، یتیموں اور غریبوں کی امداد یہ سب بھی اسلام کے اجتماعی احکام ہی ہیں۔ اور مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو سعادت تک پہونچانے کے لئے ان کو معاشرتی اور سماجی حقوق ادا کرنے، ایک دوسرے سے مستحکم تعلقات رکھنے اور آپسی میل جول، محبت اور امداد وتعاون کا راستہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔

اور اگر ہم ان چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں مندرجہ ذیل دو باتیں بھی قبول کرنا ہوں گی۔

۱۔ ہر سماج اور معاشرہ کے تمام افراد کے ایک دوسرے پر کچھ نہ کچھ حقوق ضرور ہوتے ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ ہر سماج اور قوم کے لئے کچھ نہ کچھ اخلاقی اور سماجی ضوابط اور اصول ضروری ہیں جن کی پابندی سے ہی ہر شخص کی شخصیت کی قدر و قیمت معین ہوتی ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۴۳

(۲) سورۂ حج آیت ۴۱

لہٰذا اگر کوئی شخص ان حقوق کا خیال نہ رکھے اور ان کو ادا نہ کرے تو لوگوں کی نگاہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور وہ ہر ایک کی نگاہ میں ذلیل رہتا ہے۔

آئندہ اسباق میں ہماری یہی کوشش ہوگی کہ ان حقوق کو مختصر طور سے بیان کر دیا جائے تا کہ ان کو جاننے کے بعد ہم سب ان پر بخوبی عمل پیرا ہو سکیں۔



## خلاصہ:

اگر کوئی انسان ترقی اور کمال کی آخری منزل تک پہونچنا چاہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا واحد راستہ ''قرب خدا'' کا حصول ہے۔

جب ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کے علاوہ ہر چیز فانی ہے تو پھر خدا پر توکل کے سہارے ہی ہم حقیقی کمال تک پہونچ سکتے ہیں اور اس کے لئے خداوند عالم نے یہ دو شرطیں قرار دی ہیں:

۱۔عمل صالح۔

۲۔توحید اور بندگی میں اخلاص اور شرک سے پرہیز۔

اور یہ دونوں شرطیں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب شریعت کی مکمل پابندی کی جائے اور سماجی حقوق ادا کئے جائیں نہ یہ کہ انسان تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

## سوالات:

۱۔''حب کمال فطری چیز ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

۲۔اسلام کی نظر میں ابدی سعادت حاصل کرنے کی شرط کیا ہے؟

۳۔صرف دوسروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر ہی کیوں ہم سعادت ابدی تک پہونچ سکتے ہیں؟

۴۔نماز جماعت کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے کیا فرمایا ہے؟

۵۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں قرآن مجید کی ایک آیت بیان کیجئے؟

۶۔اسلام میں خمس اور زکات کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے؟

# دوسرا سبق

## اسلامی اخوت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے جو بنیادی قدم اٹھائے ان میں ایک اہم قدم یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت اور بھائی چارہ کوفروغ دینے کے لئے انصار ومہاجرین میں سے ہرایک کوایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اوران کے درمیان اخوت کا صیغہ بھی پڑھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے تمام قبیلوں کے درمیان مدتوں پرانی رنجش اور خون خرابہ کا خود بخود خاتمہ ہوگیا اوراس کی جگہ بھائی چارہ اور پیار ومحبت نے لے لی اورسب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ایک جان ہوکر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشاروں پر دین کے لئے اپنی جان نچھاور کرنے لگے۔

اسلام کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں اور کوئی قوم یا قبیلہ نیز کوئی رنگ ونسل ایک دوسرے پرفوقیت نہیں رکھتا اور دولت یا غربت برتری اورفضیلت کا معیار نہیں ہے بلکہ اس کی نظر میں تقوی اور پرہیز گاری کے علاوہ برتری کا ہر معیار بے بنیاد ہے جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ ہم نے تمہاری پہچان اور تشخیص کے لئے تمہیں مختلف قوموں، قبیلوں اور رنگ ونسل اور زبانوں کے اعتبار سے خلق کیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ سب باتیں تمہاری برتری اورفضیلت کا سبب نہیں ہیں بلکہ تمہارے نیک اعمال اورتقویٰ تمہاری فوقیت اور برتری کا سبب اورمعیار ہے۔

﴿یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَ اُنْثیٰ وَ جَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَ قَبَائِلَ

لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾(۱)

"اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ ہر شئے کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔"

خداوند عالم نے قرآن مجید میں مومنین کے گوش گذار کیا ہے کہ تمہارے درمیان یہ الفت و محبت اور بھائی چارہ خدا کی نعمت ہے ورنہ بغض و حسد اور کینہ کی آگ نے تمہیں ہلاکت کے دہانے پر پہونچا دیا تھا۔

﴿و اعتصموا بحبل اللّٰه جمیعاً و لاتفرقوا و اذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذالک یبین اللّٰه لکم آیاته لعلکم تهتدون﴾(۲)

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اس طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔"

پیغمبر اکرم ﷺ اور معصومین علیہم السلام نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اخوت و برادری کے استحکام پر زور دیا ہے اور مومنین کے درمیان زیادہ سے زیادہ بھائی چارہ اور قربت

---

(۱) سورۂ حجرات آیت ۱۳

(۲) سورۂ آل عمران ۱۰۳



پیدا کرنے کی کوشش کی اسی لئے اسکے اخروی فوائد اور ثمرات بھی بیان فرمادئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ آخی اَخاً فِی اللّٰهِ رَفَعَ اللّٰهُ لَهُ دَرَجَةً فِی الْجَنَّةِ لایَنالُها بِشَیئٍ مِنْ عَمَلِه."(۱)

"اگر کوئی شخص کسی برادر مومن کو خداوند عالم کے لئے اپنا بھائی قرار دے تو خداوند عالم اس کے لئے جنت میں ایک ایسا درجہ عطا کرے گا جس تک اسے اس کا کوئی اور عمل نہیں پہونچا سکتا ہے۔"

آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا: "یُنْصَبُ لِطَائِفَةٍ مِنَ النَّاسِ کَرَاسِیُّ حَوْلَ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وُجُوهُهُمْ کَالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ یَفْزَعُ النَّاسُ وَ لَایَفْزَعُوْنَ وَ یَخَافُ النَّاسُ وَ لَایَخَافُوْنَ هُمْ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ. فَقِیْلَ: مَنْ هُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰهِ"(۲)

"روز قیامت کچھ لوگوں کے لئے عرش کے چاروں طرف کرسیاں رکھی جائیں گی اور ان کے چہرے چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہونگے اس دن لوگ گڑگڑا رہے ہوں گے مگر وہ پرسکون ہوں گے، لوگ خوف زدہ ہوں گے مگر انہیں کوئی ڈر نہ ہوگا، وہ اولیاء خدا ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ حزن و ملال، دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ خدا کے لئے محبت کرنے والے حضرات ہیں۔"

آپ سے یہ بھی نقل ہوا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ حَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَ حَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَ حَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَحَابُّوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَحَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَبَاذَلُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ" (۳) "حدیث قدسی

---

(۱) حقائق ص ۳۱۸

(۲) احیاء العلوم کتاب آداب الصحبة والمعاشرة

(۳) مسند ابن حنبل، ج ۳، ص ۳۸۶

میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میری بنا پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں نیز میری محبت ان کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

امام صادق علیہ السلام نے نقل کیا ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''ایُّ عُرَی الْایمانِ اَوْثَق'' ''ایمان کی کونسی رسی سب سے زیادہ مضبوط ہے؟۔''

اصحاب نے عرض کی! خدا اور اس کا رسول بہتر آگاہ ہیں اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے کہا نماز، بعض نے زکات اور بعض نے روزہ یا حج وعمرہ کا ذکر کیا اور کچھ نے جہاد کا نام لیا۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لِکُلٍّ مَا قُلْتُمْ فَضْلٌ وَ لَیْسَ بِهِ وَ لٰکِنَّ اَوْثَقَ عُرَی الْاِیْمَانِ الْحُبُّ فِی اللهِ وَ الْبُغْضُ فِی اللهِ وَالتَّوالِی لِاَوْلِیَاءِ اللهِ وَ التَّبَرِّی عَنْ اَعْدَاءِ اللهِ'' (۲) ''جو کچھ تم لوگوں نے بیان کیا ہے ان میں سے ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی فضیلت ضرور ہے مگر ایمان کی سب سے مضبوط رسی یہ ہے کہ ہر ایک سے خدا کے لئے محبت کرو اور خدا کے لئے بغض ونفرت کرو اور اللہ کے اولیاء (دوستوں) سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو۔''

جس طرح اسلام کی نگاہ میں ہر کام رضائے خدا کے لئے ہونا ضروری ہے اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی رضائے خدا کے لئے ہونا چاہئے کیونکہ اسے بعض روایات میں دین کا رکن اور بعض میں اصل دین کہا گیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام میں ہر دوستی اور دشمنی کا معیار خدا کی خوشنودی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج۴ ص ۳۸۶

(۲) بحار الانوار جلد ۶۹ صفحہ ۲۴۲



قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (۱) ''بیشک تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں'' مومنین کی دوستی اور محبت کی بنیاد خدا پر ایمان اور اس کی اطاعت ہے اور اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے تمام مادی معیار بیکار و بے بنیاد ہیں۔

جو لوگ کسی شخص سے اس کے مال ودولت یا عہدہ کی بنا پر محبت کرتے ہیں یا اس کا احترام کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں ان کی اس محبت میں پائیداری نہیں پائی جاتی بلکہ جیسے ہی ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں یا اس کی دولت اور عہدہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اسی دن یہ سب محبتیں بھی خاک میں مل جاتی ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پرانا محبوب دشمن بھی ہو جاتا ہے لیکن اسلامی اقدار پر استوار ہر دوستی دائمی ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی دراڑ نہیں پڑتی کیونکہ اس کا معیار خدا کی محبت ہے جس میں کسی قسم کے کھوکھلے پن کا امکان نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دینی محبت اور بھائی چارہ تمام مادی اقدار جیسے رنگ ونسل اور مال ودولت وغیرہ سے بلند وبالا ہے اسی لئے صدر اسلام میں ہر شخص نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ غلاموں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے تھے۔

ایک دن وہ تھا جب عرب قبیلے صرف اپنے اونٹ، اولاد اور اموال کی کثرت پر ہی نہیں بلکہ اپنے مُردوں اور قبروں کی کثرت پر بھی فخر ومباہات کیا کرتے تھے اور عرب کو غیر عرب پر اور گورے کو کالے پر فوقیت دیتے تھے لیکن پیغمبر اکرم ﷺ نے جاہلیت کے ان تمام اقدار پر خط بطلان کھینچ دیا اور بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیا اور زید بن حارثہ کی شادی اپنی پھوپھی کی بیٹی جناب زینب سے کرادی، یا جناب جویبر (جو افریقہ کے ایک فقیر باشندے تھے) کا عقد ایک ثروتمند اور مشہور شخص کی بیٹی زلفا کے ساتھ کرادیا کیونکہ آپ کا یہ فرمان

---

(۱) سورۂ حجرات آیت ۱۰

ہے کہ: ''اَلْمُؤمِنُ کُفوُ الْمُؤمِنِ'' ''ایک مومن دوسرے مومن کا کفواور ہمسر ہے۔''

غیر خدا سے محبت کرنا ایک قسم کا شرک بھی ہے کیونکہ جب محبت کا رخ کسی کے ظاہری یا باطنی حسن و جمال کی وجہ سے غیر خدا کی طرف ہو جائیگا تو چونکہ یہ جمال درحقیقت خداوند عالم کا عطا کردہ ہے اور وہ مصدر کمال و جمال ہے ہذا اس سے چشم پوشی کر کے کسی دوسرے کی طرف رخ کرنا شرک ہے۔

اسلام نے خداوند عالم کی جس محبت کی طرف رغبت دلائی ہے اس کی محبت میں اس کے چاہنے والے اور اس کے محبوب بندے لازمی طور پر شامل ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اولیاء خدا کی محبت سے ذات الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ مظہر صفت الٰہی ہیں ان کی ذات میں خداوند عالم کے صفات نمایاں رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ قرب خدا حاصل ہوتا ہے۔ \

رضائے خدا کے لئے محبت اور نفرت کی بنیاد پر ہی دشمنان خدا اور کافروں سے دشمنی اور دوری یعنی تبرا کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے۔

آیت کریمہ نے اسی بات کو نہایت حسین پیرائے میں یوں بیان کیا ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۱) ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں۔''

گویا ان کے درمیان بے حد الفت و محبت پائی جاتی ہے اور محبت الٰہی نے ان کو ایک بنا دیا تھا اور اسی محبت کی بنا پر وہ دشمنان خدا کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔

زیارت عاشورہ میں اس عہد الٰہی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے ''اِنِّی سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَکُمْ وَ حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃ'' ''قیامت تک میری صرف اس سے صلح اور دوستی

---

(۱) سورۂ فتح آیت ۲۹



ہے جس سے آپ کی صلح اور دوستی ہو اور اس سے میری دشمنی ہے جس سے آپ حضرات کی جنگ اور دشمنی ہے۔'' (۱)

خداوند عالم کی سچی محبت کا اندازہ دو چیزوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ واجبات الٰہیہ کی پابندی اور محرمات سے پرہیز کیونکہ وہ انسان ہرگز سچا محب نہیں ہو سکتا ہے کہ جو محبت کا دم بھرتا ہو مگر اپنے محبوب کی اطاعت نہ کرے۔ خداوند عالم یقیناً ہم سے محبت کرتا ہے اسی لئے اس نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور ہم یہ نعمتیں لینے کے بعد اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں تاکہ اپنے دل میں موجود اس کی محبت کا ثبوت دے سکیں اور یہی نہیں بلکہ اس شکر سے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (۲) ''اگر تم ہمارا شکریہ ادا کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔''

اس شکر کے نتیجہ میں اتنی نعمتیں ملتی ہیں کہ وہ انسان کو اس کے اعلیٰ ترین درجہ اور مقام تک پہونچا دیتی ہیں۔

۲۔ محبت الٰہیہ کا لازمہ یہ ہے کہ انسان سماجی، معاشرتی اور اجتماعی واجبات اور حقوق بھی ضرور ادا کرے جیسے والدین کی اطاعت اور ان کو راضی رکھنا، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور صلۂ رحم، غرباء و مساکین کی امداد اور ان سے محبت، نیز دشمنان خدا سے نفرت اور دوری وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دوستی اور دشمنی کے تمام معیار معین کر دئے ہیں کہ کس سے محبت کی جائے اور کس سے نفرت جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''ایمان والو! خبردار مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا

---

(۱) مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا

(۲) سورۂ ابراہیم آیت ۷

ولی اور سرپرست نہ بنانا۔"(۱)

یہ بھی ارشاد ہوتا ہے: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَ عَدُوَّکُمْ أَوْلِیَاءَ﴾ (۲) "اے ایمان والو! خبردار میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا۔"

ایسی آیات سے اسلامی وحدت اور اخوت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اس وحدت واخوت کا سرچشمہ خالص عقیدۂ توحید کی بنیاد پر استوار ہے اور یہی اس عقیدہ کا جوہر اور اس کی پہچان ہے۔

---

(۱) سورۂ انبیاء آیت ۱۴۴

(۲) سورۂ ممتحنہ آیت ۱



## خلاصہ:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ پہونچنے کے بعد سب سے پہلا اہم قدم یہ اٹھایا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کا عقد پڑھایا جس کے نتیجہ میں اسلامی سماج اور معاشرے میں بے مثال محبت اور برادری اور وحدت واتحاد پیدا ہوگیا اور تمام مسلمانوں کے درمیان قربت اور محبت کی ایک بے نظیر فضا قائم ہوگئی۔

خداوند عالم نے تقویٰ و پرہیزگاری کو ہی فوقیت اور برتری کا معیار قرار دیا ہے اور آپسی روابط اور تعلقات خداوند عالم کی محبت اور دشمنی کی بنیاد پر استوار کرنے کی تاکید کی ہے۔

خداوند عالم کی محبت یا دشمنی کا اندازہ واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کے ذریعہ لگایا جا سکتا ہے یا یہ کہ خدا کے نیک بندوں کی محبت ہو اور اس کے دشمنوں سے محبت اور تعلقات کے رشتے توڑ لئے جائیں۔

## سوالات:

۱۔ اسلام میں برتری کا معیار کیا ہے؟ سورۂ حجرات کی ایک آیت ذکر کیجئے!

۲۔ مومنین کے درمیان اخوت کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۳۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایمان کی سب سے محکم رسی کس چیز کو قرار دیا ہے؟

۴۔ اسلام نے ہمیں کس مقصد کے تحت اولیاء الٰہی کی دوستی کا حکم دیا ہے؟

۵۔ قرآن کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب باوفا کے کیا صفات بیان کئے ہیں؟

۶۔ خداوند عالم سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کا لازمی نتیجہ کیا ہے؟

# تیسرا سبق

## والدین کے حقوق

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے اور اسلام کے ماننے والے صرف رضائے خدا کے لئے اس کی راہ میں آگے بڑھتے ہوئے ایک دوسرے سے تعلقات اور روابط رکھتے ہیں۔

اسلام نے ہمیں معاشرہ اور سماج میں زندگی بسر کرنے کے اصول بھی اچھی طرح بتادئے ہیں تا کہ ان کی معرفت کے بعد ان پر عمل کر کے ہم خوشنودی خدا حاصل کر سکیں اور اس کے نتیجہ میں دنیاوآخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو جائیں۔

چنانچہ اگر ہم دوسروں کے بارے میں اپنے فرائض اور واجبات ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے دوسروں کے ان تمام حقوق کا جاننا ضروری ہے جو ہماری گردن پر ہیں۔

آئندہ دروس میں ہم مومنین پر ایک دوسرے کے واجب اور ضروری حقوق کا تذکرہ کریں گے لیکن فی الحال اس درس میں اولاد کے اوپر والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

### ۱۔ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ

اسلام میں اولاد کے اوپر والدین کا حق سب سے اہم اور واجب حق قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے والدین سے حسن سلوک اور اپنی عبادت کا حکم ایک ساتھ دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید



میں ارشاد ہے:

﴿وَ قَضىٰ رَبُّکَ اَلاَّ تَعْبُدُوا اِلاَّ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَهُمَا قَوْلاً کَرِیْماً ☆ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیٰنِی صَغِیْراً﴾(۱)

"اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو خبر دار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار ان دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔"

ان آیات کریمہ میں خداوند عالم نے جہاں بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وہیں انہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا حکم بھی دیا ہے. امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿... وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً﴾ میں احسان کے معنی کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

"اَلاِحْسَانُ اَنْ تُحْسِنَ صُحْبَتَهُمَا وَ اَنْ لاَ تُکَلِّفَهُمَا اَنْ یَسْأَلاَکَ شَیْئاً مِمَّا یَحْتَاجَانِ اِلَیْهِ وَ اِنْ کَانَا مُسْتَغْنِیَیْنِ" "ان کے ساتھ احسان کا مطلب یہ ہے کہ اچھی طرح ان کی ہم نشینی میں رہو اور اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان کی خدمت میں حاضر کر دو چاہے وہ مستغنی ہی کیوں نہ ہوں"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اولاد کے اوپر والدین کا کیا حق ہے؟ تو آپ

---

(۱) سورۂ اسراء آیت ۲۳ تا ۲۵

نے فرمایا:''هُمَا جَنَّتُکَ وَ نَارُکَ ''(مختصر یہ سمجھ لو) کہ وہ تمہاری جنت اور جہنم ہیں۔(۱) یعنی آخرت میں انسان انہیں والدین کے ذریعہ جنت یا جہنم تک پہونچے گا جیسا کہ اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے: ''اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ'' ''جنت ماؤوں کے قدموں کے نیچے ہے۔''(۲) اگر چہ اولاد کے اوپر والدین کے حقوق کے بارے میں بکثرت احادیث موجود ہیں مگر اس کے باوجود ماں کے حقوق اور مرتبہ کے سلسلہ میں مزید تاکید اور اولویت پائی جاتی ہے جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے رسالۂ حقوق میں اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:''فَاَوْجَبُهَا عَلَيْکَ حَقُّ اُمِّکَ ثُمَّ حَقُّ اَبِيْکَ ثُمَّ حَقُّ وَلَدِکَ، ثُمَّ...'' ''اس کے بعد خداوند عالم نے تمہاری گردن پر تمہاری والدہ کا حق واجب قرار دیا ہے اس کے بعد تمہارے والد کا حق ہے اور پھر تمہاری اولاد کے حقوق ہیں'' آخر میں آپ نے ماں کے حقوق کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے۔''

''فَحَقُّ اُمِّکَ أَن تَعْلَمَ أَنَّهَا حَمَلَتْکَ حَيْثُ لَايَحْمِلُ أَحَدٌ أَحَداً وَاَطْعَمَتْکَ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهَا مَا لَايُطْعِمُ أَحَدٌ أَحَداً وَ أَنَّهَا وَقَتْکَ بِسَمْعِهَاوَ بَصَرِهَاوَيَدِهَاوَرِجْلِهَا وَشَعْرِهَاوَ بَشَرِهَاوَجَمِيْعِ جَوَارِحِهَامُسْتَبْشِرَةً بِذٰلِکَ فَرِحَةً مُوْبِلَةً مُحْتَمِلَةً لِمَا فِيْهِ مَکْرُوْهُهَا وَ أَلَمُهُ وَ ثِقْلُهُ حَتّٰی دَفَعَتْهَا عَنْکَ يَدُ الْقُدْرَةِ وَ أَخْرَجَتْکَ اِلَی الْأَرْضِ فَرَضِيَتْ أَنْ تَشْبَعَ وَ تَجُوْعَ هِيَ وَ تَکْسُوْکَ وَ تَعْرىٰ وَ تُرْوِيْکَ وَ تَظْمأُ وَتُظِلَّکَ وَتَضْحیٰ وَ تُنْعِمُکَ بِبُؤْسِهَاوَتُلَذِّذُکَ بِالنَّوْمِ بِأَرَقِهَاوَ کَانَ بَطْنُهَالَکَ وِعَاءً وَحِجْرُهَا لَکَ حِوَاءً وَ ثَدْيُهَا لَکَ سِقَاءً وَ نَفْسُهَا لَکَ وِقَاءً تُبَاشِرُ حَرَّالدُّنْيَا وَ بَرْدَهَا لَکَ وَ دُوْنَکَ فَتَشْکُرُهَا عَلیٰ قَدْرِ ذٰلِکَ وَ لَاتَقْدِرَ عَلَيْهِ اِلَّا بِعَوْنِ اللهِ وَ تَوْفِيْقِهِ''

---

(۱) الترغیب والترہیب ۳/۳۱۶

(۲) کنز العمال ح ۴۵۴۳۹



''ماں کا یہ حق ہے کہ تم یہ یاد رکھو کہ اس نے تمہارے بوجھ کو (اپنے شکم) میں اتنے دن تک اٹھایا ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تم کو اپنا خون دل پلایا ہے اور ایسی غذا دی جو دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا اور اس نے اپنے کان، آنکھ، ہاتھ، پیر، بال اور کھال بلکہ اپنے پورے وجود کی تمام توانائیوں کے ساتھ بخوبی ہنستے اور مسکراتے ہوئے اپنی تمام ناگواریوں اور مشکلات کے ہر بوجھ کو بآسانی اٹھالیا.... یہاں تک کہ دست قدرت نے تم کو اس کے وجود سے جدا کردیا اور تمہارے قدم زمین پر پہونچ گئے (تم پیدا ہوگئے) پھر بھی وہ اس پر خوش اور راضی رہی کہ چاہے خود بھوکی رہے مگر تم کو سیر کرتی رہے اور تم کو لباس پہنائے چاہے خود بے لباس رہنا پڑے تمہیں سیراب کرے چاہے خود پیاسی رہے خود دھوپ برداشت کرلے مگر تمہیں اپنے سائے میں رکھے اور خود زحمتیں برداشت کرکے تمہیں نعمتوں سے سرشار کردے اور بیدار رہ کر تمہیں خواب شیریں کے موقع فراہم کردے اس کا شکم تمہاری خلقت کا ظرف اس کی گود تمہارا گہوارہ اور اس کا سینہ تمہیں سیراب کرنے والا چشمہ اور اس کا پورا وجود تمہارا محافظ تھا اس نے تمہارے لئے دنیا کی ہر سردی اور گرمی کو براہ راست اپنے اوپر سہہ لیا ہے لہٰذا تم اس مقدار میں اس کا شکریہ ادا کرو اور یہ تمہارے لئے ناممکن ہے مگر یہ کہ خداوند عالم کی توفیق اور امداد کے سہارے''(۱)

اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے باپ کے حق کا یہ فلسفہ بیان کیا ہے:''وَ أَمَّا حَقُّ اَبِيْکَ فَتَعْلَمُ اَنَّهُ اَصْلُکَ وَ اَنَّکَ فَرْعُهُ وَ أَنَّکَ لَوْلَاهُ لَمْ تَکُنْ فَمَهْمَا رَأَيْتَ فِي نَفْسِکَ مِمَّا يُعْجِبُکَ فَاعْلَمْ اَنَّ اَبَاکَ اَصْلُ النِّعْمَةِ عَلَيْکَ فِيْهِ وَاحْمَدِ اللهَ وَ اشْکُرْهُ عَلیٰ قَدْرِ ذٰلِکَ'''' اور اپنے باپ کے حق کے بارے میں تمہیں یاد رہے کہ وہ تمہاری اصل اور بنیاد ہے اور تم اس کی شاخ ہو، اگر وہ نہ ہوتا تو تمہارا وجود بھی نہ ہوتا لہٰذا اپنے اندر تمہیں اگر

---

(۱) بحار الانوار جلد ۷۴، باب ۱، ح ۲

کوئی ایسی نعمت نظر آئے جو تمہیں اچھی لگے تو دھیان رکھنا کہ تمہارا باپ ہی ان نعمتوں کی اصل بنیاد ہے لہٰذا حمد خدا کرو اور ان نعمتوں کے برابر اس کا شکریہ ادا کرو۔"(۱)

امام زین العابدین علیہ السلام نے ماں کی مہربانیوں کی جو نقشہ کشی فرمائی ہے اس سے ماں کی مامتا بالکل مجسم ہو کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے جو کہ رحمت الٰہیہ کا ایک نمونہ ہے کیونکہ آغوش مادر جس لطف و محبت اور مامتا سے معمور ہوتی ہے اس کا ادراک ہمارے لئے ناممکن ہے۔

## ۲۔ بداخلاقی سے پرہیز

کسی ناگوار بات میں انسان کا سب سے معمولی ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے اُف نکل جاتا ہے اور اُف وہ آواز ہے جو کسی معمولی افسوس کے لمحات میں انسان کی زبان پر آ جاتی ہے خداوند عالم کو اتنا معمولی اظہار شکوہ بھی والدین کے بارے میں برداشت نہیں ہے اسی لئے اس نے مومنین کو اُف تک کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿...فَلا تَقُلْ لَهُما اُفٍّ وَ لا تَنْهَرْهُما...﴾(۲) "تو خبردار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: "اَدْنَى الْعُقُوقِ "اُفٍّ" وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ شَيْئاً اَهْوَنَ مِنْهُ لَنَهَى عَنْهُ" "عاق ہونے کے لئے سب سے معمولی چیز اُف کہنا ہے اور اگر خداوند عالم کی نظر میں کوئی اور چیز اس سے حقیر اور معمولی ہوتی تو وہ اس سے بھی منع فرما دیتا۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار جلد ۷۴ باب ۱ ح ۲

(۲) سورۂ اسراء آیت ۲۳

(۳) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۶



لہٰذا جب پہلے مرحلہ میں اُف تک کرنے سے منع کر دیا گیا ہے تو اگر کوئی انہیں برا کہے یا بلند آواز سے ان سے بات کرے یا انہیں جھڑک دے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ اف کہنا گناہ کبیرہ ہے چنانچہ اس گناہ کبیرہ کے بعد جو لوگ عاق ہو جاتے ہیں اگر خداوند عالم دوسرے گناہان کبیرہ کے عذاب کی طرح ان کا بھی سخت حساب لے اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اِنَّ اَكْبَرَ الْكَبَائِرِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ الْمُؤْمِنَةِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَالْفِرَارُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ..." "خدا کے نزدیک قیامت کے دن گناہان کبیرہ میں بھی سب سے بڑے گناہان کبیرہ یہ ہیں: شرک باللہ، ناحق کسی مومن کو قتل کرنا، میدان جہاد (راہ خدا) سے فرار کرنا اور والدین کا عاق ہونا۔"(۱)

دوسری حدیث میں ہے: "يُقَالُ لِلْعَاقِّ اعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّيْ لَا اَغْفِرُ لَكَ" "والدین کے عاق شدہ انسان سے کہا جائے گا کہ جو تیرا دل چاہے انجام دے میں تجھے ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔"(۲)

مختصر یہ کہ عاق ہونے کا نتیجہ روز قیامت مغفرت الٰہی اور جنت سے محرومی ہے البتہ یہ واضح رہے کہ عاق ہونا بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے اور خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے گناہوں سے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں لہٰذا انسان اپنے والدین کو خوش کر کے بآسانی اپنے ماضی کی تلافی کر سکتا ہے

---

(۱) الترغیب والترهیب ج ۳ ص ۳۲۷

(۲) کنز العمال حدیث ۴۵۵۲۷

اس مقام پر دو اور نکات کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

۱۔ بعض روایات میں والدین سے بداخلاقی اور اس کے ذریعہ عاق ہونے کے نمونے ذکر کئے گئے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ أحزَنَ الوالِدَیْنِ فقد عقّهما'' ''جس نے اپنے والدین کو غمزدہ کیا وہ عاق ہوگیا۔''(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''مِنَ العُقُوقِ انْ یَنظُرَ الرَّجلُ اِلی وَالدیْهِ فیحدُّ النظرَ اِلَیْهما'' ''والدین کی طرف گھور کر دیکھنے سے بھی انسان عاق ہوجاتا ہے۔''(۲)

عاق ہونے کا مسئلہ اس وقت اور نہایت حساس مرحلہ میں پہونچ جاتا ہے کہ جب والدین نے اپنی اولاد کے اوپر ظلم کیا ہو اس کے باوجود بھی شریعت کا مطالبہ یہی ہے کہ اپنے والدین کی طرف غصہ بھری نظریں نہ اٹھائے ورنہ وہ بھی عاق شمار ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ نظرَ اِلی اَبَوَیْهِ نظرَ ماقِتٍ وهما ظالمانِ لهُ لَمْ یقْبَلِ اللهُ لهُ صلاةً'' ''جو شخص اپنے والدین کو غصہ بھری نگاہ سے دیکھے گا تو چاہے انہوں نے اس پر ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو تب بھی خداوند عالم اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔''(۳)

۳۔ عاق ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ والدین مسلمان ہی ہوں بلکہ اس حکم کے اندر غیر مسلم والدین بھی شامل ہیں کیونکہ اسلام میں والدین کے حقوق، عاق ہونے کی ممانعت اور وہ واجبات جن کی ادائیگی کے لئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو عملی شکل ملتی ہے یہ سب احکام اس صورت میں بھی اسی قوت اور مضبوطی کے ساتھ باقی ہیں اور ایک مسلمان بیٹے کے لئے شرک کے

---

(۱) کنز العمال حدیث ۴۵۵۳۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۶۱

(۳) گذشتہ حوالہ



علاوہ دیگر چیزوں میں والدین کی اطاعت کا حکم کفر کی صورت میں باقی رہتا ہے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے: ''وَوَصَّیْنا الانسانَ بوالدیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهْناً علی وَهْنٍ و فِصالُهُ فی عامَیْنِ أنِ اشْکُرْ لی وَ لِوالدیْکَ اِلَیَّ الْمَصیرُ ☆ وَ اِنْ جاهَداکَ علی أنْ تُشْرِکَ بی ما لَیْسَ لکَ بهِ عِلْمٌ فلا تُطِعْهُما وَصاحِبْهُما فی الدُّنیا مَعْرُوفاً'' ''اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے بارے میں نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ سہ کر اسے پیٹ میں رکھا ہے اور اس کی دودھ بڑھائی بھی دو سال میں ہوئی ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے اور اگر تمہارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔''(۱)

جناب زکریا بن ابراہیم عیسائی تھے اور بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے ایک دن جناب زکریا نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ میرے والدین عیسائی ہیں میری والدہ نابینا ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہوں اور ان کے برتنوں میں ان کا کھانا کھاتا ہوں اس کا حکم کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے سوال فرمایا کیا وہ سور کا گوشت کھاتے ہیں؟ جناب زکریا نے عرض کی اے مولا ہرگز نہیں کھاتے تو امام نے فرمایا: ''کُلْ مَعَهُمْ وَاَحْسِنْ'' ''ان کے ساتھ کھاؤ اور جتنا ممکن ہو اپنی والدہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔''(۲)

چنانچہ جناب زکریا کوفہ واپس آئے اور اپنی والدہ کی اچھی طرح خاطر مدارات کرنے لگے

---

(۱) سورۂ لقمان آیت ۱۴/۱۵

(۲) بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۳۷۴

انھیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے، خود ہی ان کے کپڑے دھوتے اور ان کی صفائی کا خیال رکھتے تھے جس سے ان کو بہت تعجب ہوا تو انہوں نے ایک دن ان سے یہ پوچھا کہ اے بیٹا جب تم ہمارے مذہب پر تھے تو میرے ساتھ ایسا حسن سلوک نہیں کرتے تھے اور اب تو تم مجھ سے کچھ زیادہ ہی محبت اور نیک برتاؤ کے ساتھ پیش آ رہے ہو؟ تو جناب زکریا نے اپنی والدہ سے کہا کہ اسلامی ادب اور اخلاق یہی ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی اولاد میں سے ایک شخص نے مجھے اس کی ہدایت دی ہے ان کی والدہ نے کہا بیٹا کیا وہ نبی ہیں؟ جناب زکریا نے جواب دیا نہیں! بلکہ وہ نبی کی اولاد میں سے ہیں تو ان کی والدہ نے جواب دیا مگر یہ تو انبیاء کی ہدایت اور گفتگو محسوس ہوتی ہے جناب زکریا نے جواب دیا وہ نبی نہیں ہیں بلکہ نبی کی اولاد میں سے ہیں اور امام ہیں تو میری والدہ نے بے ساختہ کہا، اے میرے لال، اے زکریا تم اسی دین کے پابند رہنا کیونکہ سب سے بہتر دین یہی ہے ان کی ماں نے کہا بیٹا ذرا اپنا مذہب مجھے بھی سکھا دو تو جناب زکریا نے اسلامی عقائد اور تعلیمات کو ان کے سامنے بیان کر دیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں انہوں نے نماز پڑھنا سیکھی جب نماز ظہر کا وقت آیا تو نماز ظہر ادا کی پھر عصر کی نماز ادا کی سورج غروب ہو جانے کے بعد مغرب کی نماز پڑھی اور پھر عشاء کی نماز ادا کی۔

مشیت خدا کہ اسی رات انہوں نے دنیا سے انتقال فرمایا اور اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا اور ایک مسلمہ اور مومنہ کی صورت میں دنیا سے گئیں سب مسلمان ان کی تشییع جنازہ میں شامل ہوئے اور احترام کے ساتھ اسلامی احکام کے مطابق انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

## ۳۔ شفقت اور نرمی

درس کے شروع میں ہم سورۂ اسراء کی یہ آیۂ مبارکہ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (۱)

---

(۱) سورۂ اسراء آیت ۲۴



"اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا۔"

اس آیت میں "خفض جناح" شانے جھکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے نہایت درجہ تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کیا جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیۂ شریفہ کی وضاحت یوں فرمائی ہے: "لاتَملأ عَینَیکَ مِنَ النَّظَرِ اِلَیهِما اِلاّ بِرَحمَةٍ وَ رِقَّةٍ وَ لاتَرفَعُ صَوتَکَ فَوقَ اَصواتِهِما وَ لا یَدَکَ فَوقَ اَیدِیهِما وَ لاتَقَدَّمْ قُدّامَهُما" "جب بھی تم ان کی طرف دیکھو تو تمہاری آنکھیں رحمت اور شفقت و نرمی سے پر ہوں اور ان کی آواز پر اپنی آواز اور ان کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو اور ان کے آگے نہ چلو" (۱)

پھر آپ نے آیۂ کریمہ ﴿وَ قُلْ لَهُمَا قَوْلاً کَرِیماً﴾ کی وضاحت میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم کو ماریں تو ان سے کہو "غَفَرَ اللّٰهُ لَکُما" "پروردگار آپ کے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔" (۲)

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۳۹، ۴۰

(۲) گذشتہ حوالہ، اصول کافی ج ۲ ص ۱۵۸

## خلاصہ:

☆ اسلام ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے جس کے ماننے والے صرف رضائے الٰہی کے لئے ایک دوسرے سے تعلقات اور روابط رکھتے ہیں لہٰذا ہماری بھی یہی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اوپر دوسروں کے واجب حقوق کو پہچانیں تا کہ ان کو آسانی ادا کرنے میں ہمیں مدد مل سکے۔

☆ انہیں حقوق میں والدین کے حقوق بھی ہیں جن کو خداوند عالم نے اپنی اطاعت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کو سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔

لہٰذا ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ والدین کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کریں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

## سوالات:

۱۔ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ ''احسان'' کرنے کے بارے میں قرآن مجید نے کیا کہا ہے؟

۲۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے دوسروں کے حقوق ذکر کرتے ہوئے ماں کے کیا حقوق بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ عاق ہو جانے کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۴۔ روایات کی روشنی میں کس کس چیز سے اولاد عاق ہو سکتی ہے؟

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے سورۂ اسراء کی ۲۵ ویں آیت کی وضاحت کے سلسلہ میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟

# چوتھا سبق

## صلۂ رحم

اسلام نے جن معاشرتی اور سماجی حقوق کی تاکید کی ہے اور مسلمانوں کو ان کی پابندی کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ ہمیشہ اچھے روابط قائم رکھنا ہے اسی کو صلۂ رحم کہا جاتا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اعزاء و اقرباء سے ملاقات کرتا رہے اور ان کی مزاج پرسی کرے ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے اگر غریب ہوں تو ان کی امداد کرے، پریشان حال ہوں تو ان کی مدد کے لئے پہونچے اور ان کے ساتھ گھل مل کر (شیر وشکر) ہو کر رہے اور نیک اعمال نیز تقویٰ پرہیز گاری میں انہیں تعاون دے اگر کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو خود ان کا شریک ہو جائے اور اگر کسی کو کوئی مشکل درپیش ہو تو اسے حل کرنے کی کوشش کرے اور اگر ان کی طرف سے کوئی غلط رویہ یا کوئی ناروا کام دیکھے تو خوبصورت طریقے سے انہیں نصیحت کرے۔

کیونکہ ہر انسان کے اعزاء و اقرباء ہی اس کے پشت پناہ ہوتے ہیں یعنی اگر حالات کی تبدیلی انسان کے اوپر کوئی بھی افتاد پڑتی ہے تو اس کی نگاہیں اہل خاندان کی طرف ہی اٹھتی ہیں اسی لئے ان کا اتنا عظیم حق ہے۔

مولائے کائنات کا ارشاد ہے: ''أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا يَسْتَغْنِي الرَّجُلُ وَ إِنْ كَانَ ذَا مَالٍ عَنْ عَشِيرَتِهِ وَ دِفَاعِهِمْ عَنْهُ بِأَيْدِيهِمْ وَ أَلْسِنَتِهِمْ وَ هُمْ أَعْظَمُ النَّاسِ حِيطَةً مِنْ وَرَائِهِ وَ أَلَمُّهُمْ لِشَعَثِهِ وَ أَعْطَفُهُمْ عَلَيْهِ عِنْدَ نَازِلَةٍ إِذَا

نَزَلتْ بِهِ'''' اے لوگو! کوئی شخص چاہے جتنا مالدار کیوں نہ ہو وہ اپنے اعزاء واقرباء اور قبیلے کی زبانی یا عملی یا دیگر قسم کی امداد سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے یہ لوگ انسان کے بہترین محافظ اور پرکندگی کو دور کرنے والے ہوتے ہیں اور جب اس پر کوئی افتاد ومصیبت پڑتی ہے تو اس میں سب سے زیادہ یہی لوگ اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔''(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:''أَلَا لَایَعْدِلَنَّ أَحُدُکُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ یَریٰ بِهَا الْخَصَاصَةَ أَنْ یَسُرَّهَا بِالَّذِی لا یَزِیْدُهُ اِنْ أَمْسَکَهُ وَ لا یَنْقُصُهُ اِنْ أهْلَکَهُ وَ مَنْ یَقْبِضُ یدَهُ عَنْ عَشِیْرَتِهِ فَانَّما تَقْبِضُ مِنْهُ عَنْهُمْ یَدٌ وَاحِدَةٌ وَ تُقْبَضُ مِنْهُمْ عَنْهُ أَیْدٌ کَثِیرةٌ وَ مَنْ تَلِنْ حَاشِیَتُهُ یَسْتَدِمْ مِنْ قَوْمِهِ الْمَوَدَّةَ'''' آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے اقرباء کو محتاج دیکھ کر اس مال سے انکی حاجت برآری کرنے سے گریز نہ کرے جو باقی رہ جائے تو بڑھ نہیں جائے گا اور خرچ کر دیا جائے گا تو کم نہیں ہو جائے گا اس لئے کہ جو شخص بھی اپنی قوم اور قبیلہ سے اپنا ہاتھ روک لیتا ہے تو اس قبیلے کے لئے ایک ہاتھ رک جاتا ہے اور خود اس انسان کے لئے بے شمار ہاتھ رک جاتے ہیں اور جس کے مزاج میں نرمی ہوتی ہے وہ قوم کی محبت کو ہمیشہ کے لئے حاصل کر لیتا ہے۔''(۲)

مولائے کائنات علیہ السلام نے اس مقام پر اہل خانہ یا رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لینے کے نقصانات کی بہترین منظر کشی کی ہے کہ اس کے الگ ہو جانے کی وجہ سے اعزاء واقرباء کو صرف ایک شخص کا نقصان ہوتا ہے مگر وہ خود اپنے بے شمار ہمدردوں کو کھو بیٹھتا ہے اس طرح آپ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ: حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے ذریعہ اعزاء واقرباء کی محبتیں حاصل ہوتی ہیں جس میں بے شمار فوائد پائے جاتے ہیں۔

---

(۲،۱) نہج البلاغہ خطبہ ۲۳



یقیناً ہر بڑے خاندان یا قبیلے اور سماج میں بہت سارے افراد پائے جاتے ہیں جن کی صلاحتیں، امکانات اور قابلیتیں مختلف ہوتی ہیں آپ کو ان کے اندر عالم، جاہل، مالدار، غریب، تندرست، وتوانا، کمزور، صاحبان جاہ وحشم یا بالکل پچھڑے ہوئے، ہر قسم کے افراد مل جائیں گے۔

آخر وہ ایسی کونسی چیز ہے جو اس سماج اور معاشرے کو ایک طاقتور، ترقی یافتہ اور بالکل معتدل سماج بنا سکتی ہے؟ یقیناً آپسی تعلقات اور روابط کا استحکام یا احساس ذمہ داری جو ایک دوسرے کی امداد، ترقی، اور تعاون سے پیدا ہوتے ہیں یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے ہم اس نیک مقصد تک پہونچ سکتے ہیں. اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ثروت مند اپنی قوم کے غریبوں کا ہاتھ تھام لے طاقتور اپنی قوم کے کمزور طبقہ کے حقوق کی پشت پناہی کرے اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کے حق کے لئے ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔ بیشک کسی بھی قوم اور سماج میں صلۂ رحم کی بدولت ایک مضبوط طاقتور اور باعزت معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو آپسی بھائی چارہ اور اخوت و برادری کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے کی تاکید کی ہے اور کسی بھی حال میں ان روابط کو توڑنے یا کمزور کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

اور احادیث شریفہ میں صلۂ رحم کی بے حد اہمیت بیان کی گئی ہے۔ دین اور ایمان سے اسکا گہرا تعلق قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''أُوصِی الشَّاهِدَ مِنْ أُمَّتِی وَالْغَائِبَ مِنْهُمْ وَمَنْ فِی أَصْلَابِ الرِّجَالِ وَأَرْحَامِ النِّسَاءِ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَةِ أَنْ یَصِلَ الرَّحِمَ وَ اِنْ کَانَ مِنْهُ عَلٰی مَسِیْرَةِ سَنَةٍ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنَ الدِّیْنِ'' ''اپنی امت کے موجودہ اور غیر موجود حتی مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے ارحام میں موجود اور قیامت تک آنے والے ہر شخص سے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے اعزاء واقرباء کے ساتھ صلۂ رحم کرے چاہے وہ اس سے ایک سال

(مسافت) کے فاصلے پر کیوں نہ رہتے ہوں کیونکہ یہ دین کا حصہ ہے۔"(۱)

امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَمُدَّ اللهُ فِي عُمْرِهِ وَ أَنْ يَبْسُطَ فِي رِزْقِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ فَإِنَّ الرَّحِمَ لَهَا لِسَانٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَلِقٌ تَقُولُ: يَا رَبِّ صِلْ مَنْ وَصَلَنِي وَاقْطَعْ مَنْ قَطَعَنِي""" جسے یہ خواہش ہے کہ خداوند عالم اس کی عمر میں اضافہ فرمادے اور اس کے رزق کو وسیع کردے تو اسے صلۂ رحم کرنا چاہئے کیونکہ قیامت کے دن رحم کو گویائی عطا کی جائے گی اور وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا بار الہا جس نے مجھے جوڑا (وصل کیا) اس سے تو رابطہ قائم کرنا اور جس نے مجھ سے قطع تعلق کیا ہے (توڑ دیا) تو بھی اس سے رابطہ توڑ لینا۔"(۲)

امام رضا علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے واسطے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے "جو شخص مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرلے میں اس کے لئے چار چیزوں کی ضمانت لے لوں گا" "يَصِلُ رَحِمَهُ فَيُحِبُّهُ اللهُ تعالىٰ ويُوسِّعُ عليهِ رِزْقَهُ وَيَزِيْدُهُ فِي عُمْرِهِ وَ يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ الَّتِي وَعَدَهُ..." "اپنے اعزاء واقرباء سے صلۂ رحم کرے تو خداوند عالم اسے محبوب رکھے گا اس کے رزق میں وسعت عطا کردے گا، اس کی عمر میں اضافہ فرمائے گا اور اس کو اس جنت میں داخل فرمائے گا جس کا اس سے وعدہ کیا ہے"(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "صِلَةُ الْأَرْحَامِ تُزَكِّي الْأَعْمَالَ وَتُنْمِي الْأَمْوَالَ وَتَدْفَعُ الْبَلْوىٰ وَتُنْسِي مِنَ الْأَجَلِ" "صلۂ رحم اعمال کو پاکیزہ اور اموال کو زیادہ کردیتا ہے بلاؤں کو دور کرتا ہے اور موت کو ٹال دیتا ہے۔"(۴)

آپؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا: "اس میں دین وایمان، طول عمر، کثرت رزق، خدا کی

---

(۱، ۲، ۳، ۴) بحار الانوار ج ۷۴ باب صلۂ رحم



محبت ورضا اور جنت کیا کچھ موجود نہیں ہے یہ صلۂ رحم ہی ہے جو دنیا میں انسان کی ثروت مندی اور آخرت میں اس کی جنت کا ضامن ہے اور خدا کی مرضی تو سب سے بڑی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صلۂ رحم کرنے والا دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں روشن اور تابناک مقدر کا مالک ہے۔"

صلۂ رحم کی اتنی اہمیت اور عظمت کو پہچاننے کے بعد کیا اب بھی یہ عذر صحیح ہے کہ اعزاء و اقرباء سے ہم بہت زیادہ فاصلہ پر ہیں یا کام کی زیادتی کی بنا پر ہم بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں لہٰذا ان سے رابطہ نہیں رکھ پاتے؟ اور خاص طور سے اگر کسی کا کوئی عزیز کسی کے ظلم کا شکار ہو تو کیا اس کے ساتھ یہ طریقۂ کار واقعاً جائز ہے؟

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ہر مومن کے لئے ایک ایسا روشن اور واضح راستہ بنادیا ہے جس پر چلنے والے ہر شخص سے خداوند عالم راضی رہے گا روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے یہ شکایت کی کہ مجھے میری قوم والے اذیت دیتے ہیں لہٰذا میں نے یہی بہتر سمجھا ہے کہ ان سے قطع تعلق کرلوں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم تم سے ناراض ہو جائے گا۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "تُعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ، فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ كَانَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَكَ عَلَيْهِمْ ظَهِيْراً""" جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کردو جو تم سے رابطہ توڑ لے اس سے رابطہ قائم رکھو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اسے معاف کردو اگر تم ایسا کروگے تو ان کے مقابلہ کے لئے خداوند عالم تمہارا یار ومددگار ہے۔"(۱)

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "صِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَإِنْ قَطَعُوكُمْ""" اپنے اعزاء

---

(۱) احیاء العلوم کتاب الصحبہ والمعاشرہ

اقرباء سے صلۂ رحم کرو چاہے وہ تم سے قطع تعلق کریں۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "اِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ وَ البِرَّ لَيُهَوِّنانِ الْحِسابَ وَ يَعْصِمانِ مِنَ الذُّنُوبِ، فَصِلُوا أَرْحامَكُمْ وَ بَرُّوا بِاِخْوانِكُمْ وَ لَوْ بِحُسْنِ السَّلامِ وَ رَدِّ الْجَوابِ" "صلۂ رحم اور نیک برتاؤ حساب کو آسان کر دیتے ہیں۔ اور گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں لہٰذا اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ صلۂ رحم کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو چاہے اچھے انداز میں سلام یا اس کے جواب کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔"(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "صِلُوا أَرْحامَكُمْ وَ لَوْ بِالسَّلامِ" "اپنے ارحام سے صلۂ رحم کرو چاہے سلام کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔"(۳)

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے: "صِلْ رَحِمَكَ وَ لَوْ بِشَرْبَةٍ مِنْ ماءٍ، وَ أَفْضَلُ ما يُوصَلُ بِهِ الرَّحِمُ كَفُّ الْأَذى عَنْها" "اپنے ارحام سے صلۂ رحم کرو چاہے ایک گھونٹ پانی کے ذریعہ ہو اور صلۂ رحم کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے ارحام (اعزاء اقرباء) کو اذیت نہ دی جائے۔"(۴)

مذکورہ احادیث شریفہ سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اچھے تعلقات اور روابط کے استحکام اور ان کی استواری میں صلۂ رحم کا کیا کردار ہے بہت ممکن ہے کہ آپ کسی سے دور ہونے کی بنا پر اس سے ملاقات نہ کر سکیں لیکن اس کے نام آپ کا ایک خط ہی آپ کی طرف سے اظہار محبت اور صلۂ رحم کے لئے کافی ہو سکتا ہے یعنی جس طرح آپ اپنے آس پاس موجود اعزاء و اقرباء کو والہانہ سلام کرتے ہیں یہ خط بھی اسی طرح ایک صلۂ رحم ہے کسی کے لئے کسی برتن میں پانی پیش کرنا حتیٰ کہ

(۱،۲،۳) بحار الانوار ج ۷۴ باب صلۂ رحم ص ۱۰۴

(۴) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۸۸، ۱۰۳ تا ۱۱۷



انہیں کوئی اذیت نہ پہونچانا بھی ایک قسم کا صلۂ رحم ہے بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صلۂ رحم کا سب سے افضل طریقہ قرار دیا ہے۔

## قطع رحم (اعزاء واقرباء سے قطع تعلق)

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے مذہب میں صلۂ رحم اور اعزاء و اقرباء سے تعلقات استوار رکھنے کی کیا اہمیت ہے۔ لہٰذا اب یہ جاننا بھی مناسب ہوگا کہ ان لوگوں سے تعلقات توڑ لینے کے بعد ایک مسلمان کی زندگی میں کتنے خطرناک اور بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَ تُقَطِّعُوا أَرْحامَكُمْ" "تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحب اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قرابت داروں سے قطع تعلقات کر لو۔"(۱)

یا دوسری آیت میں ارشاد ہے: "الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثاقِهِ وَ يَقْطَعُونَ ما أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولئِكَ هُمُ الْخاسِرُونَ" "جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارہ والے ہیں۔"(۲)

ان آیات میں خداوند عالم نے قطع رحم کو زمین میں فساد برپا کرنے کے برابر قرار دیا ہے اور اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ آپسی تعلقات توڑ لینے کے بعد اور زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کے

(۱) سورۂ محمد آیت ۲۲

(۲) سورۂ بقرہ آیت ۲۷

بعد بھی کیا تم کسی سعادت اور نجات کے امیدوار ہو؟ جب کہ خداوند عالم نے تم کو حکم دیا ہے کہ ہمیشہ آپسی بھائی چارگی اور صلہ رحم کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور پائیدار بنائے رکھو۔

قطع رحم اور مومنین میں جدائی اور افتراق کے کیا خطرناک نتائج اور نقصانات ہو سکتے ہیں ان کو احادیث شریفہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اِنَّ الرَّحْمَةَ لاتَنْزِلُ عَلٰی قَوْمٍ فِيهِمْ قاطِعُ رَحِمٍ" "جس قوم کے اندر کوئی ارحام سے قطع تعلق کرنے والا موجود ہو اس پر رحمت نازل نہیں ہو سکتی۔"(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: "وَجَدْنا فِي كِتابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِذاقَطَعُوا الْاَرْحامَ جُعِلَتِ الْاَمْوالُ فِي اَيْدِي الْاَشْرارِ" "ہم نے رسول اللہ ﷺ کی کتاب میں دیکھا ہے کہ جب تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں (مومنین قطع رحم کر لیتے ہیں) تو ثروت اور اموال اشرار کے ہاتھوں میں پہونچ جاتے ہیں۔"(۲)

اور آپ ہی نے مولائے کائنات علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: "ثَلاثُ خِصالٍ لايَمُوتُ صاحِبُهُنَّ اَبَداً حَتّى يَرى وَبالَهُنَّ. اَلْبَغْيُ وَقَطِيعَةُ الرَّحِمِ وَالْيَمِينُ الْكاذِبَةُ يُبارِزُ اللهَ بِها" "تین چیزیں ایسی ہیں جن کو انجام دینے والا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک خود اس کا نتیجہ نہ بھگت لے ۱۔ بغاوت ۲۔ قطع رحم ۳۔ جھوٹی قسم جس کے ذریعہ خداوند عالم سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (کہ یہ دراصل خدا سے جھگڑا کرنا ہے)۔"(۳)

احادیث کے مطابق جو اعزاء ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے ہیں ان پر رحمت الٰہی نازل

---

(۱) کنز العمال ح ۶۹۷۸

(۲) بحار الانوار ج ۷۰ ص ۳۶۹

(۳) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۳۴ و ج ۷۲ ص ۲۷۴



نہیں ہوتی اور اگر خدانخواستہ کسی قوم میں اس خطرناک بیماری (قطع تعلقات اور دشمنی) کا چلن ہو جائے تو ان کی ثروت اور خود ان پر اشرار (برے لوگوں) کا قبضہ ہو جاتا ہے اور یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ صلۂ رحم سے آپسی بھائی چارے اور برادری کو استحکام حاصل ہوتا ہے تو اگر یہ روابط ختم ہو جائیں اور کسی کو کسی کی فکر نہ رہ جائے اور کسی کے اندر احساس ذمہ داری باقی نہ رہے تو پھر لوٹ کھسوٹ کرنے والوں اور بدمعاشوں کے لئے راستے کھل جاتے ہیں اور وہ مومنین کی مال و دولت پر قابض ہو جاتے ہیں۔

اس طرح قطع رحم ان اعمال میں شامل ہے جن کا بھیانک نتیجہ انسان، دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی رخصت ہوتا ہے کیونکہ تعلقات اور روابط میں دوری اور آپسی رنجش قومی اور سماجی مسئلہ ہے جس کے خطرناک آثار بہت جلد کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور قطع رحم کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے ہاتھوں سے کانٹے بو رہا ہو کہ کل اسے کانٹے ہی کاٹنا پڑیں گے اسی طرح شر اور برائی کے بیج بونے سے ندامت اور گھاٹے کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے؟۔

## خلاصہ:

اسلام کے سماجی اور معاشرتی حقوق میں سے ایک اہم حق اعزاء واقرباء سے تعلقات قائم رکھنا اوران کے ساتھ صلۂ رحم کرنا بھی ہے۔

صلۂ رحم کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے اور ضرورت مندوں کی کفالت کی جائے اور سب لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اس سے خوشحال اور ترقی یافتہ سماج وجود میں آتا ہے۔

قطع رحم سے دنیا میں نقصان اور آخرت میں ندامت کے سوا کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

## سوالات:

۱۔صلۂ رحم سے کیا مراد ہے؟

۲۔روایات کی روشنی میں صلۂ رحم کا طریقہ بیان کیجئے؟

۳۔صلہ رحم کے بارے میں امام رضا علیہ السلام کی روایت بیان کیجئے؟

۴۔صلۂ رحم کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کیجئے؟

۵۔قطع رحم کے بارے میں کوئی آیت ذکر کیجئے؟

۶۔امام باقر علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے بعض برے اعمال کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے وہ روایت بیان کیجئے؟

# پانچواں سبق

## پڑوسی کے حقوق

اسلام میں پڑوسی اور ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے کی بھی بہت تاکید کی گئی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "عَلَیْکُمْ بحُسْنِ الْجِوارِ فَاِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَمَرَ بِذٰلک""تم پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا حکم خود خداوند عالم نے دیا ہے۔"(۱)

اس حدیث میں جس حکم الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سورۂ نساء کی ۳۶ ویں آیت ہے: ﴿و اعبُدُوا اللّٰہَ وَلا تُشرِکُوا بہ شَیْئاً وَ بالْوَالِدینِ اِحْسَاناً وَ بِذِی الْقُرْبی وَ الْیَتامی وَ الْمَسَاکِیْنِ وَ الجَارِ ذِیْ الْقُرْبی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ و مَا مَلَکَتْ اَیمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لایُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً﴾ "اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور قرابتداروں کے ساتھ اور یتیموں، مسکینوں، قریب کے ہمسایہ، دور کے ہمسایہ، پہلونشین، مسافر غربت زدہ، غلام وکنیز سب کے ساتھ نیک برتاؤ کرو کہ اللہ مغرور اور متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اور اس کو ترک کرنے کے اخروی خطرات سے متنبہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا "مَازَالَ جَبْرَئِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّی ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَیُوَرِّثُهُ" "پڑوسیوں کے بارے میں جبرئیل نے مجھے

---

(۱) بحار الانوار ج ۶۹ باب ۳۸ حدیث ۱۱

(۲) سورۂ نساء آیت ۳۶

مسلسل اتنی تاکید کی کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیں گے۔‘‘(۱)

مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا ہے: ’’اَللّٰہَ اَللّٰہَ فی جِیْرَانِکُمْ فَانَّہُ وَصِیَّۃُ نَبِیِّکُمْ مَازَالَ یُوْصِیْ بِھِمْ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہُ سَیُوَرِّثُھُمْ‘‘ ’’خدا کے لئے خدا کے لئے اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے پیغمبر کی وصیت ہے پیغمبر ان کے بارے میں مسلسل اتنی وصیت اور تاکید فرماتے رہتے تھے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ آپ انہیں میراث میں شریک قرار دیدیں گے۔‘‘(۲)

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی تعظیم کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ’’اَحْسِنْ مُجَاوَرَۃَ مَنْ جَاوَرَکَ تَکُنْ مُؤْمِناً‘‘ ’’اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ تاکہ مومن بن سکو۔‘‘(۳)

۲۔ ’’حُرْمَۃُ الْجَارِ عَلَی الْاِنْسَانِ کَحُرْمَۃِ اُمِّہِ‘‘ ’’پڑوسی کا احترام ماں کے احترام کی طرح ضروری ہے۔‘‘(۴)

۳۔ ’’مَاتَاَکَّدَتِ الْحُرْمَۃُ بِمِثْلِ الْمُصَاحَبَۃِ وَ الْمُجَاوَرَۃِ‘‘ ’’دوستوں اور

---

(۱) کنز العمال حدیث ۲۴۹۱۴

(۲) بحار الانوار ج ۷۱ صفحہ ۱۵۳

(۳) بحار الانوار، ج ۷۴ صفحہ ۱۱۶

(۴) بحار الانوار ج ۷۳ صفحہ ۱۵۴



پڑوسیوں کے احترام کی طرح کسی احترام کی تاکید نہیں کی گئی ہے۔‘‘(۱)

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: ’’یا نَبِیَّ اللّٰہِ أفی الْمَالِ سِوَی الزَّکَاۃِ‘‘ ’’اے نبی خدا کیا مال میں زکات کے علاوہ کوئی اور حق ہے‘‘؟ حضرت نے فرمایا: ’’نَعَمْ، بِرُّ الرَّحِمِ اِذَا أدْبَرَتْ وَ صِلَۃُ الْجَارِ الْمُسْلِمِ، فَمَا آمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَاناً وَ جَارُہُ الْمُسْلِمُ جَائِعٌ‘‘ ’’ہاں! جب کوئی رشتہ دار تم سے قطع تعلق کرلے تو اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور مسلمان پڑوسی کے ساتھ صلۂ رحم کرو وہ شخص میرے اوپر ہرگز ایمان نہیں لایا ہے کہ جو رات کو شکم سیر ہو کر سو جائے اور اس کا مسلمان پڑوسی بھوکا ہو۔‘‘(۲)

۵۔ ایک شخص اپنا گھر خریدنے سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشورہ کرنے آیا تو آپ نے فرمایا: ’’اَلْجَارُ، ثُمَّ الدارُ، اَلرَّفِیْقُ قَبْلَ السَّفَرِ‘‘ ’’گھر خریدنے سے پہلے پڑوسی اور سفر سے پہلے ہمسفر کو دیکھو۔‘‘(۳)

۶۔ روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے سوال کیا کہ کیا آپ حضرات کو پڑوسی کا حق معلوم ہے؟ سب نے عرض کی: نہیں! فرمایا کہ ’’اگر وہ تمہیں اپنی مدد کے لئے پکارے تو اس کی امداد کو پہونچو‘ قرض مانگے تو اسے قرض دیدو، ضرورت مند ہو جائے تو اس کی ضرورت کو پورا کرو اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو اسے مبارک باد دو، مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرو کوئی غم یا مصیبت آن پڑے تو اسے تسلی دو اور تعزیت پیش کرو اگر مر جائے تو اس کی تدفین میں

---

(۱) میزان الحکمہ باب ۶۳۸

(۲) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۵۱

(۳) میزان الحکمہ باب ۶۴

شریک ہو اور اپنے گھر کی دیواریں اتنی بلند نہ کرو کہ اس کی دھوپ اور ہوا کی آمدورفت رک جائے مگر یہ کہ وہ اجازت دیدے اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس کے یہاں بھی انہیں بھیجوا دو اور اگر ایسا نہیں کرسکتے ہو تو پھر انہیں چھپا کر اپنے گھر میں لیجاؤ اور تمہارے بچے انہیں باہر لیکر نہ نکلیں تا کہ اس کے بچوں کو افسوس نہ ہو اور اپنے خوشبودار کھانوں سے اسے دل آزردہ نہ کرو مگر یہ کہ اس میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجوادو۔"(۱)

۷۔ امام زین العابدینؑ نے رسالۂ حقوق میں پڑوسی کے یہ حقوق بیان کئے ہیں: "وَاَمّا حَقُّ جَارِکَ فحِفظُهُ غائباً واکرامُهُ شاهداً ونُصرتُهُ اِذا کان مظلوماً ولا تتبع لهُ عَوْرَةً فَاِنْ عَلِمْتَ عَلَيْهِ سُوْءٍ اَسْتَرتَهُ عَلَيْهِ وَاِنْ عَلِمْتَ اَنَّهُ يَقْبَلُ نَصِيْحتکَ نَصَحْتَهُ فيما بَيْنَکَ وبَيْنَهُ وَلاتُسْلِمْهُ عِنْدَ شَدِيْدِهِ وتُقِيلُ عَثْرَتَهُ وتَغفِرُ ذَنْبَهُ وتُعاشِرُهُ مُعاشَرَةً کَرِيْمَةً"

"تمہارے اوپر تمہارے پڑوسی کا یہ حق ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے (حقوق) کی حفاظت کرو موجود ہو تو اس کا احترام کرو مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو، اس کے اسرار کی تلاش میں نہ رہو اور اگر تمہیں اس کی کوئی بری بات معلوم بھی ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھو اور اگر تمہیں احساس ہو کہ وہ تمہاری نصیحت قبول کرلے گا تو اسے تنہائی میں نصیحت کرو مشکلات میں اسے تنہا نہ چھوڑ دو اس کی لغزشوں کو کم کرنے کی کوشش کرو اس کی غلطیوں کو معاف کردو اور اس کے ساتھ کریمانہ انداز میں زندگی بسر کرو۔"(۲)

امام حسنؑ نے فرمایا ہے کہ بچپنے میں ہر شب جمعہ میں اپنی والدۂ گرامی کو دیکھتا تھا کہ آپ نماز شب میں دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے ایک ایک پڑوسی کے لئے دعا فرماتی تھیں تو میں نے ایک دن

---

(۱) بحارالانوارج ۷۹ باب تعزیہ والماتم ص ۹۳

(۲) بحارالانوارج ۷۱ باب جوامع الحقوق ص ۷



آپ سے پوچھا اے مادر گرامی! آپ نے اپنے لئے دعا کیوں نہیں فرمائی؟ تو شہزادی کائناتؑ نے فرمایا: "یا بُنَیَّ الْجارُ ثُمَّ الدّارُ" "اے میرے لال پہلے پڑوسی پھر گھر۔"(۱)

یقیناً اہل بیتؑ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلہ میں ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں اور اس کے ساتھ ان ہستیوں نے اپنے چاہنے والوں کو اپنی زبان اور عمل سے اس کے فوائد اور نتائج سے بھی باخبر کردیا ہے چنانچہ مولائے کائناتؑ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ اَحْسَنَ اِلیٰ جِیْرانِهِ کَثُرَ خَدَمُهُ" "جو شخص پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے گا اس کے خدمت گذار زیادہ ہو جائیں گے۔"(۲)

آپ ہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ حَسُنَ جِوارُهُ کَثُرَ جِیْرانُهُ" "پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنے والے کے پڑوسیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔"(۳)

تاریخ انسانیت کے تجربات گواہ ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھتا ہے اور ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لئے آغوش محبت پھیلائے رہتے ہیں اپنی محبت اور اس کے احترام کا ثبوت دینے کے لئے اس کی خدمت کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں. اور اس پر قربان ہونے کے لئے تیار رہتے ہیں اسی لئے اس کے پڑوسیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں مثلاً اس سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے آبادی اور ترقی کی راہیں کھلتی ہیں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: "حُسْنُ

---

(۱) بحارالانوارج ۴۳ ص ۸۱ ج ۸۶ ص ۳۱۳

(۲) غررالحکم ص ۴۲۷

(۳) غررالحکم ص ۴۳۷

اَلْجِوارُ یَزِیْدُ فِی الرِّزْقِ "" پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۱)

یا آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "حُسْنُ الْجِوارِ یَعْمُرُ الدِّیارَ وَیَزِیْدُ فِی الْاَعْمارِ" "پڑوسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے سے بستیاں آباد ہوتی ہیں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۲)

## پڑوسیوں کو اذیت پہونچانا

اسلام نے جہاں پڑوسیوں کے ساتھ بہتر سے بہتر تعلقات قائم رکھنے اور ان سے نیک برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے وہیں پڑوسیوں کو کسی بھی قسم کی اذیت پہونچانے سے منع کیا ہے اور پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھنے اور انہیں اذیت نہ دینے کو ایمان کے پرکھنے کا معیار قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ کانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ فَلایُؤْذِیْ جارَہُ"

"جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہونچائے۔"(۳)

انصار میں سے ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں نے ایک گھر خریدا ہے مگر اس کے پڑوسی سے مجھے نہ خیر کی امید ہے اور نہ میں اس کے شر سے امان میں ہوں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے چار افراد یعنی حضرت علی علیہ السلام جناب سلمان رضی اللہ عنہ، جناب ابوذر رضی اللہ عنہ اور جناب مقداد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مسجد میں بآواز بلند یہ اعلان کردیں کہ " لَا اِیْمانَ لِمَنْ لَمْ یَاْمَنْ جارُہُ بَوائِقَہُ "" جس کے شر سے اس کا پڑوسی امان میں نہ ہو وہ مومن

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۵۳

(۲) اصول کافی ج ۲ ص ۶۶۷ باب حق الجوار

(۳) بحار الانوار ج ۴۳ باب ۳ صفحہ ۶۱



نہیں ہے۔"(۱)

ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ صبر کرلو اس نے دوبارہ شکایت کی تو آپؐ نے پھر فرمایا کہ صبر کرو وہ تیسری بار پھر پڑوسی کی شکایت لیکر آیا تو آپ نے کہا کہ اپنے گھر کا سارا سامان باہر نکال کر سڑک پر بیٹھ جانا۔ جب لوگ اس کی وجہ دریافت کریں تو ان سے اپنے پڑوسی کی ایذا رسانیوں کا تذکرہ کرنا۔ چنانچہ جب اس کے موذی پڑوسی نے یہ صورتحال دیکھی تو اسے اپنی ذلت و رسوائی کا خطرہ محسوس ہوا اور اس نے اس سے معافی طلب کر کے گھر میں واپس آجانے کا مطالبہ کیا اور اس سے یہ عہد کیا کہ اب وہ کوئی اذیت نہیں پہونچائے گا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اذیت رسانی سے پرہیز کے حکم کے علاوہ معصومین علیہم السلام نے ہمیں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ خبردار اپنے پڑوسیوں کے حالات سے بے رخی اختیار نہ کرنا کہ تمہیں یہی معلوم نہ رہے کہ ان میں کون بھوکا ہے اور کون شکم سیر؟ اسی لئے احادیث میں پڑوسیوں کی طرف سے بے توجہی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے: "لَیْسَ بِالْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَبِیْتُ شَبْعاناً وَجارُہُ جائِعٌ اِلٰی جَنْبِہِ"" وہ مومن نہیں ہے جو سیر ہو کر سو جائے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا ہو"(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ما آمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ مَنْ باتَ شَبْعاناً وَ جارُہُ جائِعٌ"" وہ خداوند عالم اور آخرت پر ایمان نہیں لایا ہے جو

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۲۵

(۲) کنز العمال ح ۲۳۹۲۹

رات کو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے''! تو اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہؐ ہم تو پھر ہلاک ہو جائیں گے تو رسول خدا نے فرمایا: ''مِنْ فَضْلِ طَعَامِکُمْ وَ مِنْ فَضْلِ تَمْرِکُمْ وَ وَرِقِکُمْ وَخُلْقِکُمْ وَخِرَقِکُمْ تُطْفِئُونَ بِهاغَضَبَ الرَّحْمٰنِ'' ''اپنے اضافی کھانے کھجور (پھل وغیرہ) درہم (روپیہ) یا اخلاق اور لباس کے ذریعہ تم غضب الٰہی کو خاموش کر سکتے ہو۔''(۱)

اس حدیث شریف میں غریب اور نادار پڑوسیوں کا خیال رکھنے کی اتنی تاکید ہے کہ کم از کم جو کھانا یا لباس وغیرہ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اس سے ان کی امداد کر دو تا کہ تمہارے اس نیک اخلاق سے ان کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گھر کے کتنے فاصلے تک پڑوسی کا شمار کیا جاتا ہے تو اس کا جواب بھی ہمیں مولائے کائناتؑ کی اس حدیث میں بآسانی مل جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ''حَرِیْمُ الْمَسْجِدِ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعاً وَ الْجِوَارُ اَرْبَعُونَ دَاراً وَ مِنْ اَرْبَعَةِ جَوَانِبِها'' ''مسجد کا پڑوس چالیس ذراع (ہاتھ) ہے اور پڑوسی، گھر کے چاروں طرف چالیس گھروں کو کہا جاتا ہے۔''(۲)

ہمارے بہت سے علماء نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اسلام کے دوسرے آداب واخلاق کی طرح پڑوسیوں کا خیال رکھنے کے بارے میں بھی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں جس کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

فقیہ کبیر سید جواد عاملی نے اپنا ایک قصہ یوں بیان فرمایا ہے کہ:

ایک دن میں گھر پر رات کا کھانا کھا رہا تھا تو کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ میرے استاد علامہ بحر العلومؒ کا خادم آیا ہے اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷



استاد نے آپ کو ابھی طلب کیا ہے اور جب تک آپ نہ پہونچ جائیں گے وہ کھانا نہیں کھائیں گے! چنانچہ میں نے فوراً کپڑے پہنے اور تیزی سے ان کے گھر پہونچ گیا' جب میں ان کی خدمت میں پہونچا تو ان کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے اور انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا! کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے؟ کیا خدا سے شرم نہیں محسوس ہوتی؟ میں نے حیران ہو کر کہا. میں نے آخر کیا غلطی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ تمہارے پڑوسی کو ایک ہفتہ سے کھانا نصیب نہیں ہوا اور وہ دکان سے بالکل سستی کھجوریں ادھار لیکر کھا رہا تھا اور آج دکاندار نے قرض کی زیادتی کی بنا پر اسے کھجوریں ادھار دینے سے بھی منع کر دیا ہے اور آج رات وہ بالکل بھوکے ہیں؟۔

میں نے عرض کی اے استاد محترم! خدا کی قسم مجھے اس کی ہرگز اطلاع نہیں تھی اگر مجھے اس کی خبر ہوتی تو میں ضرور ان کی امداد کرتا استاد نے کہا'' مجھے یہی افسوس ہے کہ تمہیں اپنے پڑوسیوں کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔ کس طرح انہوں نے سات دن بھوکے رہ کر گذار دئے ہیں اور تم کو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر تمہیں معلوم ہوتا اور اسکے بعد بھی تم کچھ نہ کرتے تو پھر تم مسلمان بھی نہ رہتے بلکہ یہودی ہوتے۔''

اس کے بعد استاد نے اپنے خادم کو کھانے سے بھری ہوئی ایک سینی اٹھانے کا حکم دیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کے ساتھ یہ کھانا لیکر اپنے پڑوسی کے گھر جاؤں اور اس سے کہوں کہ آج رات میں آپ کے ساتھ کھانا کھانے آیا ہوں۔ اور یہ بھی کہا کہ یہ روپئے لیجاؤ اور انہیں اس کے تکیہ کے نیچے رکھ دینا۔

یہ واقعہ گواہ ہے کہ سید بحر العلوم صرف اپنے ہی پڑوسیوں کی خبر گیری نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے شاگردوں کے پڑوسیوں کا بھی خیال رہتا تھا۔

## خلاصہ:

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کے لئے اسلام نے سخت تاکید کی ہے اور اسے اسلامی آداب کا جزء قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ طاہرینؑ نے بھی اس سلسلہ میں بہت تاکید فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے، گھر اور شہر آباد ہوتے ہیں اور ان میں ترقی ہوتی ہے۔

روایات میں ہے کہ پڑوسی کو اذیت دینے حتی کہ اس کی خبر گیری نہ کرنے سے خدا غضب ناک ہوتا ہے اور جو شخص اپنے پڑوسی کو اذیت دے وہ مومن نہیں ہے۔

## سوالات:

۱۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کیجئے؟

۲۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے کیا فوائد بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ پڑوسیوں کو اذیت دینے کی مذمت کے بارے میں ایک روایت بیان کیجئے؟

۴۔ علامہ بحر العلومؒ نے پڑوسیوں کے حالات سے بے خبر اپنے شاگرد سے کیا فرمایا؟

# چھٹا سبق

## سماجی زندگی کا طریقہ

سماج میں دوسروں کے ساتھ صحیح روابط قائم کرنے کے لئے کچھ ضوابط اور اصولوں کی رعایت ضروری ہے تاکہ ہم خود کو معاشرہ میں اچھی اور مثالی شخصیت کے طور پر پیش کر سکیں چنانچہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمارے اچھے اخلاق کو دیکھ کر لوگ ہم سے رابطہ رکھنے کے خواہش مند ہوں گے نیز اس سے ہمارے اقدار بھی بلند ہوں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ ہم دوسروں کے حقوق کو پہچان کر انھیں ادا کرنے کی کوشش کریں اور دوسروں کے حقوق پامال کرنے سے پرہیز کریں۔

یہ اصول دو قسم کے ہیں: کچھ ایسے صفات اور خصوصیات ہیں جن پر ہمیں دوسروں کے ساتھ روابط کے وقت عمل کرنا چاہئے اور ان سے آراستہ ہونا چاہئے اور کچھ وہ بری عادتیں اور خصلتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہئے دوسرے الفاظ میں کچھ ایسے اخلاقی فرائض ہیں کہ جن کی پابندی کا اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے اور کچھ ایسی اخلاقی برائیاں ہیں جن سے سماجی زندگی میں پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے۔ لہٰذا جب تک ہم ان دونوں اصولوں کا لحاظ نہیں رکھیں گے اس وقت تک بہتر اجتماعی اور سماجی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

وہ تمام اچھے اخلاقی صفات و خصوصیات، جن کو ہم سماجی اور اجتماعی زندگی میں مدنظر رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں یا وہ تمام بد اخلاقیاں اور بری عادتیں جن سے پرہیز کرتے ہیں انہیں

''سماجی اخلاق'' یا ''آداب معاشرت'' کہا جاتا ہے ہم آئندہ چند اسباق میں ان تمام آداب کو ایک ایک کر کے بیان کریں گے۔

## حسن خُلق

سماجی زندگی یعنی دوسروں کے ساتھ تعلقات اور رفت و آمد میں ہر انسان کی خواہش یہی رہتی ہے کہ سماج میں اسکی عزت ہو اور تمام لوگ اس کا احترام کریں اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آئیں۔

افراد معاشرہ کے درمیان باوقار اور معزز ہونے کی یہ خواہش انسان کے اندر اس لئے ہوتی ہے کہ فطری طور پر انسان تنہائی سے وحشت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے پچھلے دروس میں اشارہ کیا کہ انسان کی بہت سی مادی و معنوی ضروریات صرف لوگوں کے ساتھ روابط سے ہی پوری ہوتی ہیں اور تنہائی یا گوشہ نشینی کی صورت میں یہ ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں اسی لئے جب انسان بالکل تنہا یا لوگوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک قسم کی کمی اور محتاجی کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ رنجیدہ رہتا ہے لہٰذا انسان اپنی مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس قسم کے روابط رکھنے پر مجبور ہے. اور لوگوں سے اچھے تعلقات اور روابط رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سماج میں اس کا اپنا ایک مقام ہو تا کہ لوگ اسے اپنے درمیان قبول کرسکیں اور اس سے تعلقات رکھنے کو تیار ہوں اس طرح انسان اچھی عادتیں اپنا کر اپنی ذاتی صلاحیتوں اور اچھائیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرسکتا ہے اور کمال کی منزلوں پر فائز ہوسکتا ہے۔

دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور لوگوں کے درمیان محبوبیت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے اور اچھا برتاؤ کیا جائے۔ در اصل خوش اخلاقی نہ صرف یہ کہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کا بہترین ذریعہ ہے بلکہ دیگر بہت سی اچھائیوں کا بھی محور ہے۔ یعنی جب تک خوش اخلاقی نہ ہو دوسری اخلاقی خوبیوں کی واقعی قدر و قیمت ظاہر نہیں ہوسکتی ہے



مثلاً اگر سخاوت کے ساتھ خوش اخلاقی نہ ہو بلکہ بداخلاقی کے ساتھ سخاوت کی جائے تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ جب تک انسان خندہ پیشانی سے کسی کو تحفہ نہ دے کوئی اسے قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح مثال کے طور پر اگر شجاعت و بہادری بداخلاقی کے ساتھ ہو تو وہ کینہ اور دشمنی محسوس ہوگی اور دوست و دشمن سے ملنے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ لہٰذا اگر اخلاقی عادات کے ساتھ خوش اخلاقی بھی ہو تو انسان کی شان اور مرتبہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

علمائے اخلاق، حسن خلق کی تعریف کے بارے میں کہتے ہیں کہ: حسن خلق، نفس انسانی کی اس حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی اور خوش بیانی کے ساتھ اچھے برتاؤ کی طرف لے جاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت اس تعریف کی تائید کرتی ہے کہ جب کسی نے آپؑ سے یہ سوال کیا کہ حسن خلق کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا، "تُلِينُ جَنَاحَكَ وَ تُطِيبُ كَلَامَكَ وَ تَلْقَى اَخَاكَ بِبِشْرٍ حَسَنٍ" "حسن خلق یہ ہے کہ اپنے شانوں کو تواضع کے ساتھ جھکا لو نرم لہجہ میں اچھی گفتگو کرو اور اپنے برادر ایمانی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو۔ (۱)

امام علیہ السلام نے فرمایا: "تُلِينُ جَنَاحَكَ" "اپنے شانوں کو جھکا لو" اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آؤ۔ اور سختی یا غیظ و غضب کے برتاؤ سے پرہیز کرو مومن کی سختی اور غیظ و غضب صرف کافر کے مقابلہ میں ہونا چاہئے اس کے برخلاف مومنین کو آپس میں محبت و الفت سے پیش آنا چاہئے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت اور اس کی دنیوی اور اخروی قدر و قیمت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے بہت ساری روایات وارد ہوئی ہیں یہاں ہم نمونہ کے طور پر چند حدیثوں کی

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۷۱

طرف اشارہ کرر ہے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆"أَفضَلُکُم اَحسَنُکُم اَخلاقاً، اَلمُوطَّئُونَ اَکنَافاً، اَلَّذین یَألَفُونَ وَ یُؤلَفُونَ وَ تُوطَأُ رِحَالُهُم" "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق وکردار اچھا ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی عزت واحترام کرتے ہیں اور دوسروں سے محبت سے پیش آتے ہیں اور دوسرے بھی ان سے الفت ومحبت سے پیش آتے ہیں اور وہ اپنے دروازے سب کے لئے کھلے رکھتے ہیں۔"(۱)

☆"اِنَّ صَاحِبَ الْخُلُقِ الْحَسَنِ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ" "خوش اخلاق انسان کا اجر اس شخص کے مانند ہے جو دنوں کو روزے رکھتا ہے اور راتیں عبادت میں گذار دیتا ہے۔"(۲)

☆"اَوَّلُ مَا یُوضَعُ فِی مِیزَانِ الْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حُسْنُ خُلُقِهِ" "روز قیامت انسان کے میزان اعمال میں سب سے پہلے اس کا اچھا اخلاق رکھا جائے گا۔"(۳)

☆"مَا مِنْ شَیءٍ اَثْقَلُ فِی الْمِیزَانِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ" روز قیامت میزان اعمال میں خوش اخلاقی سے زیادہ وزنی اور با فضیلت کوئی چیز نہیں ہوگی۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی ج۲ ص۱۰۲ باب حسن خلق

(۲) گذشتہ حوالہ ص ۱۰۰

(۳) بحار الانوار ج۶۸ ص۳۸۵، باب حسن الخلق

(۴) بحار الانوار ج۶۸ ص۳۸۵، باب حسن خلق



ایک دوسری روایت میں لفظ "اَثقل" یعنی سب سے زیادہ وزنی کے بجائے "احسن" "سب سے بہتر" کا لفظ آیا ہے۔ ایک اور روایت میں (افضل۔ یعنی سب سے بہتر) کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

☆"اِنَّ اَحَبَّکُم اِلَیَّ وَ اَقرَبَکُم مِنّی یَومَ القِیامَةِ مَجلِساً اَحسَنُکُم خُلُقاً" "تم میں قیامت کے روز میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے قریب تر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوگا۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "لاقَرِینَ کَحُسنِ خُلُقٍ" "خوش اخلاقی سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ہے۔"(۲)

نیز آپ فرماتے ہیں: "عُنوانُ صَحِیفَةِ الْمُؤمِنِ حُسْنُ خُلُقِهِ" "مومن کے اعمال نامہ کا سرنامہ اس کی خوش اخلاقی ہے۔"(۳)

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ اَحْسَنَ الْحَسَنِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ" "سب سے اچھی نیکی خوش اخلاقی ہے۔"(۴)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ اَکمَلَ المُؤمِنِینَ اِیمَاناً اَحسَنُهُم خُلُقاً" "ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔"(۵)

خوش اخلاقی کے سلسلہ میں معصومین علیہم السلام کے ارشادات کے یہ کچھ نمونے تھے جو ہم نے

---

(۱) بحار الانوار ج۶۶ ص۳۰۹

(۲) بحار الانوار ج۶۸ ص۳۹۲

(۳) بحار الانوار ج۶۸ ص۳۸۶

(۴) بحار الانوار ج۶۸ ص۳۷۲

(۵) بحار الانوار ج۶۸ ص۳۷۲

آپ کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ان سب سے بڑھ کر مقام ومنزلت یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی مدح وستائش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ ''اور آپ بلند ترین اخلاق کے درجہ پر فائز ہیں۔''(۱)

ایک اور دوسری آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ: ''اے میرے حبیب اگر خدا کے لطف وکرم سے آپ خوش اخلاق اور خندہ رونہ ہوتے تو لوگ آپ پر ایمان نہ لاتے اور آپ سے دور ہوجاتے۔

﴿فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَ لَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ﴾ ''اے پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل ہیں ورنہ اگر آپ بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔''(۲)

حضرت علی علیہ السلام تمام اصحاب وانصار میں پیغمبر اسلام ﷺ سے سب سے زیادہ قربت رکھتے تھے اور آنحضرت ﷺ کو آپ سے بہتر کسی نے نہیں پہچانا آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے صفات اس طرح بیان فرمائے ہیں: ''کَانَ اَجْوَدُ النَّاسِ کَفًّا وَ اَجْرَأُ النَّاسِ صَدْراً وَ اَصْدَقُ النَّاسِ لَھْجَۃً وَ اَوْفَاھُمْ ذِمَّۃً وَ اَلْیَنُھُمْ عَرِیْکَۃً وَ اَکْرَمُھُمْ عُشْرَۃً مَنْ رَآہُ بَدِیْھَۃً ھَابَہُ وَ مَنْ خَالَطَہُ فَعَرَفَہُ اَحَبَّہُ، لَمْ اَرَ مِثْلَہُ قَبْلَہُ وَ لَا بَعْدَہُ'' پیغمبر اسلام ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عطا وبخشش کرنے والے، سب سے زیادہ وسیع الصدر، سب سے زیادہ صادق القول اور سب سے عہد وپیمان کو وفا کرنے والے، نرم خو، لوگوں سے ملنے جلنے میں کریم تھے جو بھی آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا تو مرعوب ہوجاتا اور جو ان کا ہمنشین ہوتا ان کو پہچان لیتا تو آپ کی محبت اس کے دل میں

---

(۱) سورۂ قلم: آیت ۴

(۲) سورۂ آل عمران: آیت ۱۵۹



جاگزیں ہوجاتی، میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا نہیں پایا۔''(۱)

پیغمبر اسلام ﷺ کی خوش اخلاقی کا ایک نمونہ حضرت علی علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں:

پیغمبر اسلام ﷺ ایک یہودی کے کچھ مقروض تھے ایک روز وہ یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے قرض کا مطالبہ کرنے لگا۔ آپ نے اس سے فرمایا: فی الحال میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ یہودی نے کہا جب تک آپ میرا پیسہ نہیں دیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں گا۔ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء اور اگلے دن کی نماز صبح اسی کے پاس پڑھی۔ یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب نے اس یہودی کو ڈرایا دھمکایا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہو؟ اصحاب نے عرض کی! اس لئے کہ اس یہودی نے آپ کو قید کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: خداوند عالم نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں دوسروں پر ظلم کروں۔ اگلے روز ظہر کے وقت اس یہودی کی زبان پر کلمۂ شہادتین جاری تھا اور وہ اسلام لے آیا۔ اور تب اس نے پیغمبر اسلام ﷺ سے عرض کی: خدا کی قسم میں نے یہ صرف اس لئے کیا تھا تاکہ آپ کا کردار دیکھ سکوں۔ کیونکہ میں نے توریت میں آپ کے یہ صفات پڑھے تھے کہ ''خدا کے نبی محمد بن عبد اللہ کی جائے ولادت مکہ ہے اور ان کی ہجرت کا مقام مدینہ ہے وہ نہ تند مزاج ہیں اور نہ غصہ ور اور نہ چیخنے چلانے والے ہیں نہ سخت مزاج اور نہ ہی بد زبان وبدکلام'' میں بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور اپنا مال خدا کے لئے وقف کرتا ہوں۔ یہ میرا مال ہے اس کے بارے میں آپ کو اختیار ہے اور اس کے بعد اس مالدار یہودی نے اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ہم نے اس واقعہ کو اس لئے

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۶، ص ۲۳۱

پیش کیا ہے تا کہ ہم آنحضرت کی خوش اخلاقی سے بھی واقف ہو جائیں اور اس کے ساتھ اس آیۂ کریمہ کا مصداق بھی پہچان سکیں۔)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ "رسول کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔"(۱)

پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ کی زندگی میں ایسے بے شمار واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں وہ اکثر افراد جو اسلام کے گرویدہ ہوئے ہیں وہ درحقیقت آنحضرت کے عظیم الشان کریمانہ اخلاق، شرح صدر اور تواضع کی وجہ سے ہی مسلمان ہوئے تھے۔

## خوش اخلاقی کے نتائج

خوش اخلاقی کے بہت سارے فوائد ہیں جن میں بعض تو اس قدر واضح ہیں کہ جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی ہم یہاں بعض فوائد کو معصومینؑ کی احادیث کی روشنی میں بیان کر رہے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "حُسْنُ الْخُلُقِ يَزِيْدُ فِيْ الرِّزْقِ" "خوش اخلاقی روزی میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "حُسْنُ الْخُلُقِ يُدِرُّ الْاَرْزَاقَ وَيُؤْنِسُ الرِّفَاقَ" "خوش اخلاقی روزی کو زیادہ کرتی ہے اور دوستوں سے انس و محبت کا باعث ہوتی ہے۔"(۳)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں "مَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ كَثُرَ مُحِبُّوْهُ وَ آنَسَتِ النُّفُوْسُ بِهِ"

---

(۱) سورۂ احزاب آیت ۲۱

(۲) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۹۶

(۳) غرر الحکم ص ۲۵۵



"جس کا اخلاق اچھا ہوتا ہے اس کے چاہنے والے زیادہ ہوتے ہیں اور لوگ اس سے مانوس رہتے ہیں۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "اِنَّ الْبِرَّ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَ يَزِيْدَانِ فِيْ الْاَعْمَارِ" "بیشک نیکی اور خوش اخلاقی شہروں کو آباد اور عمروں میں اضافہ کرتی ہے۔"(۲)

پھر آپ فرماتے ہیں: "اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ يُذِيْبُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا تُذِيْبُ الشَّمْسُ الْجَلِيْدَ وَ اِنَّ سُوْءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ" "بیشک اچھا اخلاق خطاؤں کو اسی طرح خشک کر دیتا ہے جس طرح سورج کھال کو خشک کر دیتا ہے اور برا اخلاق عمل کو اسی طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"(۳)

آپ نے ملاحظہ فرمایا معصومینؑ نے ایک طرف تو ہمیں خوش اخلاقی کی تاکید کر کے ہمارے لئے اس کے نتائج و اثرات بھی بیان فرمائے ہیں اور دوسری طرف بد اخلاقی سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے اور اس کے برے اثرات سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "سُوْءُ الْخُلُقِ ذَنْبٌ لَا يُغْفَرُ" "بد اخلاقی ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔"(۴)

اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) غرر الحکم ۲۵۵

(۲) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۹۵

(۳) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۹۵

(۴) میزان الحکمہ باب ۱۱۱۵

❁ "سُوءُ الْخُلُقِ شَرُّ قَرِينٍ" "بداخلاقی بدترین ساتھی ہے۔" (۱)

❁ "سُوءُ الْخُلُقِ نَكَدُ الْعَيْشِ وَ عَذَابُ النَّفْسِ" "بداخلاقی زندگی کو تلخ بنادیتی ہے اورعذاب جان ہے۔" (۲)

❁ "سُوءُ الْخُلُقِ يُوحِشُ النَّفْسَ وَ يَرْفَعُ الْأُنْسَ" "بداخلاقی انسان کو وحشی بنادیتی ہے اورانس ومحبت کوختم کردیتی ہے۔" (۳)

❁ "سُوءُ الْخُلُقِ يُوحِشُ الْقَرِيبَ وَ يُنَفِّرُ الْبَعِيدَ" "بداخلاقی اقرباء کواجنبی اوردور والوں کومتنفر کردیتی ہے۔" (۴)

پیغمبراسلام ﷺ فرماتے ہیں: "خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَ سُوءُ الْخُلُقِ" "دوخصلتیں ایسی ہیں جومومن کے اندر کبھی جمع نہیں ہوسکتیں، بخل وکنجوسی اور بداخلاقی۔" (۵)

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہمیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ اچھے اخلاق کے فوائد کتنے زیادہ ہیں اوراس سے انسان کوکس قدر سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے جب کہ بداخلاقی انسان کے لئے کس طرح وبال جان بن جاتی ہے۔

---

(۱، ۲، ۳، ۴،) غررالحکم، ص ۲۶۴، اعلام ج ۵، ص ۱۳۱،

(۵) میزان الحکمہ باب ۱۱۱۵،



## خلاصہ:

دوسروں سے صحیح اوراچھے روابط قائم کرنے کے لئے اخلاقی اصولوں کی رعایت کرنا اور بری باتوں اورعادتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے

خوش اخلاقی، معاشرتی اخلاق کا اہم ترین جز ہے اوردوسروں سے روابط قائم کرنے کے لئے اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

## سوالات:

۱۔ علمائے اخلاق نے خوش اخلاقی کی کیا تعریف کی ہے؟

۲۔ خداوند عالم نے قرآن کریم میں پیغمبراسلام ﷺ کی تعریف وتوصیف کے سلسلہ میں کیا فرمایاہے؟

۳۔ پیغمبراسلام ﷺ کی خوش اخلاقی کا کوئی نمونہ بیان کیجئے؟

۴۔ خوش اخلاقی کے دوآثار یانتائج بیان کیجئے؟

۵۔ پیغمبراسلام ﷺ نے بداخلاقی کے سلسلہ میں کیا فرمایاہے؟

# ساتواں سبق

## تواضع

لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے ایک اہم اخلاقی فریضہ ''تواضع'' بھی ہے قرآن مجید میں خداوند عالم جب اپنے خاص بندوں کے اہم صفات کو بیان کرتا ہے تو تواضع کو ایک اہم صفت کے عنوان سے ذکر کرتا ہے: ﴿وَ عِبادُ الرَّحْمنِ الَّذِیْنَ یَمْشُونَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْناً وَ اِذا خاطَبَهُمُ الْجاهِلُونَ قالُوا سَلاماً﴾ (۱) ''اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں''

اس آیہ کریمہ میں خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کی سب سے پہلی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ چلتے وقت باوقار اور متواضع رہتے ہیں اس لئے کہ کسی بھی انسان کے چلنے کا انداز اس کے اندرونی خصوصیات کی غمازی کرتا ہے لہذا انسان کی رفتار یا اس کی نشست و برخاست کو دیکھ کر یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون متواضع ہے اور کون مغرور، اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے جب متقین کے صفات بیان فرمائے تو راستہ چلتے وقت متواضع رہنے کو متقین کی ایک خاص صفت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے آپؑ فرماتے ہیں۔

''وَ مَشْیُهُمُ التَّواضُعُ'' ''اور متقین کی رفتار تواضع وانکساری کے ساتھ ہوتی ہے۔''(۲)

---

(۱) سورۂ فرقان آیت ۶۳

(۲) بحار الانوار، ج ۶۷، باب ۱۴، روایت ۵۰



اسی طرح خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں مومنین کو آگاہ فرمایا ہے کہ اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے تو خدا ایک دوسری قوم کو تمہاری جگہ پر لائے گا جو مومنین کے ساتھ متواضع ومنکسر اور کافروں کے مقابلہ میں سربلند ہوں گے۔

﴿یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا مَنْ یَرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهِ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهُ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکافِرِیْنَ﴾(۱) ''اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والی مومنین کے سامنے خاکسار اور کفار کے سامنے صاحب عزت ہوگی۔''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ تواضع کو انسان کے لئے سربلندی اور عظمت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔''اِنَّ التَّواضُعَ یَزِیْدُ صاحِبَهُ رِفْعَةً فَتَواضَعُوا یَرْفَعْکُمُ اللّٰهُ'' ''بیشک تواضع وانکساری انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی ہے لہذا تواضع اختیار کرو تاکہ خداوند عالم تمہیں سربلند کردے۔''(۲)

پھر آپؐ فرماتے ہیں۔''مَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِی نَفْسِهِ ضَعِیْفٌ وَ فِی اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ'' ''جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے خداوند عالم اس کو سربلند کرتا ہے۔ اگر چہ وہ خود اپنی نظر میں حقیر وکمزور ہو لیکن لوگوں کی نظر میں باعظمت اور سربلند رہتا ہے۔''(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:''قالَ لُقْمانُ لِاِبْنِهِ لا عِزَّ اِلَّا لِمَنْ تَذَلَّلَ لِلّٰهِ وَ لا رِفْعَةَ اِلَّا لِمَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ'' جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا:''عزت صرف اس کے لئے ہے جو خدا کے سامنے خضوع وخشوع کرے اور منزلت اور سربلندی صرف اس کے لئے

---

(۱) سورۂ مائدہ آیت ۵۴

(۲) بحار الانوار، ج ۱۸، باب ۳، روایت ۲

(۳) کنز العمال ج ۳، ص ۱۱۳، حدیث ۵۷۳۷

ہے جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے۔"(۱)

نیز آپ فرماتے ہیں: "اِنَّ فِی السَّماءِ مَلَکَیْنِ مُوَکَّلَیْنِ بِالْعِبادِ فَمَنْ تَواضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَاہُ وَ مَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَاہُ" "آسمان میں دو فرشتے ہیں جو بندگان خدا پر مقرر ہیں لہٰذا جو بھی خدا کے لئے تواضع کرتا ہے وہ اس بندے کو سربلند کردیتے ہیں اور جو غرور وتکبر کرتا ہے اسے ذلیل وخوار کردیتے ہیں۔"(۲)

تواضع کی فضیلت اور تاکید کے سلسلہ میں معصومین علیہم السلام سے جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں نمونہ کے طور پر صرف چند حدیثیں پیش کررہے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: "زِیْنَةُ الشَّرِیْفِ التَّواضُعُ" "شریف انسان کی زینت تواضع ہے۔"(۳)

نیز آپ فرماتے ہیں: "اَلتَّواضُعُ زَکاۃُ الشَّرَفِ" "تواضع شرف کی زکوۃ ہے۔"(۴)

آپ نے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے: "عَلَیْکَ بِالتَّواضُعِ فَاِنَّهُ مِنْ اَعْظَمِ الْعِبادَةِ" "تواضع اختیار کرو اس لئے کہ تواضع عظیم ترین عبادت ہے۔"(۵)

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلتَّواضُعُ نِعْمَةٌ لایُحْسَدُ عَلَیْها" "تواضع وہ

---

(۱) مشکواۃ الانوار ص ۲۲۶

(۲) بحار الانوار ج ۵۹، باب ۲۳، حدیث ۵۰

(۳) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱

(۵،۴) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱



نعمت ہے کہ جس پر لوگ حسد نہیں کرتے۔"(۱)

تواضع کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی قدر ومنزلت کے مطابق اس کا احترام کرے اور خود کو اس سے افضل وبرتر نہ سمجھے۔ یہاں چند باتوں کی طرف توجہ ضروری ہے: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیث کے مطابق تواضع کا معیار یہ ہے کہ انسان خدا کو مدنظر رکھے اور تواضع صرف رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہئے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اسی لئے تواضع صرف مومنین کے سامنے ضروری ہے اور مشرکین اور کفار کے سامنے جائز نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ تواضع کا تعلق ایمان اور تقویٰ سے ہے لہٰذا امیروں کی دولت کے لالچ میں ان کے سامنے تواضع کرنا مذموم ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل کرتے ہیں کہ: "مَنْ اَتٰی ذامَیْسَرَۃٍ فَتَخَشَّعَ لَهُ طَلَبَ ما فِی یَدَیْهِ ذَهَبَ ثُلُثا دِیْنِهِ" "جو شخص مالدار انسان کے سامنے اس کے مال کی طمع کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دوتہائی دین برباد ہوجاتا ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "ما اَحْسَنَ تَواضُعَ الْاَغْنِیاءِ لِلْفُقَراءِ طَلَباً لِما عِنْدَ اللّٰہِ وَ اَحْسَنُ مِنْهُ تِیْهُ الْفُقَراءِ عَلَی الْاَغْنِیاءِ اِتِّکالاً عَلَی اللّٰہِ" "کتنا بہتر ہے کہ دولتمند حضرات فقراء کے سامنے خدا کی طرف سے ملنے والے اس اجر وثواب کے لئے تواضع کریں اور اس سے بہتر یہ ہے کہ فقراء خداوند عالم پر بھروسہ کرتے ہوئے دولتمندوں کی طرف

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۸، باب ۲۹، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار، ج ۷۳ باب ۱۳۲، حدیث ۵۸

توجہ نہ دیں۔"(۱)

لہٰذا کسی کے سامنے بھی تواضع کرنے میں صرف اس کے ایمان وتقویٰ یا بندگی خدا کو مدنظر رکھنا چاہئے نہ کہ اس کے مال و دولت یا اقتدار کو، اس لئے کہ اسلام نے فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ تواضع وفروتنی میں افراط وتفریط کے بجائے اعتدال کی رعایت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ تواضع میں زیادتی انسان کی پستی اور تحقیر کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ چاپلوسی بن جاتی ہے۔ جبکہ تواضع میں کوتاہی اور بے توجہی کا انجام تکبر ہوتا ہے، اس لئے غرور وتکبر سے بچنے کے ساتھ ساتھ تواضع میں افراط سے بھی پرہیز کرنا چاہئے جیسا کہ روایت میں ہے کہ: "اَلتَّکَبُّرُ عَلَی الْمُتَکَبِّرِ تَوَاضُعٌ" "متکبر کے ساتھ تکبر کرنا ہی تواضع ہے، لہذا متکبر اور مغرور انسان کے سامنے تواضع کرنا جائز نہیں ہے کہ اس سے تواضع سے پیش آنے والے مومن کی توہین اور ذلت ہوتی ہے اور وہ بلاوجہ حقیر بن جاتا ہے اور اس سے متکبر کے تکبر میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔"(۲)

## تواضع کے حدود اور اس کی علامتیں

کسی کے اندر تواضع کی مقدار کو جاننے کے لئے معصومین علیہم السلام کے بیان کردہ حدود کی معرفت ضروری ہے: امام رضا سے کسی نے سوال کیا کہ تواضع کی حد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "اَنْ تُعْطِیَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِکَ مَا تُحِبُّ اَنْ یُعْطُوکَ مِثْلَهُ" "تواضع کی حد یہ

(۱) بحار الانوار، ج ۷۲، باب ۹۴، حدیث ۵۷

(۲) الترجمہ: انسان فقط اپنی ذات کو دیکھے



ہے کہ لوگوں کا اتنا ہی احترام کرو جتنا تم ان سے اپنے احترام کی توقع رکھتے ہو۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلتَّوَاضُعُ اَنْ تَرْضَیٰ مِنَ الْمَجْلِسِ بِدُوْنِ شَرَفِکَ وَ اَنْ تُسَلِّمَ عَلٰی مَنْ لَقِیْتَ وَ اَنْ تَتْرُکَ الْمِرَاءَ وَ اِنْ کُنْتَ مُحِقًّا وَ رَأْسُ الْخَیْرِ التَّوَاضُعُ" "تواضع کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے کے لئے جو جگہ ملے اسی پر راضی ہوجاؤ اگرچہ تمہارے مقام سے کمتر ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کہ جس سے بھی ملو اسے سلام کرو اور جھگڑے سے پرہیز کرو چاہے تم حق پر ہی کیوں نہ ہو اور یاد رکھو کہ نیکی کا سرچشمہ اور اس کی اصل بنیاد تواضع ہے۔"(۲)

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام تواضع کی پہچان بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "وَ لَا یُحِبُّ اَنْ یُحْمَدَ عَلَی التَّقْوٰی" "انسان یہ پسند نہ کرے کہ لوگ اس کے تقویٰ کی وجہ سے اس کی تعریف کریں۔"(۳)

## تواضع کے نتائج وفوائد

تواضع کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اسے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علم وحکمت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "کَذٰلِکَ الْحِکْمَةُ تَعْمُرُ فِی قَلْبِ الْمُتَوَاضِعِ وَ لَا تَعْمُرُ فِیْ قَلْبِ الْمُتَکَبِّرِ الْجَبَّارِ لِاَنَّ اللّٰهَ جَعَلَ التَّوَاضُعَ آلَةَ الْعَقْلِ وَ جَعَلَ التَّکَبُّرَ آلَةَ الْجَهْلِ" "اس طرح حکمت متواضع انسان کے دل میں اتر آتی ہے حالانکہ متکبر کے دل میں حکمت نہیں ٹھہرتی ہے اس لئے کہ خداوند عالم نے تواضع کو عقل کا آلہ اور تکبر کو جہل

(۱) بحار الانوار، ج ۷۱، باب ۶۳، حدیث ۱۱

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۲۰

(۳) بحار الانوار ج ۲، باب ۱۷، حدیث ۲۰

کا آلہ قرار دیا ہے۔"(۱)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قول کی مانند جناب عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی نقل ہوا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک روز جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میری ایک خواہش ہے اگر تم لوگ پوری کرنے کا وعدہ کرو تو بیان کروں:

حواریوں نے کہا: آپ حکم فرمائیں ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے اور ان سب کے پیر دھونے لگے تو آپ کے سب ساتھی شرمندگی میں غرق ہو گئے لیکن چونکہ وہ لوگ آپ کی خواہش قبول کرنے کا وعدہ کر چکے تھے اس لئے خاموش رہے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے ان سب کے پیر دھلا دئے۔ جب آپ ان سب کے پیر دھو چکے تو حواریوں نے کہا: آپ ہمارے معلم ہیں ہمیں ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کے پیر دھوئیں نہ کہ آپ ہمارے پیر دھوئیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تمہیں یہ بتا سکوں کہ لوگوں کی خدمت کا سب سے زیادہ حقدار "عالم" ہوتا ہے۔

میں نے اس لئے ایسا کیا ہے تا کہ خود تواضع کر سکوں اور تمہیں تواضع کا درس دے سکوں تم بھی جب میرے بعد لوگوں کو تعلیم و ہدایت دینا تو تواضع کو اپنا شیوہ بنانا۔ اور یہ جان لو کہ بنیادی طور پر حکمت تواضع کی زمین پر پھولتی پھلتی ہے نہ کہ تکبر کے ذریعہ۔ بالکل ویسے ہی جیسے سبزہ زار نرم زمین پر اگتا ہے نہ کہ سخت اور پتھریلی زمین پر۔

تواضع کے دوسرے فائدہ کو حضرت علی علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۴، باب ۲۱، حدیث ۱۷



"ثَمَرَةُ التَّوَاضُعِ الْمَحَبَّةُ وَ ثَمَرَةُ الْكِبْرِ الْمَسَبَّةُ" "تواضع کا نتیجہ دوستی اور تکبر کا نتیجہ دشمنی ہے۔"(۱)

نیز آپ فرماتے ہیں: "التَّوَاضُعُ يُكْسِبُكَ السَّلَامَةَ" "تواضع تمہارے لئے سلامتی کا باعث ہے۔"(۲)

آپ ہی سے منقول ہے کہ: "التَّوَاضُعُ يَكْسُوكَ الْمَهَابَةَ" "تواضع تمہیں بزرگی کا لباس پہناتی ہے۔"(۳)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"اِنَّ اللهَ تَعَالٰى أَوْحىٰ اِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَ لَا يَبْغىٰ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ" "خداوند عالم نے میری طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ: تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے۔"(۴)

لہٰذا خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکمت، محبت، سلامتی، بزرگی، صلح وصفا، رفعت و منزلت یہ سب تواضع کے نتائج و فوائد ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بارے میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ سفر کے دوران دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے رکے، طے یہ پایا کہ گوسفند ذبح کر کے پکایا جائے ایک صحابی نے کہا: گوسفند میں ذبح کروں گا دوسرے نے کہا: اس کی کھال وغیرہ

---

(۱) غرر الحکم ج ۳، ص ۳۲۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۱۱

(۳) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۱۴، حدیث ۱

(۴) کنز العمال ج ۳، ص ۱۱۰، حدیث ۵۷۲۲

میں اتار دوں گا تیسرے نے کہا: میں اسے پکا دوں گا اس طرح سب نے اپنا کام تقسیم کر لیا تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا میں صحرا سے لکڑیاں جمع کر کے لاؤں گا۔ اصحاب نے ایک زبان ہو کر عرض کی. یا رسول اللہؐ آپ زحمت نہ فرمائیں آپ کے بدلہ ہم خود یہ کام کریں گے حضرتؐ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم سب کام کر دو گے مگر خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ اپنے بندے کو اس حالت میں دیکھے کہ بندہ خود کو اپنے ساتھیوں سے برتر و ممتاز قرار دے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل کی طرف چلے گئے اور کافی مقدار میں لکڑیاں جمع کر کے لے آئے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے "مَنْ تواضع فی الدُّنیا لاِخْوانِهِ فهُو عنْد اللهِ من الصدِّیقِیْن و مِنْ شیْعة علی بْنِ اَبِی طالِب علیہ السلام حقاً" "جو اپنے بھائیوں کے لئے دنیا میں تواضع کرے گا وہ خداوند عالم کے نزدیک صدیقین اور حضرت علی علیہ السلام کے سچے شیعوں میں شامل ہے۔"(۱)

ایک دوسرا واقعہ سیرت امیر المومنینؑ سے متعلق ہے:

ایک روز دو آدمی حضرت علی علیہ السلام کے مہمان ہوئے جن میں سے ایک باپ اور دوسرا اس کا بیٹا تھا جب وہ لوگ آئے تو آپ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور انہیں صدر مجلس میں جگہ دی اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر کھانا لایا گیا سب نے کھانا کھایا، کھانے کے بعد جناب قنبر طشت، اور تولیہ لائے اور مہمان کا ہاتھ دھلانا چاہتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام اٹھے اور قنبر کے ہاتھ سے لوٹا لے لیا تاکہ مہمان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالیں باپ شرم کی وجہ سے آپ کے پیروں پر گر پڑا اور عرض کی: مولا! کیا خدا ہمیں اس حالت میں دیکھے کہ آپ میرے ہاتھوں پر پانی ڈال رہے ہیں؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا. بیٹھو اور اپنے ہاتھ دھوؤ اس لئے کہ خدا تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے اس بھائی کو بھی دیکھ رہا ہے جس نے خود کو تم سے بہتر اور ممتاز نہیں سمجھا ہے اور اس نیت سے تمہاری خدمت کر رہا ہے

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۱، ص ۵۵، و ج ۲۷، ص ۱۱۷



کہ جنت میں اہل دنیا کے دس برابر اس کی خدمت کی جائے گی۔

پھر وہ شخص اٹھ کر بیٹھ گیا. امام علیہ السلام نے فرمایا: "میں تمہیں اپنے حق کی عظمت کی قسم دیتا ہوں جس سے تم واقف ہو اور اس کی بنا پر میرا اتنا احترام کر رہے ہو اور اس تواضع کی قسم جو تم نے خدا کے سامنے کی ہے جس پر خدا تمہیں اجر دے گا اور اس چیز کی قسم کہ جس کی وجہ سے خدا نے مجھے تمہاری خدمت پر آمادہ کیا اور اس کا شرف بخشا تم اسی اطمینان و سکون سے بیٹھ کر ہاتھ دھونا جس طرح اس وقت دھوتے جب قنبر پانی ڈالتے۔"

تب حضرتؑ نے اس کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور مہمان نے اپنے ہاتھ دھوئے جب امام مہمان کے ہاتھ دھلا چکے تو پانی کا لوٹا اپنے فرزند جناب محمد حنفیہ کو دیا اور ان سے فرمایا: اگر یہ لڑکا اپنے باپ کے بغیر میرا مہمان ہوا ہوتا تو میں خود اس کے ہاتھ دھلاتا لیکن خداوند عالم یہ نہیں چاہتا ہے کہ باپ اور بیٹے کا احترام ایک انداز سے ہو اس لئے جب باپ کے ہاتھ باپ نے دھلائے تو بیٹے کے ہاتھ بیٹے کو دھلانا چاہئے۔ تب جناب محمد حنفیہ نے اس کے لڑکے کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس نے اپنے ہاتھ دھوئے امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "فمنْ اتَّبع علِیًّا علٰی ذٰلِکَ فهُوَ الشِّیعِی حقًا" "جو بھی حضرت علی علیہ السلام کی اس طرح پیروی کرے گا وہی حقیقی شیعہ ہے۔"(۱)

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۱، باب ۱۰۵، حدیث ۵

**خلاصہ:**

لوگوں کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آنا بھی ایک اچھی صفت ہے جسے خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کی صفت قرار دیا ہے۔

تواضع سے رشد وحکمت محبت ودوستی اور رفعت ومنزلت وغیرہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

**سوالات:**

۱۔تواضع وانکساری کی تعریف کیجئے؟

۲۔خداوند عالم نے سورۂ فرقان کی ۶۳ ویں آیت میں اپنے خاص بندوں کی کیا صفت بیان کی ہے؟

۳۔تواضع کے بارے میں امام رضا علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے؟

۴۔فروتنی کے فوائد اور ثمرات بیان کیجئے؟

# آٹھواں سبق

## وفائے عہد

عہد و پیمان کو وفا کرنا بھی اخلاقی اصولوں میں شامل ہے جس پر مسلمانوں کو اپنی سماجی اور اجتماعی زندگی میں عمل کرنا چاہئے قرآنی آیت اور معصومین علیہم السلام کی روایات میں اس نمایاں اخلاقی صفت کی بے حد اہمیت بیان کی گئی ہے. حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اگر کسی سے کسی بھی قسم کا عہد و پیمان کرے تو قرآن کریم کی نظر میں اس کو وفا کرنا واجب ہے اس لئے کہ ایک طرف تو خداوند عالم نے عہد کو وفا کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً﴾ ''اپنے عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''(۱)

﴿يا أَيُّها الَّذين آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ ''ایمان والو اپنے عہد و پیمان کی پابندی کرو۔''(۲)

اور دوسری طرف عہد و پیمان کو توڑنے کے سلسلہ میں سخت تنبیہ کی گئی ہے اور اس کو خدا کی دشمنی قرار دیا ہے:

﴿يا أيُّها الَّذين آمَنُوا لِمَ تقُولُونَ ما لا تفعلُون، كَبُر مقتاً عند اللهِ أنْ تقُولُوا ما لا تفعلُون﴾ ''ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو اللہ کے نزدیک یہ

---

(۱)سورۂ اسراء آیت ۳۴

(۲)سورۂ مائدہ آیت ۱

سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔"(۱)

قول وعمل میں اختلاف کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ انسان دوسروں سے جو عہد و پیان کرے اس کو پورا نہ کرے۔

لہٰذا اس بات پر توجہ رکھنا چاہئے کہ اگر مسلمان دوسروں سے عہد و پیمان کرے تو اسے پورا کرنا واجب ہے مقابل چاہے مسلمان ہو یا مومن، مشرک ہو یا کافر، یہ پیمان انفرادی ہو یا اجتماعی، خداوند عالم قرآن کریم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے اگر تم نے مشرکین سے عہد و پیمان کیا ہے اور انہوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا ہے تو تم بھی اس کے معینہ وقت تک اپنے عہد پر باقی رہو۔

﴿ فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ... ﴾ " جو مدت طے کی ہے اس وقت تک عہد کو پورا کرو۔"(۲)

امام صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "ثَلاثَةٌ لاعُذْرَ لِاَحَدٍ فِيهَا اَدَاءُ الْاَمَانَةِ الى الْبَرِّ والْفاجر و الوفاءُ بالْعهْد للْبَرِّ و الْفاجر و برُّ الْوَالدَيْنِ بَرَّيْنَ كانا أَوْ فاجِرَيْنِ" "تین چیزوں میں کسی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے (۱) امانت اس کے مالک کو واپس کرنا چاہے وہ نیک ہو یا برا (۲) عہد و پیمان کو پورا کرنا مقابل چاہے نیک ہو یا فاسق وفاجر (۳) والدین کے ساتھ نیکی وہ اچھے ہوں یا برے۔"(۳)

---

(۱) سورۂ صف آیت ۲،۳

(۲) سورۂ توبہ آیت ۴

(۳) بحار الانوار ج ۷۴ باب ۲ حدیث ۲۶



اس بنیادی نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ سماج میں کسی سے معاہدہ کرنے کے بعد اس کی رعایت اور اس کی شرطوں کی پابندی کرنا ضروری ہے کیونکہ پورے سماج کا نظم وضبط، سلامتی یا امن وامان اسی سے وابستہ ہے ورنہ اگر انسان دوسروں سے عہد و پیمان کرے اور اس کا پابند نہ رہے مثلاً کسی سے کوئی امانت لے اور اسے واپس نہ کرے تو پورے نظام کا شیرازہ بکھر جائے گا اور کوئی کسی پر اعتماد نہیں کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ سماجی زندگی میں ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا اور صرف طاقتور افراد ہی اپنے منافع کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ ان تین چیزوں (امانت کی ادائیگی، عہد و پیمان کو وفا کرنا، اور والدین کے ساتھ نیکی) کے بارے میں کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب جناب مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو آپ کے نام ایک عہد نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر اپنے دشمن کے ساتھ بھی تم کوئی عہد و پیمان کرو تو اس پر قائم رہنا۔

"وَاِنْ عَقَدْتَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ عَدُوِّكَ عُقْدَةً اَوْ اَلْبَسْتَهُ مِنْكَ ذِمَّةً فَحُطْ عَهْدَكَ بِالْوَفَاءِ وَارْعَ ذِمَّتَكَ بِالْاَمَانَةِ وَاجْعَلْ نَفْسَكَ جُنَّةً دُوْنَ مَا اَعْطَيْتَ فَاِنَّهُ لَيْسَ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ شَيْءٌ النَّاسُ اَشَدُّ عَلَيْهِ اِجْتِمَاعاً مَعَ تَفَرُّقِ اَهْوَائِهِمْ وَتَشَتُّتِ آرَائِهِمْ مِنْ تَعْظِيْمِ الْوَفَاءِ بِالْعُهُوْدِ وَقَدْ لَزِمَ ذٰلِكَ الْمُشْرِكُوْنَ فِيْمَا بَيْنَهُمْ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ لِمَا اسْتَوْبَلُوْا مِنْ عَوَاقِبِ الْغَدْرِ فَلَا تَغْدِرَنَّ بِذِمَّتِكَ وَلَا تَخِيْسَنَّ بِعَهْدِكَ وَلَا تَخْتِلَنَّ عَدُوَّكَ فَاِنَّهُ لَا يَجْتَرِئُ عَلَى اللهِ اِلَّا جَاهِلٌ شَقِيٌّ وَقَدْ جَعَلَ اللهُ عَهْدَهُ وَذِمَّتَهُ اَمْناً اَفْضَاهُ بَيْنَ الْعِبَادِ بِرَحْمَتِهِ وَحَرِيْماً يَسْكُنُوْنَ اِلَى مَنَعَتِهِ وَيَسْتَفِيْضُوْنَ اِلَى جِوَارِهِ فَلَا اِدْغَالَ وَلَا مُدَالَسَةَ وَلَا خِدَاعَ فِيْهِ"

"اگر تم نے دشمن سے عہد و پیمان کیا کہ اس کو پورا کرو گے تو اسے پورا کرو اور اپنے عہد کی

حفاظت امانت کی طرح کرو اور عہد و پیمان کے لئے جان کی بازی لگا دو اس لئے کہ اللہ کے فرائض میں ایفائے عہد سے زیادہ کوئی فریضہ مورد اتفاق نہیں ہے یہاں تک مشرکین بھی مسلمانوں سے جو عہد و پیمان کرتے تھے اس کا احترام کرتے تھے اس لئے کہ وہ پیمان شکنی کے نتیجہ میں تباہیوں کا اندازہ کر چکے تھے لہٰذا جس کے تم ذمہ دار ہوئے ہو اس کے سلسلہ میں عذر پیش نہ کرنا اور عہد و پیمان میں خیانت نہ کرنا اور اپنے دشمن کو دھوکا نہ دینا یاد رکھو کہ نادان بد بخت کے علاوہ کوئی خدا سے گستاخی نہیں کرتا اور خدا نے اپنے عہد و پیمان کو امنیت قرار دیا ہے کہ جسے اس نے اپنے رحم و کرم کی وجہ سے اپنے بندوں پر عام کر رکھا ہے اور ان کے لئے پناہ گاہ بنا دیا ہے تا کہ اس کے سہارے زندگی بسر کریں اور اس کی پناہ میں رہیں لہٰذا اس میں جعل سازی، فریب کاری اور دھوکا دھڑی نہیں ہے''(۱)

## ایفائے عہد کی اہمیت ومنزلت

گذشتہ بحث سے عہد و پیمان کے وفا کرنے کی ضرورت بخوبی واضح ہوگئی اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے چاہے کسی کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا جائے اس کو وفا کرنا بہر حال ضروری ہے. اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام کی نظر میں عہد و پیمان کے وفا کرنے کی کیا اہمیت ہے اور اسلامی اقدار کے درمیان اس کا کیا مرتبہ ہے؟

اس سلسلہ میں چند باتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں سورۂ مومنون میں مومنین سے کامیابی کا وعدہ کرنے کے بعد مومنین کے صفات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک صفت ایفائے عہد بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿والّذین هُمْ لأماناتهم و عهدهم راعون﴾ ''مومنین وہ لوگ ہیں جو امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کو پورا

---

(۱) نہج البلاغہ عہد نامہ مالک اشتر



کرتے ہیں۔''(۱)

تقریباً یہی مضمون سورۂ معارج کی آیت نمبر ۳۲ میں بھی مذکور ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَفِ إذَا وَعَدَ'' ''جو بھی خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اگر وعدہ کرے تو اسے ضرور وفا کرے۔''(۲)

حضرت علی علیہ السلام بھی فرماتے ہیں: ''اِنَّ الْوَفَاءَ بِالْعَهْدِ مِنْ عَلَامَاتِ اَهْلِ الدِّيْنِ'' ''مومنوں کی ایک علامت عہد و پیمان کا وفا کرنا بھی ہے۔''(۳)

پھر آپ فرماتے ہیں: ''اَصْلُ الدِّيْنِ اَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَ الْوَفَاءُ بِالْعُهُوْدِ'' ''دین کی اصل بنیاد امانت داری اور وعدہ وفائی ہے''۔

۲۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں خداوند عالم نے جناب اسماعیل کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمَاعِيْلَ اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا﴾

''اور اپنی کتاب میں اسماعیل کا تذکرہ کرو کہ وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے۔''(۴)

---

(۱) سورۂ مومنون آیت ۸

(۲) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

(۳) بحار الانوار ج ۱۷، باب ۱۴، حدیث ۱۱

(۴) سورۂ مریم آیت ۵۴

یہاں جناب اسماعیل علیہ السلام کی جس نمایاں صفت کا تذکرہ عہدۂ نبوت ورسالت سے پہلے کیا گیا ہے وہ وعدہ وفائی ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واقعہ نقل کیا ہے: ''ایک روز ایک شخص نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مقام پر ملنے کا وعدہ کیا کہ آپ اس مقام پر مجھ سے ملیں شدید دھوپ کا موقع تھا اصحاب نے عرض کی بہتر ہے کہ آپ سایہ میں تشریف لے چلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے میں نے اسی مقام پر ملنے کا وعدہ کیا ہے اگر وہ نہ آئے تو میرا حشر ونشر اسی جگہ پر ہوگا۔'' (یعنی آخر عمر تک اسی جگہ کھڑا رہوں گا)

۳۔ امام صادق علیہ السلام نے وفائے عہد کو مومنین کے حقوق میں سے قرار دیا ہے آپ کے ارشاد کے مطابق وفائے عہد درحقیقت مومن کا حق ادا کرنا ہے جو وہ ایک دوسرے پر رکھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''اَلْمُؤمِنُ اَخُو الْمُؤمِنِ عَيْنُهُ وَ دَلِيلُهُ لايَخُونُهُ وَ لايَظْلِمُهُ و لايَغُشُّهُ و لا يَعِدُهُ عِدَةً فَيُخْلِفُهُ'' ''مومن مومن کا بھائی ہے اور وہ اس کی آنکھ اور راہنما کی مانند ہے مومن اپنے بھائی کے ساتھ خیانت نہیں کرتا ہے اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور اگر کوئی عہد و پیمان کرتا ہے تو اسے توڑتا نہیں ہے۔''(۱)

۴۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اِنَّ الْوَفاءَ تَوْاَمُ الصِّدْقِ وَ لااَعْلَمُ جُنَّةً اَوْقى مِنْهُ ولايَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ كَيْفَ الْمَرْجِعُ وَلَقَدْ اَصْبَحْنافى زَمانٍ قَدِ اتَّخَذَ اَكْثَرُاَهْلِهِ الْغَدْرَكَيْساً وَنَسَبَهُمْ اَهْلُ الْجَهْلِ فِيهِ اِلى حُسْنِ الْحِيلَةِ مالَهُمْ قاتَلَهُمُ اللهُ،قَدْ يَرى الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِيلَةِ وَدُونَهُ مانِعٌ مِنْ اَمْرِاللهِ وَنَهْيِهِ فَيَدَعُها رَاْىَ عَيْنٍ

(۱) بحارالانوار ج ۷۴، باب ۱۶، حدیث ۷



بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهاوَيَنْتَهِزُ فُرْصَتَهامَنْ لاحَرِيجَةَ لَهُ فِى الدِّينِ''

''وفا سچائی ہے میرے نزدیک اس سے زیادہ اطمینان بخش کوئی سپر نہیں ہے جسے خدا کی طرف کا علم ہے وہ کبھی مکر نہیں کرتا ہم اس زمانے میں زندگی بسر کررہے ہیں جہاں اکثر لوگ حیلہ گری اور دھوکا دھڑی کو چالاکی سمجھتے ہیں اور نادان حضرات ایسے لوگوں کو چالاک اور چارہ گر سمجھتے ہیں انہیں کیا ہوگیا ہے؟ خدا انہیں نابود کرے۔ (البتہ) جو چالاک اور سمجھدار لوگ ہیں وہ حیلہ گری اور چارہ گری بھی جانتے ہیں لیکن امر ونہی الٰہی انہیں اس سے روکتی ہے اسی لئے وہ اسے ترک کردیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسا کرسکتے تھے لیکن جنہیں دین کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی وہ ایسا کرڈالتے ہیں''(۱)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے اس خطبہ میں وفائے عہد کو سچائی کے مترادف قرار دیا ہے اور مکر وحیلہ کی ضد فرمایا ہے اور لوگوں کو عہد شکنی کو چالاکی سمجھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ایک برا عمل بتایا ہے کہ ایسے کام بے دین اور کمزور ایمان والے ہی انجام دیتے ہیں لہٰذا عہد شکنی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حقیقت میں مومن عہد شکنی کرنے کے بعد کسی قسم کا عقلی یا شرعی عذر نہیں پیش کرسکتا اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کی طرف سے تمام مشکلات برداشت کرنے کے باوجود اپنے عہد و پیمان پر باقی رہتے تھے مگر یہ کہ اللہ کے صریح حکم کے ذریعہ اس عہد و پیمان کو لغو کردیا جائے جیسے:

﴿بَراءَةٌ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ اِلَى الَّذِينَ عاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ''مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا اب ان سے خدا اور رسول کی طرف سے مکمل بیزاری کا اعلان ہے۔''(۲)

آیت کریمہ اور اس کے بعد والی آیتیں نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے مشرکین سے

(۱) بحارالانوار ج ۷۵، ص ۹۶، حدیث ۲۱

(۲) سورۂ توبہ آیت ۱

جوعہد و پیمان کیا تھا وہ ختم ہو گیا البتہ اس میں وہ مشرکین شامل نہ تھے جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تھے۔

۵۔ایک طرف جہاں خداوند عالم، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے وفائے عہد کو بیحد اہمیت دی ہے اور اسے دین کے اہم ارکان میں شمار کیا ہے اور پیمان شکنی کے سلسلہ میں تنبیہ کی گئی ہے اور اس سے مومنین کو سختی سے منع کیا ہے وہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک حدیث میں ''عہد شکنی'' کو منافقین کی علامتوں میں سے شمار کیا ہے۔

''آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ اِذَاحَدَّثَ کَذِبَ وِاِذَاوَعَدَ اَخْلَفَ وِاِذَااُئْتُمِنَ خَانَ'''' منافق کی تین علامتیں ہیں:۱۔جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔۲۔جب عہد و پیمان کرتا ہے تو توڑ دیتا ہے۔۳۔جب کوئی امانت دی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔''(۱)

حضرت علی علیہ السلام جناب مالک اشتر سے فرماتے ہیں: ''اِیَّاکَ اَنْ تعِدَھُمْ فَتُتْبِعَ مَوْعِدَکَ بِخُلْفِکَ... وَالْخُلْفُ یُوْجِبُ الْمقْتَ عِنْدَاللهِ وَالنَّاسِ .قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: کَبُرَ مَقْتاًعِنْدَاللهِ اَنْ تَقُوْلُوْامَالا تفْعلُوْنَ''

''خبردار ایسا نہ کرنا کہ لوگوں سے وعدہ کرو اور اسے پورا نہ کرو.اس لئے کہ عہد شکنی خداوند عالم کے غضب اور مومنین کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے.خداوند عالم فرماتا ہے: اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:''عِدَۃُ الْمُوْمِنِ اَخَاہُ نَذْرٌلاکَفَّارَۃَ لَہُ فمنْ اَخْلَف

---

(۱)بحارالانوارج ۷۲،باب۱۰۶،حدیث۶

(۲)بحارالانوارج ۷۵،ص۹۶،حدیث۲۱

فَیُخْلِفُ اللہ بدءَ ولمقْتِہ تعرّض وذلک قوْلُہُ ﴿یاایُّھاالَّذِیْن آمنُوْالِمَ تقُوْلُوْن ما لاتفْعلُوْن کَبُر مقْتاًعنْدالله اَنْ تقُوْلُوْامالاتفْعلُوْن﴾'''' ایک مومن سے دوسرے مومن کا وعدہ بھی نذر کے مانند ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہوسکتا البتہ اگر وہ اس عہد کی مخالفت کرے تو اس نے پہلے خداوند عالم کی مخالفت کی ہے اور اس کی ناراضگی کے اسباب فراہم کئے ہیں.جیسا کہ خداوند عالم کا قول ہے ''ایمان والو! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔''(۱)

امام علیہ السلام کے اس فرمان اور عہد شکنی کے سخت عواقب کے پیش نظر انسان کو صرف اس صورت میں کسی سے عہد و پیمان کرنا چاہئے کہ جب وہ اسے وفا کرنے کی قوت و طاقت رکھتا ہو.

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لاتعِدْ بِمَاتعْجزُعن الْوفاءِ'' ''جس چیز کو تم وفا نہیں کر سکتے اس کے سلسلہ میں کسی سے وعدہ نہ کرو''نیز آپ فرماتے ہیں.''لاتعِدنَّ عِدۃً لا تثِقُ مِنْ نَفْسِکَ بِاِنْجازِھا'''' جس چیز کے سلسلہ میں تمہیں اپنے اوپر اطمینان نہ ہو کہ اسے انجام دے سکو گے یا نہیں تو اس کا وعدہ نہ کرو۔''(۲)

---

(۱)اصول کافی ج ۲،ص۳۶۲،حدیث۱

(۲)بحارالانوارج ۳۰،ب۵۵۸

### خلاصہ:

عہد و پیمان کا وفا کرنا بھی اہم اخلاقی اصولوں میں سے ایک ہے۔

قرآن کریم نے اچھے لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایفائے عہد کو ان کی خصوصیات میں ذکر کیا ہے۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جو عہد و پیمان دوسروں سے باندھے اس کا ضرور پابند رہے. مد مقابل چاہے مسلمان اور مومن ہو یا مشرک و کافر۔

### سوالات:

۱۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں عہد شکنی کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر کو خطاب فرماتے ہوئے اپنے عہد نامہ میں وفائے عہد کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ اسلام میں وفائے عہد کا کیا مرتبہ ہے؟

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے عہد و پیمان کے لئے کس شرط کو ضروری بتایا ہے؟

# نواں سبق

## حلم و بردباری (۱)

انسان کو سماجی زندگی میں ہر روز اپنے جیسے نہ معلوم کتنے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے اور ان سے روابط اور تعلقات رکھنا ہوتے ہیں. ہر ایک کا اپنا مخصوص انداز ہوتا ہے ملنے کا طور طریقہ، سلیقہ، رفتار و گفتار، غور و فکر کرنے کا انداز اور عادتیں دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں. ممکن ہے اسکی کچھ عادتیں دوسرے لوگوں کو پسند نہ ہوں اور اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہو، انسانی عادات و اطوار میں بے شمار بری عادتیں اور خصلتیں پائی جاتی ہیں. اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایسی بداخلاقیوں کے مقابل ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ایک راستہ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کا اخلاق و کردار اچھا نہیں ہے ان سے رابطہ منقطع کر لیا جائے اور صرف انہیں لوگوں سے روابط رکھے جائیں جن کا اخلاق ہر لحاظ سے بہتر ہے تا کہ انسان چین و سکون سے زندگی بسر کر سکے. لیکن یہ طریقہ عملاً ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسے افراد کا تلاش کرنا ناممکن ہے. بنیادی طور پر لوگوں کے آداب و عادات اور اخلاقیات مختلف ہوتے ہی ہیں اور یہ اختلاف ہر جگہ پایا جاتا ہے. اسی لئے شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ دو لوگوں کا نظریہ یا اخلاق ہر لحاظ سے ایک جیسا ہو اور وہ ایک دوسرے کو تلاش بھی کر لیں. اس کے علاوہ انسان کی سماجی ضروریات صرف چند افراد کے ساتھ روابط سے پوری نہیں ہو سکتی ہیں اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر ہم دوسروں سے رابطہ منقطع کر لیں اور ان سے کوئی مطلب نہ رکھیں تو دوسرے بھی ہم سے روابط نہ رکھیں. لہٰذا یہ طریقہ بالکل ناممکن اور غیر عملی ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی بداخلاقی کے مقابلہ میں جھگڑا کر بیٹھیں یعنی بداخلاقی کا جواب ضرور دیں یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑے تو مار پیٹ بھی کرلیں تاکہ سامنے والا اپنی بداخلاقی پر پشیمان ہوجائے اور دوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرے۔ ممکن ہے شروع میں یہ طریقہ کار مناسب معلوم ہو لیکن یہ طریقہ صرف اس صورت میں صحیح اور فائدہ مند ہوگا کہ جب اسے صرف ایک مرتبہ استعمال کیا جائے اور پھر اس کے بعد کوئی بداخلاقی کرنے کی ہمت نہ کرے یا یہ کہ جس کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا رویہ اختیار کیا جائے وہ انتقام کی فکر نہ کرے تبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ سب لوگ چین اور سکون کی زندگی گذار سکیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ مختلف قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عوام میں غصہ کی آگ بھڑک جاتی ہے تو لڑائی جھگڑے کی نوبت اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ بارہا کشت وخون کا بازار گرم ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ اگر یہ جنگ کسی ایک کی شکست پر تمام ہوجائے اور کینہ وغضب کی آگ اس کی راکھ کے نیچے دفن ہوجائے تب بھی جیسے ہی مناسب موقع ہاتھ آئے جنگ دوبارہ شعلہ ور ہوسکتی ہے۔ حالانکہ ایسے لڑائی جھگڑوں کی بنیاد عموماً بہت چھوٹی اور معمولی بات ہوتی ہے۔ اور دونوں فریقوں کی تندخوئی کی وجہ سے آہستہ آہستہ اتنے خطرناک حالات کی شکل اختیار کرلیتی ہیں جس کی وجہ سے بار بار جنگ کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر یہ طے ہوجائے کہ دوسروں کی بداخلاقی کا جواب غصہ اور سختی سے دینا ہے تاکہ پھر وہ ایسی حرکت نہ کریں تو یہ بھی طے ہے کہ دوسرے لوگ بھی ہمارے ساتھ ایسے ہی اخلاق کا مظاہرہ کریں گے اور جب ان کی نظر میں ہمارا رویہ غلط ہوگا تو وہ بھی ہمارے ساتھ لڑائی جھگڑا کر بیٹھیں گے۔ اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ پھر کوئی بھی کسی کے غصہ اور غضب سے محفوظ نہیں رہے گا اور سماج میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا جاری رہے گا۔ اور یہ واضح ہے کہ ایسے حالات میں زندگی گزارنا بہت سخت ہے لہٰذا یہ طریقہ کار بھی مناسب نہیں ہے۔



راہ حل؟

ان حالات میں اسلام نے "حلم وبردباری" کے ذریعہ حل پیش کیا ہے اس نظریہ کی تشریح کے لئے تین نکتوں کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔ اسلام کی نظر میں غصہ کی صحیح جگہ اور قوۂ غضبیہ سے استفادہ کا طریقہ؟

۲۔ مذہب اسلام میں حلم وبردباری اور غصہ کو پی جانے کی اہمیت؟

۳۔ غصہ کو پی جانے سے متعلق بعض واقعات اور مثالیں۔

۱۔ غیظ وغضب

متعدد اسلامی روایات میں غصہ کو بری صفت کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس سے پرہیز کی دعوت دی گئی ہے۔ بعض روایات میں غصہ کو تمام برائیوں کی کنجی قرار دیا گیا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ" "غصہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔"(۱)

اس سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❁ "اَلْغَضَبُ شَرٌّ اِنْ اُطْلِقَتْهُ دَمَّرَ" "غصہ ایک شر ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو ویران کرڈالے گا۔"(۲)

❁ "اَلْغَضَبُ يُرْدِیْ صَاحِبَهُ وَ يُبْدِیْ مَعَايِبَهُ" "غصہ صاحب غصہ کو ہلاک کردیتا ہے اور اس کے عیوب کو آشکار کردیتا ہے۔"(۳)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۳

(۲) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، حدیث ۱۳۳۷۶

(۳) غررالحکم: ج ۲، ص ۳۱

"اَلْغَضَبُ یُثِیرُ کَوَامِنَ الْحِقْدِ" "غصہ چھپے ہوئے کینوں کو ابھار دیتا ہے۔"(۱)

دوسری روایات میں غصہ کو جلا دینے والی آگ کے شعلوں سے تعبیر کیا گیا ہے پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "اَلْغَضَبُ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ" "غصہ شیطان کی آگ کا شعلہ ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلْغَضَبُ نَارٌ مُوْقَدَةٌ مَنْ كَظَمَهُ اَطْفَاهَا وَ مَنْ اَطْلَقَهُ كَانَ اَوَّلَ مُحْتَرِقٍ بِهَا" "غصہ ایک شعلہ ور آگ ہے جس نے اس کو ضبط کر لیا اس نے اسے بجھا دیا اور جس نے اس کو یونہی چھوڑ دیا تو خود وہی پہلا شخص ہوگا جو اس آگ میں جلے گا۔"(۳)

☆"اِحْذَرِ الْغَضَبَ فَاِنَّهُ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اِبْلِيْسَ" "غصہ سے بچو کہ غصہ ابلیس کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔"(۴)

کچھ روایات میں غصہ کو دیوانگی کا ایک حصہ بتایا گیا ہے. جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

☆"اِيَّاكَ وَ الْغَضَبَ فَاَوَّلُهُ جُنُوْنٌ وَ آخِرُهُ نَدَمٌ" "غصہ سے پرہیز کرو اس لئے کہ اس کی ابتدا دیوانگی اور انتہا پشیمانی ہے۔"(۵)

☆"اَلْغَضَبُ مِنَ الْجُنُوْنِ لِاَنَّ صَاحِبَهُ يَنْدَمُ فَاِنْ لَمْ يَنْدَمْ فَجُنُوْنُهُ مُسْتَحْكَمٌ" "غصہ ایک قسم کا جنون ہے اس لئے کہ غصہ کرنے والا اپنے کام پر پشیمان ہوتا ہے اور اگر پشیمان نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوانگی مسلّم ہے۔"(۶)

---

(۱) غرر الحکم، ص ۱۵۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۱۵

(۳) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، حدیث ۱۳۳۷۶

(۴) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۷۰۷

(۵) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، روایت ۱۳۳۷۶

(۶) بحار الانوار ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۲۰



☆"اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْاَلْبَابَ وَ يُبْعِدُ عَنِ الصَّوَابِ" "غصہ عقلوں کو خراب کر دیتا ہے اور راہ صواب سے دور کر دیتا ہے۔"(۱)

اسی طرح امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ لَمْ يَمْلِكْ غَضَبَهُ لَمْ يَمْلِكْ عَقْلَهُ" "جس شخص کو اپنے غصہ پر قابو نہیں ہے اسے اپنی عقل پر بھی اختیار نہیں رہتا ہے۔"(۲)

اب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ اسلامی روایات میں غصہ کو ناپسندیدہ اور مذموم صفت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے. جبکہ دوسری روایات میں غصہ پر قابو پانے اور ضبط کو ایک پسندیدہ اور اچھی صفت قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَفْضَلُ الْمُلْكِ مِلْكُ الْغَضَبِ" بہترین سرمایہ غصہ پر قابو پالینا ہے(۳). نیز آپ فرماتے ہیں: "اَقْدَرُ النَّاسِ عَلَى الصَّوَابِ مَنْ لَمْ يَغْضَبْ" راہ صواب پر سب سے زیادہ قدرت اسے حاصل ہے جو غصہ نہ کرتا ہو۔(۴)

☆"ظَفِرَ بِالشَّيْطَانِ مَنْ غَلَبَ غَضَبَهُ، ظَفِرَ الشَّيْطَانُ بِمَنْ مَلَكَهُ غَضَبُهُ" "جو شخص اپنے غصہ پر غالب آ جائے وہ شیطان پر غالب ہو گیا اور جس پر اس کا غصہ مسلط ہو گیا اس پر شیطان غالب ہو جاتا ہے۔"(۵)

☆"اَلْغَضَبُ عَدُوٌّ فَلَا تُمَلِّكْهُ نَفْسَكَ" "غصہ تمہارا دشمن ہے لہٰذا اپنے نفس کو اس

---

(۱) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، روایت ۱۳۳۷۶

(۲) بحار الانوار ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۳۳

(۳) غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۰۲

(۴) غرر الحکم ص ۲۴۶

(۵) غرر الحکم ج ۴، ص ۳۰۱

کے حوالے نہ کر دینا۔'' (۱)

☆''مَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ غَضَبُهُ وَ شَهْوَتُهُ فَهُوَ فِى حَيِّزِ الْبَهَائِمِ'''' جس شخص کے اوپر اس کا غصہ اور شہوت غالب آجائے اس کا شمار چوپایہ جانوروں میں ہوتا ہے۔'' (۲)

بعض روایات میں غصہ پر غالب آجانے والے شخص کو سب سے قوی انسان قرار دیا گیا ہے چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ میں فرماتے ہیں:

''لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصَّرعة اِنَّما الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ''

''طاقت کا معیار زورآزمائی نہیں بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔'' (۳)

نیز آنحضرت ﷺ سے منقول ہے:''الصَّرعَةُ كُلُّ الصَّرعة، الصَرعةُ كُلُّ الصَّرعة، الصَّرعةُ كُلُّ الصَّرعة. الرَّجُلُ الَّذِى يَغْضِبُ فَيَشْتَدُّ و يحمرُّ وَجْهُهُ وَ يَقْشعرُ جِلْدُهُ فيصْرعُ غَضَبهُ'''' حقیقت میں پہلوان وہ ہے'' آنحضرتؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا کہ جسے غصہ آجائے اور اس کا چہرہ سرخ ہوجائے اور جسم کانپنے لگے لیکن پھر بھی وہ اپنے غصہ پر غلبہ حاصل کرلے۔''

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:''اَقْوَى النَّاسِ مَنْ قَوِىَ عَلىٰ غَضَبِهِ'''' لوگوں میں سب سے زیادہ قوی وہ ہے کہ جو اپنے غصہ پر قابو پالے۔''

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:''لَاقُوَّةَ كَرَدِّ الْغَضَبِ'''' غصہ کو ضبط کرنے سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں ہے۔'' (۴)

---

(۱) مستدرک: ج ۱۲، ص ۱۱

(۲) غرر الحکم: ج ۵، ص ۳۶۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

(۴) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۲، حدیث ۱



تاریخ میں رسول اکرم ﷺ کے دور کا ایک قصہ منقول ہے کہ: ایک دیہاتی عرب، مدینہ آیا اور پیغمبر اسلام ﷺ سے وعظ و نصیحت کی درخواست کی. آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا: ''لَاتَغْضَبْ'' غصہ نہ کرنا آپؐ نے مزید کچھ نہیں کہا. وہ شخص کہتا ہے میں نے بھی اسی پر اکتفا کرلی. یہ شخص جب اپنے قبیلہ میں واپس پہونچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے قبیلہ کے بعض افراد کی نادانی اور دوسرے قبیلہ کے اموال میں تصرف کی وجہ سے دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی ہوگئی ہے جس میں کچھ لوگ زخمی بھی ہوگئے ہیں. یہ شخص اتنا سنتے ہی بے قابو ہوگیا، فوراً تلوار کھینچ لی اور جنگ پر آمادہ ہوگیا. لیکن اسی اثنا میں اسے رسول خدا ﷺ کی نصیحت یاد آگئی کہ آپ نے فرمایا تھا ''غصہ نہ کرنا'' اس لئے سوچنے لگا کہ یہ غیظ و غضب، جنگ کی تیاری اور کشت و خون کس لئے ہے؟ یہ سوچ کر وہ مخالف قبیلہ کے سردار کے سامنے آیا اور اس سے کہا کہ تمہارا جو بھی نقصان ہوا ہے میں اپنے پاس سے اس کو پورا کردوں گا اور اب مزید خونریزی کی ضرورت نہیں ہے جب مخالف قبیلہ والوں نے اس شخص کی یہ بات سنی تو ان کے غصہ کی آگ بھی ٹھنڈی ہوگئی اور انہوں نے بھی کہا: ہم بھی شرافت و مردانگی میں تم سے کم نہیں ہیں لہٰذا ہم اپنے حق سے صرف نظر کرتے ہیں. اس طرح پیغمبر اسلام ﷺ کے ایک چھوٹے سے حکیمانہ جملہ کے ذریعہ تباہ کن جنگ کی آگ خاموش ہوگئی جو عنقریب دو قبیلوں کو برباد کردیتی۔

لہٰذا غصہ کے متعلق ان روایات سے ہمیں دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں: ۱۔ غصہ کی مذمت اور برائی ۲۔ غصہ پر کنٹرول کرنے کی ستائش. لیکن کچھ روایات میں غصہ کا ایک اور پہلو بھی ملتا ہے کہ ان روایات میں غصہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہیں. لیکن جیسا کہ ان روایات میں آپ ملاحظہ کریں گے، یہ غصہ خاص مقصد کے تحت ہونا چاہئے یعنی خدا اور حق بات کے لئے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام خصوصاً اس پہلو کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''مَنْ اَحَدَّ سِنَانَ الْغَضَبِ

بِاللّٰہِ قَوِی علی قَتْلِ أشداء الْباطِلِ "" جوشخص اپنے غضب کی تلوار کو خدا کے لئے تیز کرے وہ اہل باطل کے پہلوانوں کو قتل کرنے میں مزید طاقتور ہوجاتا ہے۔"(۱)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "مَنْ شَنِیءَ الْفاسِقِیْنَ وَ غَضِبَ لِلّٰہِ غَضِبَ اللّٰہُ لَهُ وَ ارْضاہُ یَوْمَ الْقِیامَةِ"" جوشخص فاسقوں سے خدا کے لئے دشمنی کرتا ہے اور خدا کے لئے غضبناک ہوتا ہے خدا بھی اس کے لئے غضبناک ہوتا ہے اور اسے قیامت کے دن خوشنود کرتا ہے۔"(۲)

جناب ابوذرؓ کو جب شہر بدر کیا گیا اور حضرت علی علیہ السلام انہیں وداع کرنے گئے تو آپ نے فرمایا:

"یا أباذَرْ ، انَّکَ غَضِبْتَ لِلّٰہِ فارْجُ مَنْ غَضِبْتَ لَهُ انَّ الْقَوْمَ خافُوکَ علی دُنْیاهُمْ وَ خِفْتَهُمْ علیٰ دِینِکَ فاتْرُکْ فی ایدیهِمْ ماخافُوکَ عَلَیْهِ و اهْرُبْ مِنْهُمْ بِما خِفْتَهُمْ علَیْهِ فَما أحْوَجَهُمْ الی ما مَنَعْتَهُمْ و ما اغْناکَ عَمّا مَنَعُوکَ وَ سَتَعْلَمُ مَنِ الرابِحُ غَداً وَ اکْثَرُ حُسَّداً وَ لَوْ أنَّ السَّمواتِ وَ الْأرْضِیْنَ کانَتا علی عَبْدٍ رَتْقاً ثُمَّ اتَّقَی اللّٰہَ لَجَعَلَ اللّٰہُ لَهُ مِنْهُمَا مَخْرَجاً، لا یونِسُنَّکَ اَلَّا الْحَقُّ وَ یُوْحِشُنَّکَ اَلَّا الباطِلُ فلوْ قَبِلْتَ دُنْیاهُمْ لَاحَبُّوکَ وَ لَوْ قَرَضْتَ مِنْها لَأمَنُوکَ"

"اے ابوذر! تم نے خدا کے لئے غصہ کا اظہار کیا ہے تو جس کے لئے غصہ کیا ہے اسی سے امیدوار رہو یہ لوگ اپنی دنیا کے سلسلہ میں تم سے ڈر گئے اور تم اپنے دین کے سلسلہ میں ان سے خوفزدہ ہوئے۔ لہٰذا یہ جس کے لئے تم سے ڈر رہے ہیں وہ ان پر چھوڑ دو اور تم جس چیز سے ڈر رہے ہو اسے اختیار کرلو۔ تم جس چیز سے انہیں منع کر رہے ہو وہ اس کے کتنے ضرورت مند ہیں۔ اور تم کس قدر بے نیاز ہو اس چیز سے جس سے انہوں نے تمہیں روک رکھا ہے۔ عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ کل کے دن

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۸۹، حدیث ۶

(۲) بحارالانوار: ج ۶۸، ص ۳۴۸، حدیث ۱۷



(روز قیامت) کون فائدہ میں ہوگا اور کون حسد کی آگ میں جلے گا۔ جان لو کہ اگر زمین و آسمان کے دروازے کسی بندے پر بند کردئے جائیں اور وہ متقی و پرہیزگار ہو تو خداوند عالم اس کے لئے نجات کے راستے کھول دیتا ہے حق تم سے مانوس ہوگا اور باطل گریزاں تو اگر تم ان کی دنیا کو قبول کرلیتے تو وہ تمہیں دوست رکھتے اور اگر دنیا سے کچھ قرض مانگتے تو وہ تمہیں ضرور عطا کردیتے۔"(۱)

جناب موسیٰؑ اپنی ایک مناجات میں خداوند عالم سے سوال کرتے ہیں: "مَنْ اهْلُکَ الَّذی تُظِلُّهُمْ فی ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لاظِلَّ اَلّا ظِلُّکَ" خداوندا تیرے وہ کون محبوب ہیں جن کو تو اپنے اس روز عرش کے سایہ میں لے لے گا جس روز تیرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

خداوند عالم جواب دیتا ہے: "والَّذینَ یَغْضَبُوْنَ لِمَحارِمی اذا اسْتُحِلَّت مِثْلُ النَّمِرِ اذا جُرِحَ"" وہ لوگ جو جب دیکھتے ہیں کہ میرے محرمات کو حلال کیا جارہا ہے تو زخمی چیتے کی طرح غصہ سے بپھر جاتے ہیں۔"(۲)

ان روایات کے نتیجہ میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ خداوند عالم نے انسان کی سرشت میں قوۂ غضب اس لئے قرار دی ہے کہ اس کے ذریعہ دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے دین کی عظمت اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ لہٰذا اس قوت سے اس وقت ضرور استفادہ کرنا چاہئے کہ جب ہم یہ دیکھیں کہ دشمنوں کی طرف سے ہمارے دین اور ناموس پر حملہ ہو رہا ہے اور چونکہ ایک مسلمان اپنے کو خداوند عالم کی نعمتوں کا مرہون منت سمجھتا ہے اور دین خدا کے باعث اسے غیرت و عزت اور شرف کی دولت ملی ہے اس لئے حقیقت میں خدا کا دشمن اس کا دشمن ہے۔ اور خدا کے دین پر حملہ کرنے والا گویا اس کی حیثیت اور شرافت پر حملہ کرتا ہے اس لئے جب بھی دین خدا پر حملہ ہو یا شریعت الٰہیہ پر

---

(۱) بحارالانوار: ج ۲۲، باب ۱۲، حدیث ۳۰

(۲) بحارالانوار: ج ۱۳، باب ۱۱، حدیث ۴۲

تجاوز ہوتو چونکہ خداوند عالم نے مسلمانوں پر دین وشریعت کا دفاع واجب قرار دیا ہے اس لئے اپنے غضب کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔اسی لئے خداوند عالم اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ منافقین وکفار کے سلسلہ میں سختی سے کام لیں اوران کے ساتھ قہر وغضب سے پیش آئیں۔﴿یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِینَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ﴾ " اے پیغمبر،کفار ومنافقین سے جہاد کیجئے اوران پر سختی کیجئے۔"(۱)

اسی طرح قرآن مجید میں مومنین کی ایک صفت ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْکُفَّارِ﴾ "کفار کے ساتھ "سخت رویہ رکھنے والے" قرار دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِینَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ﴾ "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جولوگ ان کے ساتھ ہیں "وہ کفار کے لئے سخت ترین" اورآپس میں انتہائی رحم دل ہیں"(۲)

لیکن اپنے برادران ایمانی کے ساتھ غصہ سے پیش آنے کو مذموم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اس درس کے شروع میں پیش کردہ آیات سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ خداوند عالم نے مومنین کوآپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہرقسم کی دشمنی اورعداوت سے پرہیز کی تاکید کی ہے۔

---

(۱)سورۂ توبہ آیت ۷۳

(۲)سورۂ فتح: آیت ۲۹



## خلاصہ:

اجتماعی زندگی میں دوسروں سے رابطہ ایک لازمی چیز ہے انسانوں کے روابط اگر غصہ اور تندمزاجی کے ساتھ ہوں توسمجھ لینا چاہئے کہ اس کی وجہ کوئی معمولی مسئلہ ہے۔

مد مقابل اگر بدلہ لینے کی کوشش کرے گا تو دونوں طرف سے جنگ اور کشت وخون کی نوبت آجائے گی۔

اسلام نے اسکا یہ حل پیش کیا ہے کہ انسان ایسے حالات میں حلم اور بردباری سے کام لے۔

## سوالات:

۱۔حلم اور بردباری کے کیا معنی ہیں؟

۲۔روایات میں غصہ کوایک ذلیل اور پست صفت کیوں بتایا گیا ہے؟

۳۔حضرت علی علیہ السلام غصہ پرقابو پالینے کے سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

۴۔حضرت علی علیہ السلام نے جناب ابوذرؓ کورخصت کرتے وقت غصہ کے سلسلہ میں کیا فرمایا تھا؟

# دسواں سبق

## حلم وبردباری (۲)

### حلم وبردباری

اب جب کہ ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ غصہ صرف دشمنان خدا کے مقابلہ میں جائز ہے اور مومنین کے مقابلہ میں اس کی اجازت نہیں ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برادران ایمانی اور دوستوں کی بداخلاقیوں کے سلسلہ میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

جیسا کہ ہم نے گذشتہ سبق میں بیان کیا کہ اس سلسلہ میں اسلام حلم وبردباری اور غصہ کوضبط کرنے کی دعوت دیتا ہے اسلام کی رو سے بہت سارے اختلافات، جھگڑے اور آپسی بدگمانیاں حلم و بردباری کے ذریعہ کسی لڑائی جھگڑے، انتقام یا عدالت میں جائے بغیر ختم ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں جہاں حلم وبردباری کو مومنین کی ایک اعلی صفت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے وہیں حلم، بردباری اور غصہ کوضبط کرنے نتائج وفوائد پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں غصہ کوضبط کرنے اور لوگوں کو معاف کرنے اور ان سے درگذر کردینے کو متقین کی صفت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:



﴿وَ الْكَاظِمِيْنَ الغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾(۱)

"اور وہ لوگ جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

دوسری آیت میں خداوند عالم تاکید کررہا ہے کہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا چاہئے بلکہ اچھے طریقہ سے جواب دینا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے۔

﴿لا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَ لا السَّيِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِى هِىَ أَحْسَنُ فَاِذا الَّذى بَيْنَك وَ بَيْنَهُ عَداوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِىٌّ حَمِيمٌ وَمَايُلَقّاها اِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَ مَايُلَقّاها اِلَّا ذُوحَظٍّ عَظِيمٍ﴾(۲)

"نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی لہذا تم برائی کا جواب اس بہترین طریقہ سے دو کہ جس سے تمہاری دشمنی ہے وہ بھی ایسا ہوجائے جیسے گہرا دوست ہوتا ہے. اور یہ صلاحیت انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ بات انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔"

لہذا خداوند عالم یہ چاہتا ہے کہ صبر وتحمل کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے کہ دشمنی دوستی میں بدل جائے کیونکہ انتقام اپنے نفسانی ہیجان کی تسکین کے لئے ہوتا ہے دشمنی کو ختم کرنے کے لئے نہیں۔

روایت میں ہے کہ ایک روز کسی شخص نے حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے غلام جناب قنبر کی توہین کی، جناب قنبرؓ اس شخص کو خاموش کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھے اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: قنبرؓ ٹھہرو اس شخص کا جواب نہ دو اس طرح خدا تم سے راضی ہوگا اور شیطان ناراض اور اس طرح تم نے گویا اپنے دشمن کو سزا دے دی ہے. اس خدا کی قسم کہ جس نے دانہ کو اگایا اور انسانوں کو خلق کیا کوئی بندہ اپنے خدا کو بردباری سے بڑھ کر کسی اور طرح راضی نہیں کرسکتا اور غصہ کو ضبط کرنے سے زیادہ کسی اور طرح شیطان کو ناراض نہیں کیا جاسکتا اور نادان کو لاپرواہی کے ساتھ

---

(۱) سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۳۴

(۲) سورۂ فصلت: آیت ۳۴/۳۵

پیش آنے سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں دی جا سکتی

اب ہم دیکھیں گے کہ بردباری اور غصہ کو ضبط کرنا معصومین علیہم السلام کی نظر میں کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں جو روایتیں ہم پیش کر رہے ہیں ان میں سے ہر روایت ایک خاص زاویہ سے ان دونوں خصوصیتوں کو بیان کرتی ہے لہٰذا روایت کے معنی و مفہوم میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

## حلم و بردباری کے سلسلہ میں روایات:

حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

❁ "اَلْحِلْمُ حِجَابٌ مِنَ الْآفَاتِ" "حلم آفات کے لئے ایک پردہ ہے۔"(۱)

❁ "اَلْحِلْمُ نُوْرٌ جَوْهَرُهُ الْعَقْلُ" "بردباری ایک نور ہے کہ جس کی حقیقت عقل ہے۔"(۲)

❁ "لَا عِزَّ أَرْفَعُ مِنَ الْحِلْمِ" "بردباری سے بڑی کوئی عزت نہیں ہے۔"(۳)

❁ "تَعَلَّمُوا الْحِلْمَ فَاِنَّ الْحِلْمَ خَلِيْلُ الْمُؤْمِنِ وَ وَزِيْرُهُ" بردباری سیکھو اس لئے کہ بردباری مومن کا دوست اور اس کا وزیر ہے۔"(۴)

❁ "عَلَيْكَ بِالْحِلْمِ فَاِنَّهُ ثَمَرَةُ الْعِلْمِ" "تمہیں حلم کی سفارش کرتا ہوں اس لئے کہ وہ علم کا ثمرہ ہے۔"(۵)

---

(۱) نورالحقیقہ، ص ۲۱۳

(۲) غررالحکم، ج ۵، ص ۲۸۶

(۳) بحارالانوار، ج ۷۱، باب ۹۳، ص ۳۲

(۴) بحارالانوار، ج ۷۹، باب ۹۲، حدیث ۱۴۰

(۵) بحارالانوار، ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۳۵



❁ "مَنْ حَلُمَ سَادَ" "جس نے حلم اور بردباری اختیار کی وہ سردار بن گیا۔"(۱)

❁ "اَلسِّلْمُ ثَمَرَةُ الْحِلْمِ" "صلح و آشتی بردباری کا نتیجہ ہے۔"(۲)

❁ "اِنَّ اَوَّلَ عِوَضِ الْحَلِيْمِ مِنْ خَصْلَتِهِ اَنَّ النَّاسَ اَعْوَانُهُ عَلَى الْجَاهِلِ" "بردبار شخص کی بردباری کا پہلا بدلہ یہ ہے کہ جاہل کے مقابلہ میں لوگ اس کی حمایت کرتے ہیں۔"(۳)

❁ "مَنِ اسْتَعَانَ بِالْحِلْمِ عَلَيْكَ غَلَبَكَ وَ تَفَضَّلَ عَلَيْكَ" "جس نے تمہارے مقابلہ میں حلم و بردباری سے مدد حاصل کی وہ تم پر غالب ہو گیا۔ اور تم پر برتری بھی رکھتا ہے۔"(۴)

امام محمد تقی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

❁ "اَلْحِلْمُ لِبَاسُ الْعَالِمِ فَلَا تَعْرَيَنَّ مِنْهُ" "بردباری عالم کا لباس ہے لہٰذا اسے اتار مت دینا۔"(۵)

## غصہ کو ضبط کرنے کے سلسلہ میں روایات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں:

"مَنْ كَظَمَ غَيْظاً مَلَأَ اللّٰهُ جَوْفَهُ اِيْمَاناً" "جو غصہ کو ضبط کر لیتا ہے اللہ اسے ایمان سے مالا مال کر دیتا ہے۔"(۶)

---

(۱) بحارالانوار، ج ۷۷، باب ۸، حدیث ۱

(۲) غررالحکم، ج ۱، ص ۲۲۷

(۳) بحارالانوار، ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۲۸

(۴) غررالحکم، ج ۵، ص ۴۵۱

(۵) بحارالانوار، ج ۷۸، باب ۳، حدیث ۲

(۶) بحارالانوار، ج ۷۹، باب ۳۸، حدیث ۴۳

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ"" جواپنے غصہ کو روکتا ہے خدااس کے عیوب کو چھپاتا ہے۔" (۱)

امام محمد باقر علیہ السلام اس سلسلہ میں یہ فرماتے ہیں: "مَنْ كَظَمَ غَيْظاً وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى اِمْضَائِهِ حَشَا اللهُ قَلْبَهُ اَمْناً وَ اِيْمَاناً يَوْمَ الْقِيَامَةِ"" جوشخص قدرت وطاقت کے باوجود اپنے غصہ کوضبط کرلے قیامت کے دن خداوند عالم اس کے دل کوسکون وایمان سے بھردے گا۔" (۲)

امام جعفرصادق علیہ السلام ،پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں: "مَنْ كَظَمَ غَيْظاً وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى اِنْفَاذِهِ وَ حَلُمَ عَنْهُ اَعْطَاهُ اللهُ اَجْرَ شَهِيْدٍ"" جوشخص قدرت وطاقت کے باوجوداپنے غصہ کو پی جائے اورحلم وبردباری سے کام لے خداوند عالم اسے شہید کااجر عطافرمائے گا۔" (۳)

اسی طرح آپ پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اورحدیث نقل فرماتے ہیں:

❁ "اَحْزَمُ النَّاسِ اَكْظَمُهُمْ لِلْغَيْظِ"" سب سے زیادہ محتاط شخص وہ ہے جواپنے غصہ کوضبط کرنے پرزیادہ قادر ہو۔" (۴)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

❁ "اَلْكَظْمُ ثَمَرَةُ الْحِلْمِ"" غصہ کوضبط کرلینابردباری کانتیجہ ہے۔"

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۳، باب۱۳۲، حدیث۱۱

(۲) بحارالانوار: ج۷، باب۱۵، حدیث۶۲

(۳) بحارالانوار: ج۷۵، باب۶۶، حدیث۱۰

(۴) بحارالانوار: ج۷۱، باب۹۳، حدیث۵۵

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ حلم کیا ہے؟ توآپ نے فرمایا:

❁ "كَظْمُ الْغَيْظِ وَ مِلْكُ النَّفْسِ"" غصہ کوضبط کرلینااورنفس پراختیار رکھنا۔" (۱)

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

❁ "اِنَّهُ لَيُعْجِبُنِي الرَّجُلُ اَنْ يُدْرِكَهُ حِلْمُهُ عِنْدَ غَضَبِهِ"" میں اس شخص کوبہت پسند کرتا ہوں جس پرغصہ کے وقت حلم اوربردباری غالب آجائے۔" (۲)

روایات میں اس سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ کیادوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں غصہ کوضبط کرنااورحلم وبردباری سے کام لیناذلت نہیں ہے؟ ایک شخص امام جعفرصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کی: میرے اورایک گروہ کے درمیان ایک مسئلہ میں اختلاف ہوگیا ہے میں چاہتا ہوں کہ لڑائی نہ ہولیکن لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ لڑائی نہ کروگے توذلیل وخوار ہوجاؤگے آپ اس سلسلہ میں کیافرماتے ہیں؟ توآپ نے جواب دیا:

❁ "اِنَّمَا الذَّلِيْلُ الظَّالِمُ"" ذلیل وخواروہ ہے جوظالم ہو۔" (۳)

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ائمہ معصومین نے مومنین کے درمیان انس و محبت پیدا کرنے اورلڑائی جھگڑاختم کرنے کے لئے انہیں دوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں غصہ کو ضبط کرنے اورحلم وبردباری سے کام لینے کی تاکید کی ہے اوراس کے دنیوی اوراخروی آثارونتائج کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ دوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں حلم وبردباری اسی حدتک

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۸، باب۱۹، حدیث۲

(۲) بحارالانوار: ج۷۱، باب۹۳، حدیث۱۳

(۳) محجة البیضاء ج۵، ص۳۱۳

بہتر ہے کہ جب تک ہمارے حقوق کی پامالی نہ ہو اور اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اگر چہ اس صورت میں بھی توجہ رکھنی چاہئے کہ دوسروں کے حقوق پامال کرنے والے کو اس کام سے روکنے کے لئے صحیح راستہ لڑائی جھگڑا نہیں ہے بلکہ وہ طریقے استعمال کرنا چاہئیں جو شریعت نے ایسے لوگوں کے لئے بیان کئے ہیں۔

## اخلاق حلیمانہ

اس بحث میں ہم دوسروں کی بداخلاقیوں اور بے ادبیوں کے مقابلہ میں بزرگان دین کے کچھ اخلاقی نمونے پیش کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ بردباری کے ذریعہ حسن سلوک میں تبدیل ہونے والی بداخلاقی کیا ہوتی ہے؟ سب سے پہلے ہم حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں کہ امت کے درمیان اختلاف کی صورت میں آپ کا کردار کیا تھا؟

اوس وخزرج مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں مسلسل ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے. انہوں نے بارہا دوسرے قبیلہ کے افراد کو قتل کیا تھا لیکن جب پیغمبر اسلام ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو آپ کی آمد اور اسلام کی برکت سے ان دونوں میں صلح ہوگئی اور یہ دونوں قبیلے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سکون سے رہنے لگے. ایک دن مدینہ کے شاس بن قیس نامی ایک بوڑھے یہودی نے ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھا جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو اسے ان کا اتحاد دیکھ کر جلن ہونے لگی لہذا اس نے انہیں لڑانے کے لئے ایک چال چلی اس لئے اس نے ایک یہودی جوان سے کہا جاؤ اور ان کی مجلس میں شریک ہو جاؤ اور انہیں ''روز بعاث'' کی یاد دلا دو کہ جس دن ان دونوں قبیلوں نے آپس میں سخت جنگ کی تھی اور ان کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے تھے اس یہودی نوجوان نے ایسا ہی کیا آہستہ آہستہ دونوں طرف اس قدر جوش بڑھ گیا کہ ان پر غیظ وغضب طاری ہو گیا وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے چنانچہ دونوں طرف اسلحے



سنبھالنے کی تیاری ہونے لگی یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی اور آہستہ آہستہ بقیہ لوگ بھی اپنے اپنے قبیلے سے جا ملے جب یہ خبر پیغمبر اکرم ﷺ تک پہونچی تو آپ فوراً وہاں پہونچے اور آواز بلند خطاب کر کے فرمایا:

''يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! اللهَ اللهَ أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ أَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللهُ تَعَالَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَ أَكْرَمَكُمْ بِهِ وَ قَطَعَ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ اسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ وَ أَلَّفَ بَيْنَكُمْ تَرْجِعُونَ إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ كُفَّاراً''

''اے مسلمانو! خدارا! خدارا! کیا تم جاہلیت کی طرف پلٹ گئے ہو حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں اور اس کے باوجود کہ خداوند عالم نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اور تمہیں اسلام کی بدولت بزرگی عطا کی اور تم سے جاہلیت کو دور کیا اور تم کو اس سے نجات دی اور تمہارے درمیان الفت ومحبت قائم کردی کیا تم پھر دوبارہ اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟''

پیغمبر اسلام ﷺ کی تقریر سنتے ہی دونوں طرف کے افراد ہوش میں آگئے اور ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا انہوں نے اپنی تلواریں پھینک دیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے حضور ندامت کا اظہار کیا اور آپ کی پیروی کا اعلان کیا اس طرح اس یہودی کے برپا کردہ فتنہ کی آگ خاموش ہوگئی۔

رسول اسلام ﷺ کے زمانہ کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ایک دیہاتی عرب مدینہ آیا اور رسول خدا ﷺ سے کچھ پیسے لینے کے لئے مسجد میں پہونچا جس وقت وہ مسجد میں پہونچا رسول اسلام ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اس عرب نے اپنی حاجت بیان کی اور رسول اسلام ﷺ نے اسے کچھ پیسے دئے لیکن وہ دیہاتی قانع نہیں ہوا اور اس نے آپ کی شان میں جسارت کی اور برا بھلا کہنے لگا اصحاب پیغمبر ﷺ کو غصہ آگیا اور انھوں نے اسے روکنا چاہا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے منع کر دیا. پھر پیغمبر اسلام ﷺ اس کو اپنے گھر لے گئے اور اس کی کچھ اور مدد کی. اعرابی تو یہ سمجھتا تھا کہ پیغمبر ﷺ بادشاہوں کی طرح رہتے ہوں گے مگر جب اس نے قریب

سے آپ کی زندگی کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ غلط سوچتا تھا اس لئے کہ آپ کی زندگی بہت سادہ اور معمولی تھی یہ دیکھ کر وہ نادم ہوا اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کا شکریہ ادا کیا پیغمبر اسلام ﷺ نے اس سے فرمایا:

﴿اَخْشیٰ عَلَیْکَ الْاَذیٰ مِمَّنْ سَمِعَ مَقَالَتَکَ لِیْ فِی الْمَسْجِد فلوْاظْهَرْتُ رَضَاکَ﴾

تم نے کل میرے اصحاب کے درمیان مجھے برا بھلا کہا تھا لیکن آج تنہائی میں میرا شکریہ ادا کر رہے ہو مجھے ڈر ہے کہیں وہ تمہیں پریشان نہ کریں یہ تشکر ان کے سامنے ہوتا تو مناسب تھا۔ اس اعرابی نے حضرت کی بات کو قبول کیا اگلے دن آنحضرت ﷺ اس اعرابی کو ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے اور اصحاب کے درمیان فرمایا: یہ شخص ہم سے راضی ہوگیا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ اعرابی نے آپ کی تصدیق کی اور پھر اس مجمع کے سامنے آپ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر پیغمبر اسلام ﷺ نے اصحاب کو خطاب کر کے فرمایا: میری اور اس شخص کی مثال اس آدمی جیسی ہے کہ جس کا اونٹ بھڑک کر بھاگ رہا تھا اور لوگ اونٹ والے کی مدد کے لئے اونٹ کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور چلا رہے تھے لیکن اس شور و غل سے وہ اور زیادہ بھاگتا تھا اس لئے اونٹ والے نے لوگوں سے کہا آپ میری مدد نہ کریں اسے پکڑنے کے لئے میں خود کوئی تدبیر کرلوں گا۔ پھر اس نے تھوڑی سی گھاس اٹھائی اور بغیر کسی شور و غل کے وہ گھاس اس اونٹ کے سامنے رکھ دی جب اونٹ گھاس کھانے میں مشغول ہوا تو بڑی آسانی سے اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اپنی راہ پر چل پڑا۔ اگر میں نے تم کو کل منع نہ کیا ہوتا تو یہ شخص تمہارے ہاتھوں بڑی بری طرح مار کھاتا لیکن میں نے نرمی سے اسے رام کرلیا۔

تیسرا نمونہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ سے متعلق ہے۔ ایک روز ایک شامی نے آپ کو سواری پر دیکھا۔ دیکھتے ہی آپ پر لعن طعن کرنے لگا۔ آپ بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا جب وہ خاموش ہوگیا تو حضرت اس کے پاس گئے اسے سلام کیا مسکرائے اور فرمایا:



﴿اَیُّهَا الشَّیْخُ اَظُنُّکَ غَرِیْباً لَوْسَئَلْتَنَا اَعْطَیْنَاکَ وَلَوِاسْتَرْشَدْتَنَا اَرْشَدْنَاکَ وَاسْتَحْمَلْتَنَا حَمَلْنَاکَ وَاِنْ کُنْتَ جَائِعاً اَطْعَمْنَاکَ وَاِنْ کُنْتَ مُحْتَاجاً اَغْنَیْنَاکَ وَاِنْ کُنْتَ طَرِیْداً آوَیْنَاکَ﴾

''اے شیخ میرے خیال سے تم مسافر ہو (اور تمہیں کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے) اگر تمہیں کوئی سوال ہو تو بتاؤ تاکہ میں پورا کردوں۔ اگر تمہیں رہنمائی کی ضرورت ہے تو تمہاری رہنمائی کروں، مدد کی ضرورت ہے تو تمہاری مدد کروں، بھوکے ہو تو تمہیں سیر کروں اگر لباس کی ضرورت ہو تو لباس دوں گا، آوارہ وطن ہو تو تمہیں پناہ دوں گا یا کوئی اور حاجت ہو تو پوری کروں گا۔'' جب اس شخص نے آپ کے نرم کلام اور بردبارانہ اخلاق کو دیکھا تو شرمندہ ہوا اور رونے لگا۔ اور بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین پر خلیفہ الٰہی ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے آپ اور آپ کے والد اب تک میری نظر میں سب سے برے انسان تھے۔ لیکن اب میرے نزدیک محبوب ترین خلق خدا آپ لوگ ہیں۔ اس طرح امام حسن علیہ السلام نے اپنے نرم رویہ اور حلیمانہ اخلاق کے ذریعہ اپنے ایک متعصب ترین دشمن کو جو بنی امیہ کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے آپ سے کینہ و دشمنی رکھتا تھا اپنا دوست اور محبوب بنالیا۔

## خلاصہ:

سماجی اور آپسی روابط اور تعلقات کے سلسلہ میں اولیاء الٰہی نے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔

خاص طور سے حلم و بردباری، غصہ پر قابو اور برائی کے بدلے میں دشمنوں پر احسان کر کے انہوں نے اخلاقی اقدار کو مزید بلندیاں عطا کی ہیں۔

بیشک انسانی زندگی میں حلم و بردباری کا بہت ہی اہم کردار ہے۔

## سوالات:

۱۔ سماجی زندگی میں حلم و بردباری کے کیا آثار ہیں؟

۲۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے حلم کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں کیوں تاکید کی ہے؟

۳۔ حلم اور غصہ کو ضبط کرنے کے درمیان کیا رابطہ ہے؟

۴۔ حلم کے سلسلہ میں تاریخ و سیرت سے چند نمونے پیش کیجئے۔

# گیارہواں سبق

## عفو اور چشم پوشی

گذشتہ دروس سے ہمیں یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ برا سلوک کرے تو اسلام کی نگاہ میں اس کا بہترین علاج حلم و بردباری اور ضبط و تحمل ہے. اب یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ بردباری اور نرم دلی کا لازمہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں انسان معافی تلافی سے کام لے اور مقابل کی غلطی کو معاف کردے لہٰذا اس سبق میں ہم عفو و درگذشت کی وضاحت کریں گے۔

عفو اور بخشش کو اسلامی اخلاقیات اور سماجیات میں اہم رکن قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے نویں سبق میں بیان کیا ہے کہ ہر معاشرہ میں عموماً مختلف اسباب کی بنا پر بعض لوگوں کے حقوق پامال ہو جاتے ہیں جیسے کسی کا مذاق اڑانا، کسی کی توہین کرنا وغیرہ. اور یہ بھی بالکل صاف بات ہے کہ اس طرح کے اکثر حقوق بہت معمولی اور عام ہوتے ہیں جیسے کسی کے آرام میں خلل ڈالنا، دوسرے کے نمبر پر آگے بڑھ کر خود کوئی چیز لے لینا وغیرہ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ اگر ایسے حالات میں کوئی شخص سو فیصد اپنے تمام حقوق حاصل کرنا چاہے اور ذرہ برابر چشم پوشی اور خندہ پیشانی سے کام نہ لے تو سماج کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور ہمیں ہر روز نئے نئے جھگڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا جس کی بنا پر سب کی زندگی تلخ ہو کر رہ جائے گی اس لئے اسلام میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ ایسے حالات میں صبر و تحمل سے کام لیکر دوسروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کریں اور حتی الامکان ان کو معاف بھی کردیں۔

قرآن مجید میں رب کریم نے متعدد آیات میں مومنین کرام کو ایک دوسرے کی خطاؤں

سے درگذر کرنے اور انہیں معاف کرنے کی خاص تاکید کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ ''آپ عفو کا راستہ اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں۔''(۱)

ایک دوسرے کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ طریقۂ کار اتنا عام ہو جائے کہ ہر شخص عفو و درگذشت کو اپنی خاص عادت بنا لے اور اس پر اسے اتنا کنٹرول ہو کہ جہاں بھی مناسب ہو وہ عفو سے کام لے، نہ یہ کہ جب دل چاہے معاف کر دے اور جب دل نہ چاہے معاف نہ کرے۔

اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت ہے کہ ''سَأَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرائیل عَنْ ذالک فقال لاأدری حتّیٰ اسئلَ الْعَالِمِ ثُمَّ اَتَاهُ فَقال يَامُحَمَّدُ اِنَّ اللهَ يَأمُرُکَ اَنْ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمک وتُعْطِی مَنْ حَرَمَکَ وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَکَ'' ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جبرئیل سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے لہذا میں خداوند عالم سے دریافت کر کے آپ کو بتا سکتا ہوں. اس کے بعد وہ آسمان پر گئے اور دوبارہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خداوند عالم نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جو بھی آپ پر ظلم کرے اسے معاف کر دیں اور جو آپ کو محروم رکھے اسے عطا فرمائیں اور جو آپ سے رابطہ توڑ لے اس سے رابطہ برقرار رکھیں۔''(۲)

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں عفو اور درگذشت کو متقین کی بہترین صفت قرار دیا گیا ہے ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (پرہیزگار اور متقین وہ افراد ہیں) ''جو غصہ کو

---

(۱) سورۂ اعراف: آیت ۱۹۹

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۴



پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔''(۱)

دیگر آیتوں میں بھی دشمن سے انتقام لینے کے بجائے اسے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معاف کرنے والوں کو رحمت الٰہی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

﴿وَ الْيَعْفُوْا وَ الْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ ''ہر ایک کو معاف کرنا چاہئے اور درگذر کرنا چاہئے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخش دے اور اللہ بیشک بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔''(۲)

﴿وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ ''اور اگر انہیں معاف کر دو اور ان سے درگذر کرو اور انہیں بخش دو تو اللہ بھی بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔''(۳)

معصومین علیہم السلام کی احادیث میں بھی عفو اور درگذشت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگذر کریں اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''اِنَّ اللهَ عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفْوَ'' ''خدا بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اور بہت زیادہ معاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''(۴)

☆ ''مَنْ أَقَالَ مُسْلِماً عَثْرَتَهُ أَقَالَ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ''جو شخص کسی مسلمان کی غلطی کو معاف کر دے گا تو خداوند عالم بھی روز قیامت اس کی غلطیوں کو معاف کر دے گا۔''(۵)

☆ ''عَلَيْكُمْ بِالْعَفْوِ فَاِنَّ الْعَفْوَ لَا يَزِيْدُ الْعَبْدَ اِلَّا عِزّاً فَتَعَافَوْا يُعِزُّكُمُ اللهُ'' ''عفو اور بخشش سے کام لو کیونکہ معاف کرنے سے انسان کی عزت ہی بڑھتی ہے لہٰذا لوگوں

---

(۱) سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۴

(۲) سورۂ نور آیت ۲۲

(۳) سورۂ تغابن. آیت ۱۴

(۴) کنز العمال: ج ۳، ص ۳۷۳، حدیث ۷۰۰۵

(۵) کنز العمال ج ۳ ص ۳۷۶، حدیث ۷۰۱۹

کی غلطیوں کو معاف کرو خدا تمہیں باعزت قرار دے گا۔'' (۱)

☆ ''مَنْ کَثُرَ عَفْوُهُ مُدَّ فِی عُمْرِهِ'' ''جس کے یہاں بخشش اور معافی کی کثرت ہوتی ہے اس کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔'' (۲)

☆ ''اَلْعَفْوُ تَاجُ الْمَکَارِمِ'' ''معاف کرنا اچھائیوں کے سر کا تاج ہے۔'' (۳)

☆ ''شَیْئَانِ لَا یُوْزَنُ ثَوَابُهُمَا الْعَفْوُ وَ الْعَدْلُ'' '' دو چیزوں کے ثواب کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے ایک عفو و درگذشت دوسرے عدل۔'' (۴)

☆ ''شَرُّ النَّاسِ مَنْ لَایَعْفُوْ عَنِ الزَّلَّةِ وَ لَایَسْتُرُ الْعَوْرَةَ'' ''سب سے برا انسان وہ ہے جو کسی کی غلطی کو معاف نہ کرے اور دوسروں کے عیوب اور برائیوں پر پردہ نہ ڈالے۔'' (۵)

☆ ''قِلَّةُ الْعَفْوِ اَقْبَحُ الْعُیُوْبِ وَ التَّسَرُّعُ اِلَی الْاِنْتِقَامِ اَعْظَمُ الذُّنُوْبِ'' ''عفو درگذر کی قلت بدترین برائی ہے اور انتقام لینے میں جلد بازی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔'' (۶)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس سلسلے میں فرمایا ہے: ''اَلنَّدَامَةُ عَلَی الْعَفْوِ اَفْضَلُ وَ اَیْسَرُ مِنَ النَّدَامَةِ عَلَی الْعُقُوْبَةِ'' ''معاف کرنے کے بعد شرمندہ ہونا انتقام اور بدلہ لیکر نادم ہونے سے بہت بہتر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اِنَّا اَهْلُ الْبَیْتِ مُرُوَّتُنَا الْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَنَا'' '' ہم اہلبیت کی (شان) یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دیتے ہیں۔'' اسی طرح آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: ''ثَلَاثٌ مِنْ مَکَارِمِ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ تَعْفُوْا عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَتَحْلُمُ اِذَا جُهِلَ عَلَیْکَ''

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۵
(۲) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۷۴
(۳) غررالحکم: ص ۲۲۵
(۴) غررالحکم: ص ۴۳۶
(۵) بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶
(۶) غررالحکم ص ۴۶۵



''تین چیزیں اخلاق دنیا اور آخرت کے اعلی ترین اقدار میں سے ہیں۔'' (۱) یہ کہ جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔ (۲) جو تم سے رابطہ توڑ لے اس سے تعلق برقرار رکھو۔ (۳) جو تمہارے ساتھ نادانی کرے اس سے بردباری سے پیش آؤ۔ (۱)

## عفو و درگذشت کا فرق

عفو اور درگذشت کے بارے میں معصومین علیہم السلام کی بعض روایات سے واقفیت کے بعد اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ اسلامی کتابوں میں لفظ عفو کے علاوہ لفظ ''صفح'' بھی آیا ہے جیسا کہ آپ نے آغاز درس میں آیات کے ترجمہ میں ملاحظہ فرمایا کہ وہاں ہم نے صفح کا ترجمہ چشم پوشی (بالکل نظر انداز) کرنا کیا ہے اگر چہ یہ دونوں الفاظ معاف کرنے اور چشم پوشی کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن ''صفح'' کے معنی ''عفو'' کے معنی سے قدرے مختلف ہیں صفح کا مطلب ہے کسی کی غلطی کو اصلاً نظر انداز کر دینا اور اسے ان دیکھا قرار دینا لہٰذا اگر کسی کی غلطی ثابت ہو جانے کے بعد اسے ہم سزا نہ دیں تو اس کو عفو اور بخشش کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی غلطی کو بالکل نظر انداز کر دیں اور اس پر اصلاً توجہ نہ کریں کہ جیسے اس نے کوئی غلطی ہی نہیں کی کہ اسے سزا دی جاتی تو اس کو صفح کہتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عفو خطا کو معاف کر دینا ہے اور صفح یعنی غلطی کو قابل توجہ اور گرفت کے لائق قرار نہ دینا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں عفو کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ جَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهُ لَایُحِبُّ الظَّالِمِیْنَ﴾ ''اور ہر برائی کا بدلہ اس کے جیسا ہوتا ہے پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ یقیناً ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے''۔ (۲)

دوسری آیت میں صفح (چشم پوشی) کے بارے میں یہ ارشاد ہے: ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلَامٌ﴾

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۴، حدیث ۳
(۲) سورۂ شوریٰ: آیت ۴۰

"لہذا ان سے درگذر کیجئے اور سلامتی کا پیغام دے دیجئے۔"(۱)

ایک اور مقام پر ان الفاظ میں صفح کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾
"لہذا آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگذر کردیں۔"(۲)

سب سے پہلی آیت میں خداوند عالم نے ہر برے کام کی سزا معین کی ہے لیکن پھر معاف کرنے کی تاکید کی ہے لہذا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ عفو اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی برائی یا جرم ثابت ہوجائے لیکن سزا نہ دی جائے لیکن کلمۂ صفح والی دونوں آیتوں میں پروردگار عالم، پیغمبر اکرم ﷺ کو مسالمت آمیز انداز میں چشم پوشی، اور مشرکین کی خطاؤں کو بیان کئے بغیر ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دے رہا ہے امام رضا علیہ السلام نے ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "العفوُ منْ غیرِ عتابٍ" "ایسی معافی جس میں کسی قسم کی تنبیہ اور سرزنش نہ کی جائے۔"(۳)

## انتقام کی طاقت کے باوجود معاف کردینا

عفو اور بخشش کے بارے میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عفو اس جگہ قابل قدر ہے جہاں انسان انتقام کی طاقت رکھتا ہو لیکن اگر اپنی کمزوری کی بنا پر انتقام نہ لے سکے بلکہ اسے معاف کردے تو یہ نہ صرف یہ کہ کوئی لائق تعریف نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اس کی بنا پر اس کے دل میں کینہ پیدا ہوجائے جس سے غیبت، جھوٹ، تہمت، اور حسد وغیرہ جیسے دوسرے گناہ جنم لے لیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مومنین کو معافی تلافی کا حکم دینے کے باوجود انھیں مظلوموں اور کمزوروں کے حقوق کا دفاع کرنے کا حکم بھی دیا ہے تاکہ کوئی شخص کسی کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنی کمزوری کی بنا پر اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے

---

(۱) سورہ زخرف آیت ۸۹
(۲) سورہ حجر آیت ۸۵
(۳) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۵۶



مجبور ہوجائے اور اس کے بدلے اپنے دل میں ظالم کا کینہ بھرلے جس کے نتیجہ میں اسلامی سماج سے خلوص اور صفا و صمیمیت کا خاتمہ ہوجائے۔

اسلامی روایات میں انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے کسی کو معاف کردینے کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں:

پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ عَفَا عِنْدَ قُدْرَةٍ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَ الْعَثْرَةِ"
"انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود جو کسی کی خطا کو معاف کردے خداوند عالم روز قیامت اس کے گناہ معاف کردے گا۔"(۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَوْلَى النَّاسِ بِالْعَفْوِ اَقْدَرُهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ" "لوگوں میں سب سے زیادہ معاف کرنے کا حقدار وہ ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے کی طاقت رکھتا ہو۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: "اِذَا قَدَرْتَ عَلٰى عَدُوِّكَ فَاجْعَلِ الْعَفْوَ عَنْهُ شُكْرًا لِلْقُدْرَةِ عَلَيْهِ" "جب تم اپنے دشمن پر تسلط حاصل کرلو تو اس پر تسلط کے شکرانہ میں اسے معاف کردو۔"(۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَلْعَفْوُ زَكَاةُ الْقُدْرَةِ" "معاف کردینا قدرت کی زکوٰۃ ہے۔"(۴)

امام حسن علیہ السلام نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّ اَعْفَى النَّاسِ مَنْ عَفَى عِنْدَ قُدْرَتِه"
"سب سے بڑا عفو و درگذر کرنے والا وہ ہے جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کردے۔"(۵)

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "اَلْعَفْوُ عِنْدَ الْقُدْرَةِ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْمُتَّقِيْنَ"
"انتقام کی طاقت اور قوت ہوتے ہوئے بھی کسی کو معاف کردینا انبیاء اور متقین کی سنت و سیرت ہے۔"(۶)

---

(۱) کنز العمال ج ۳، ص ۳۷۷
(۲) بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۴۲۰
(۳) بحار الانوار ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۷۶
(۴) غرر الحکم ص ۳۴۲
(۵) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۴۱
(۶) بحار الانوار ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶۲

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی فتح یعنی "فتح مکہ" میں اسلامی لشکر قدرت وطاقت کی بلندیوں پر پہونچ چکا تھا اور اس کے مقابل مشرکین بالکل ذلیل وخوار اور شکست خوردہ تھے اسی دوران جب اسلامی لشکر مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو لشکر کے سپہ سالار جناب سعد بن عبادہ کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا: "اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْیَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ" "آج لڑائی کا دن ہے آج تو عورتوں کو بھی قید کرلیا جائے گا۔" (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم جا کر سعد بن عبادہ سے لشکر کا علم لے لو اور انہیں علمبرداری سے معزول کردو۔

پھر آپ نے فرمایا: بل اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ "نہیں نہیں بلکہ آج رحمت وبخشش کا دن ہے"

## عفو کے مواقع

عفو وبخشش کے بارے میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عفو وبخشش کا موقع ومحل کیا ہے؟ اور کب اور کس کو معاف کیا جائے اور کسے معاف نہ کیا جائے لہذا ان مواقع کی شناخت بھی بہت اہم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ذاتی معاملات میں معاف کردینا اچھی بات ہے مگر دوسروں کے بارے میں یا سماجی اور خدائی معاملات میں کسی کو معاف کرنا قطعاً درست نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو معاف کرنے میں پورے معاشرے کا ہی فائدہ ہو اسی طرح اگر کسی نے حقوق خدا کو ضائع کیا ہے اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کر گیا ہے تو اس کو صرف اور صرف، نبی خدا، یا ان کا جانشین وہ بھی اذن الہی کے ذریعہ معاف کرسکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ عفو وبخشش کا نمونہ تھے مگر جس مقام پر سماجی حقوق ضائع ہو رہے ہوں وہاں آپ قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ جناب ام سلمہؓ کی کنیز کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ اس نے ایک دن چوری کرلی تو جن لوگوں کا مال چوری ہوا تھا انھوں نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ اس کنیز کو سزا دی جائے۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ج ۱۷ ص ۲۷۲



جب کہ جناب ام سلمہؓ نے اس کی سفارش کرنا چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو حدود الہیہ میں سے ہے اور حدود الہیہ میں کسی قسم کی ڈھیل نہیں دی جاسکتی اس کے بعد کنیز کو سزا دینے کا حکم صادر فرمادیا۔

اسی طرح جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ آپ کے ایک گورنر نے بیت المال کا غلط استعمال کیا ہے تو آپ نے اسے مندرجہ ذیل سخت جملے فرمادیا۔

فَاتَّقِ اللّٰهَ وَارْدُدْ اِلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ اَمْوَالَهُمْ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ ثُمَّ اَمْکَنَنِی اللّٰهُ مِنْکَ لَاُعْذِرَنَّ اِلَی اللّٰهِ فِیْکَ وَلَاَضْرِبَنَّکَ بِسَیْفِی الَّذِیْ مَا ضَرَبْتُ بِهٖ اَحَدًا اِلَّا دَخَلَ النَّارَ وَوَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَعَلَا مِثْلَ الَّذِیْ فَعَلْتَ مَا کَانَتْ لَهُمَا عِنْدِیْ هَوَادَةٌ وَلَا ظَفِرَا مِنِّیْ بِاِرَادَةٍ حَتّٰی آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُمَا وَاُزِیْحَ الْبَاطِلَ عَنْ مَظْلَمَتِهِمَا" خداوند عالم سے ڈرو اور ان لوگوں کے اموال انہیں واپس کردو کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور خدا نے تمہارے اوپر مجھے اختیارات دیدئے تو میں تمہیں اپنی اس تلوار سے ماروں گا جس سے میں نے جس کسی کو بھی قتل کیا ہے وہ سیدھا واصل جہنم ہی ہوا ہے اور خدا کی قسم! اگر حسنؑ وحسینؑ بھی تمہاری طرح یہ کام کرتے تو میں ان کی بھی کوئی طرفداری نہ کرتا اور وہ میرے ذریعہ اپنے مقصد تک نہیں پہونچ سکتے تھے یہاں تک کہ میں ان دونوں سے صاحبان حق کا حق واپس لے لیتا اور جو تجاوز اور ظلم کیا ہوتا اسے مٹا دیتا۔ (۱)

لہذا عفو وبخشش صرف ذاتی معاملات میں قابل ستائش ہے لیکن خدا یا دوسروں کے حقوق میں ہمیں کسی کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت میں بھی اس سلسلہ میں کسی قسم کی رعایت کا سراغ نہیں ملتا۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عفو وبخشش صرف اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں معاف کئے

---

(۱) نہج البلاغہ، ص/۴۱۳، مکتوب/۴۱

# بارہواں سبق

## انصاف

عدل وانصاف بھی اسلام کے اخلاقی اور سماجی نظام کے ارکان میں اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے [معاشرہ اور سماج میں انصاف قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کو بھی ہم عدل و انصاف سمجھتے ہیں اس پر عمل کریں چاہے وہ ہمارے لئے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔

معاشرہ اور سماج کو صحیح طریقہ سے چلانے اور سب کے حقوق ادا کرنے کے لئے کچھ ایسے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے جن کے مطابق اس نظام کو چلایا جا سکے. اور یہ قوانین ایسے ہونا چاہئے جن میں معاشرے کے مختلف افراد کے درمیان کسی تفاوت اور امتیاز کا خیال نہ رکھا جائے اور ایسا نہ ہو کہ اگر کچھ لوگ بعض قوانین کو اپنے فائدے میں دیکھیں تو ان پر عمل کرتے رہیں اور جس دن انہیں نقصان ہونے لگے تو ان قوانین کو تبدیل کر دیں۔

ہر معاشرہ کی اصل مشکل یہی ہے کہ لوگ حق کی بات تو بہت زور وشور سے کرتے ہیں لیکن عمل کرتے وقت خاص طور سے جب کہ وہ ان کے خلاف ہو اس پر عمل کرنے کے بجائے کسی نہ کسی طریقہ سے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے: "فَالْحَقُّ أَوْسَعُ الأَشْيَاءِ فِي التَّوَاصُفِ وَ أَضْيَقُهَا فِي التَّنَاصُفِ" "تعریف وتوصیف کرنا ہو تو حق سے وسیع وعریض کوئی میدان نہیں اور اگر انصاف کرنے کا مرحلہ آجائے اور (اس پر عمل کرنا پڑے) تو پھر حق سے محدود اور



چھوٹی کوئی چیز نہیں ہے۔"(۱)

یعنی لوگ عام طور پر ایسے ہوتے ہیں کہ حق کی بات کرتے وقت تو بہت لمبی لمبی ڈینگیں ماریں گے لیکن جب کسی کا حق ادا کرنے کی باری آتی ہے تو پھر کسی نہ کسی بہانے سے جان بچاتے پھرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مشکل سے ادا کرتے ہیں۔

اسی بنا پر اسلامی کتابوں میں عدل وانصاف کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور معاشرہ میں عدالت کی ترویج کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

قرآن مجید کی آیات میں عدل وانصاف کے ایک بہت ہی نازک مرحلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب اکثر لوگوں کو اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے بارے میں عدل وانصاف کرنا پڑتا ہے تو ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں. جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَا قُلْتُم فَاعْدِلُوْا وَ لَو كَانَ ذَاقُرْبىٰ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوا ذٰلِكُمْ وَصّٰاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ "اور جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ، چاہے اپنے اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور عہد خدا کو پورا کرو کہ پروردگار نے تمہیں اس کی وصیت کی ہے کہ شاید تم عبرت حاصل کر سکو۔"(۲)

دوسری آیت میں خداوند عالم یوں ارشاد فرما رہا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوا قَوَّامِينَ بِالقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَ لَو عَلىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الوَالِدَيْنِ وَ الأَقْرَبِيْنَ اِنْ يَكُنْ غَنِياً أَو فَقِيراً فَاللّٰهُ أَولىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوىٰ أَن تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوُوْا أَو تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعمَلُونَ خَبِيْراً﴾

"اے ایمان والو! عدل وانصاف کے ساتھ قیام کرو اور اللہ کے لئے گواہ بنو چاہے اپنی ذات یا اپنے والدین اور اقرباء ہی کے خلاف کیوں نہ ہو جس کے لئے گواہی دینا ہے وہ غنی ہو یا فقیر،

---

(۱) نہج البلاغہ: ص۳۳۲، خطبہ ۲۱۶

(۲) سورۂ انعام: آیت ۱۵۲

اللہ دونوں کے لئے تم سے اولیٰ ہے لہٰذا خبردار خواہشات کا اتباع نہ کرنا تا کہ انصاف کر سکو اور اگر توڑ مروڑ سے کام لیا یا بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔‘‘(۱)

اس آیت میں خداوند عالم نے عدل وانصاف کی رعایت کرنے کے علاوہ دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے. پہلے یہ کہ عدل وانصاف کرتے وقت ممکن ہے کہ خود تمہارا یا تمہارے عزیزوں کا نقصان ہو جائے لہٰذا ایسے میں اپنے یا اپنے عزیزوں کے ذاتی فائدے کے لئے عدل وانصاف کو اپنے پاؤں تلے نہ روند ڈالنا. دوسرے یہ کہ فیصلہ کرتے وقت ہم سامنے والے کی حیثیت کا خیال کرلیتے ہیں مثلاً کسی فقیر پر رحم کھا کر اسے کوئی چیز دے دیں اور ممکن ہے کہ وہ اس کا حقدار نہ ہو۔ یا مالداروں اور رئیسوں کی دولت کی لالچ میں ان کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں. اور وہ اس کے حقدار نہ ہوں لہٰذا آیت میں اس بات کی طرف خاص ہدایت دی گئی ہے کہ خبردار کسی کی دولت یا غربت کی بنا پر حق کو ناحق قرار نہ دیدینا۔

اسی مضمون کو خداوند عالم نے دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿یا أیُّها الّذین آمَنُوا کُونُوا قوّامین للّٰه شُهداء بالقسط وَ لا یَجرِمَنَّکُم شَنَآنُ قَومٍ علیٰ ألاّ تعدِلُوا، اعْدِلُوا هُوَ أقرَبُ لِلتَّقوی و اتَّقُوا اللّٰه إنَّ اللّٰهَ خَبیرٌ بِمَا تَعمَلُونَ﴾

’’ایمان والو! خدا کے لئے قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور خبردار کسی قوم کی عدوات تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف کو ترک کردو، انصاف کرو کہ

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۱۳۵



یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔‘‘(۱)

اس آیت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کی وجہ سے تم حق کے راستہ سے منحرف نہ ہو جانا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی دوسرے کی برائیوں کی وجہ سے خود بھی انتقام کی خاطر عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے اور ایسے مرحلہ پر عدالت سے کام لینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے بے شمار احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے ہم بعض احادیث یہاں ذکر کر رہے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ’’أعْدَلُ النَّاسِ مَنْ رَضِیَ لِلناسِ مَا یَرْضیٰ لنفْسِهِ وَ کَرِهَ لَهُمْ مَا یَکْرهُ لِنَفْسِهِ‘‘ ’’سب سے بڑا عادل وہ ہے جو اپنے لئے جو پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہو اسے دوسروں کے لئے بھی ناپسند رکھے۔‘‘(۲)

اس طرح آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: ’’مَنْ واسَی الْفَقِیْرَ وَأنْصَفَ النَّاسَ مِنْ نفْسِهِ فَذٰلِکَ الْمُؤمِنُ حَقًّا‘‘ ’’جو شخص غریبوں کی امداد کرے اور اپنے بارے میں لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لے وہ حقیقی مومن ہے۔‘‘(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے انصاف کو عزت وسربلندی کا باعث قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ’’مَنْ یُنْصِفُ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ لَمْ یَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا عِزّةً‘‘ ’’اپنے بارے میں جو

---

(۱) سورۂ مائدہ آیت ۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۵

لوگوں کے ساتھ انصاف کرے گا خداوند عالم اس کی عزت میں اضافہ فرمائے گا۔"(۱)

سبق کے شروع میں انصاف کی جو تعریف بیان کی گئی تھی اس کے مطابق آپ مندرجہ ذیل روایت میں عدل و انصاف کے مصادیق کو بخوبی پہچان سکتے ہیں. حضرت علی علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے۔

"یا بُنَیَّ اجْعَلْ نَفْسَکَ مِیْزَاناً فِیْما بَیْنَکَ وَ بَیْنَ غَیْرِکَ فَاَحْبِبْ لِغَیْرِکَ ما تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَ اکْرَهْ لَهُ ما تَکْرَهُ لَهَا وَ لا تَظْلِمْ کَما لا تُحِبُّ اَنْ تُظْلَمَ وَ اَحْسِنْ کَما تُحِبُّ اَنْ یُحْسَنَ اِلَیْکَ وَ اسْتَقْبِحْ مِنْ نَفْسِکَ ماتَسْتَقْبِحُ مِنْ غَیْرِکَ وَ ارْضَ مِنَ النّاسِ ما تَرْضاهُ لَهُمْ مِنْ نَفْسِکَ وَ لا تَقُلْ ما لا تَعْلَمُ وَ قُلْ ما تَعْلَمُ وَ لا تَقُلْ ما لا تُحِبُّ اَنْ یُقالَ لَکَ"

"بیٹا دیکھو! اپنے اور غیر کے درمیان، میزان اپنے نفس کو قرار دو اور دوسرے کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کر سکتے ہو اور اس کے لئے بھی وہ بات ناپسند کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو. کسی پر ظلم نہ کرنا کہ اپنے اوپر ظلم پسند نہیں کرتے ہو اور ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنا جس طرح چاہتے ہو کہ سب تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کریں اور جس چیز کو دوسرے سے برا سمجھتے ہو اسے اپنے لئے بھی برا ہی تصور کرنا لوگوں کی اُس بات سے راضی ہو جانا جس سے (اپنی جس بات سے) لوگوں کو راضی کرنا چاہتے ہو بلا علم کوئی بات زبان سے نہ نکالنا اور وہی کہنا جو جانتے ہو۔ اور کسی کے بارے میں وہ بات نہ کہنا جو اپنے بارے میں پسند نہیں کرتے ہو۔"(۲)

متعدد روایات میں انصاف کو "اِنْصافُ النّاسِ مِنَ النَّفْسِ" سے تعبیر کیا گیا ہے انصاف کے یہ معنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں گذر چکے ہیں اور اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے ایک

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۲۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۲۱



مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھو تو خود کو اس کی جگہ سمجھو اور اس وقت اپنے کو جس چیز کا حقدار سمجھو دوسروں کو بھی اسی کا حقدار قرار دو اور دوسروں کے لئے جس سزا اور تنبیہ کا انتخاب کرو اپنے لئے بھی اس کو منتخب کرو. ایسا نہ ہو کہ ہر جگہ تم اپنے کو ہی حقدار سمجھتے رہو اور جب کسی غلطی پر تمہاری پکڑ کی جائے تو کسی طرح عذر تراشی اور تاویل کر کے اپنی جان بچالو۔

اس وضاحت سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو مولائے کائنات علیہ السلام نے جو وصیت کی ہے وہ در حقیقت "انصاف الناس من النفس" کی تفسیر ہے۔

اسی طرح آپ نے جناب مالک اشتر کے نام اپنے مشہور فرمان میں یہ تحریر فرمایا ہے: "اَنْصِفِ اللهَ وَ انْصِفِ النّاسَ مِنْ نَفْسِکَ وَ مِنْ خاصَّةِ اَهْلِکَ وَ مَنْ لَکَ فِیهِ هَوىً مِنْ رَعِیَّتِکَ فَاِنَّکَ اِلَّا تَفْعَلْ تَظْلِمْ وَ مَنْ ظَلَمَ عِبادَ اللهِ کانَ اللهُ خَصْمَهُ دُونَ عِبادِهِ وَ مَنْ خاصَمَهُ اللهُ اَدْحَضَ حُجَّتَهُ وَ کانَ لِلّهِ حَرْباً حَتّی یَنْزِعَ وَ یَتُوبَ."

"اپنی ذات اپنے اہل و عیال اور رعایا میں جن سے تمہیں تعلق خاطر ہے سب کے سلسلہ میں اپنے نفس اور اپنے پروردگار سے انصاف کرنا اگر ایسا نہ کرو گے تو ظالم ہو جاؤ گے اور جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرے گا اس کے دشمن بندے نہیں خود پروردگار ہوگا اور جس کا دشمن پروردگار ہو جائے گا اس کی ہر دلیل باطل ہو جائے گی اور وہ پروردگار کا مد مقابل شمار کیا جائے گا جب تک اپنے ظلم سے باز نہ آجائے اور توبہ نہ کر لے۔"(۱)

حضرت علیؑ کے بعض اقوال میں عدل و انصاف کے سماجی اور معاشرتی فوائد بھی بیان ہوئے ہیں:

---

(۱) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۳۰، حدیث ۷۴۴

☆ اَلاِنْصَافُ يَسْتَدِيْمُ الْمَحَبَّةَ. "انصاف کی بنا پر محبت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔"(۱)

☆ اَلاِنْصَافُ يُاَلِّفُ الْقُلُوبَ. "انصاف دلوں میں الفت پیدا کر دیتا ہے ۔"(۲)

☆ اَلاِنْصَافُ يَرْفَعُ الْخِلافَ وَ يُوجِبُ الائْتِلافَ. "عدل وانصاف اختلافات کو ختم کر دیتا ہے اور قرابت ومحبت کو جنم دیتا ہے۔"(۳)

☆ اَلاِنْصَافُ رَاحَةٌ. "انصاف سے سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے۔"(۴)

☆ بِالنَّصَفَةِ تَدُومُ الْوُصْلَةُ. "انصاف سے رابطے ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔"(۵)

☆ اَلْمُنْصِفُ كَثِيْرُ الْاَوْلِيَاءِ وَ الْاَوِدَّاءِ. "منصف کے دوست اور احباب بہت زیادہ ہوتے ہیں۔"(۶)

## عدل وانصاف کے متعلق ایک اخلاقی یاددہانی

آیات وروایات کی روشنی میں مذکور مطالب سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اپنے کو تمام حقوق میں دوسروں کے برابر سمجھنے کو انصاف کہا جاتا ہے البتہ اس کے اچھے اثرات اور نتائج اسی وقت برآمد ہوسکتے ہیں کہ جب تمام لوگ ایک ساتھ تمام قوانین اور حقوق کی پابندی کریں اور کوئی اس سے انحراف نہ کرے یعنی ہر ایک خود کو دوسروں کے برابر سمجھے تب بھی حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق معاشرہ میں امن وسکون میل محبت اور اخوت وبرادری کا رواج عام ہوگا. البتہ انسان ہر لحاظ سے اپنے

---

(۱) غرر الحکم ص ۳۹۴
(۲) غرر الحکم ص ۳۹۴
(۳) غرر الحکم ص ۳۹۴
(۴) غرر الحکم ص ۳۹۴
(۵) غرر الحکم ص ۳۹۴
(۶) غرر الحکم ص ۳۹۶



کو دوسروں کے برابر سمجھے یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ ہر شخص کے اندر حب نفس (اپنی ذات کی محبت) پائی جاتی ہے اور اس بنا پر وہ ہر چیز کو صرف اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ خواہش اتنی خطرناک ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہیں. جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے اس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے: "أَلا اُخْبِرُكُمْ بِاَشَدِّ مَا افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى خَلْقِهِ، اِنْصَافُ النَّاسِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"

"خداوند عالم نے اپنے بندوں کے اوپر جو سب سے مشکل عمل فرض کیا ہے وہ اپنے اور لوگوں کے درمیان انصاف کرنا ہے۔"(۱)

ایک روایت میں نقل ہوا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے کچھ شیعوں نے ایک خط لکھ کر آپ سے کچھ مسائل دریافت کئے اور وہ خط عبد الاعلیٰ نامی شخص کے ذریعہ آپ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور عبد الاعلیٰ سے یہ بھی کہا کہ حضرت سے مومنین کے حقوق بھی زبانی طور پر دریافت کر لینا۔

عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ خط پیش کر دیا اور اس کے بعد مومنین کے حقوق کے بارے آپ سے سوال بھی کیا. آپ نے خط کے تمام سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے مگر میرے زبانی سوال کا جواب نہیں دیا۔

چنانچہ جس روز میں مدینہ سے واپس ہورہا تھا تو امام علیہ السلام سے رخصت ہونے کے لئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پھر عرض کی! کہ آپؑ نے میرے سوال کا جواب مرحمت نہیں فرمایا تو آپؑ نے فرمایا: ﴿اَخْشٰى اِنْ قُلْتُ لَمْ تَعْمَلْ فَتَخْرُجَ مِنَ الدِّيْنِ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اَشَدَّ مَافَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدِهِ ثَلاثٌ: اِنْصَافُ النَّاسِ مِنْ نَفْسِكَ، فَتَفْعَلُ مَعَ اَخِيْكَ الْمُسْلِمِ مَا

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۲، ص ۲۷

# تیرہواں سبق

## خندہ پیشانی

لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ اور مسکرا کر ملنا بھی اسلامی اخلاقیات کا جزء ہے پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دی ہیں بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش کئے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اِنّکُم لَن تَسَعُوا النّاس بِأَموَالِکُم فَالقَوهُم بِطَلاقَةِ الوَجهِ وَ حُسنِ البِشرِ''

''تم اپنے مال سے لوگوں کے لئے آسانیاں نہیں فراہم کر سکتے ہو لہذا ان سے مسکرا کر اور خندہ پیشانی سے ملاقات کیا کرو۔''(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس چاہے جتنی دولت ہو اس کے باوجود بھی تم ہر ایک کی تمام مشکلات حل نہیں کر سکتے ہو کہ جس سے وہ تم سے خوش ہو سکیں لہٰذا ان لوگوں سے اچھے طریقہ سے پیش آؤ تا کہ وہ کم از کم تمہارے اخلاق سے خوش رہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایک حدیث میں خندہ پیشانی کو مومنین کی صفت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''اَلمُؤمِنُ بِشرُہُ فِی وَجھِہِ وَ حُزنُہُ فِی قَلبِہِ'' ''مومن کی خوشی اس کے چہرہ سے عیاں رہتی ہے اور اس کا غم اس کے دل میں پوشیدہ رہتا ہے۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۳۸، حدیث ۳۶

(۲) بحار الانوار: ج۶۷، باب ۱۴، حدیث ۳۷



یعنی دنیا میں ہر شخص کے سامنے اچھے اور برے مراحل آتے ہیں اور مشکلات میں انسان غمزدہ رہتا ہے لیکن مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ تمام تر مشکلات کے باوجود ہشاش بشاش نظر آئے اور کسی کو اس کے چہرہ سے اس کی پریشانیوں اور غموں کا اندازہ نہ ہو سکے. ورنہ اگر ہر شخص مشکلات پڑتے ہی بالکل نڈھال اور پژمردہ ہو جائے تو پورے سماج پر ایک افسردگی سی چھائی رہے گی. اور سب کی زندگی تلخ ہو جائے گی. اسی لئے مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومن کے چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ اور رونق ہونا چاہئے اور اگر خدانخواستہ کبھی کسی مشکل یا غم سے دوچار ہو جائے تو اسے چھپا کر رکھے اور آسانی سے کسی دوسرے کے اوپر ظاہر نہ ہونے دے۔

### کشادہ روئی کے فائدے

خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملنے کے فائدے کے سلسلے میں متعدد احادیث موجود ہیں جن میں سے ہم صرف بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

☆ ''حُسنُ البُشرِ یُذھِبُ بالسَّخِیمَۃِ'' ''کشادہ روئی سے کینہ دور ہوتا ہے۔''(۱)

☆ ''اَلبَشَاشَةُ حِبالَةُ المَوَدَّةِ'' ''کشادہ روئی محبت کا ہار ہے۔''(۲)

☆ ''اَلبَشَاشَةُ أحَدُ القَرابَتَینِ'' ''کشادہ روئی دو قرابتوں میں سے ایک ہے۔''(۳)

☆ ''اَلقِھِم بِالبُشرِ تُمِت اَضغَانَھُم'' ''لوگوں سے ہشاش بشاش طریقے سے ملو گے تو ان کے دلوں سے کینے نکل جائیں گے۔''(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۱۰، حدیث ۴۱

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۲

(۳) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۵۹ حدیث ۹

(۴) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۵۹ حدیث ۲۱

☆ ''اذا لَقِيْتُم اخوانكُم فتصافَحُوا وَ أظهِرُوا لهُمُ البَشاشَةَ وَ البُشرَ تتفرَّقُوا و ما عليكُم من الأوزارِ قد ذهب'' ''جب تم کسی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے مصافحہ کرو اور خوشی کا اظہار کرو تو جدا ہوتے وقت تمہارے اوپر کوئی بوجھ نہ رہ جائیگا۔''(۱)

☆ ''انَّ احسَنَ ما يُألَفُ بهِ النّاسُ قُلوبَ أوِدّائهم وَ ينفوا بهِ الضّغنَ عَن قُلوبِ أعدائهم حُسنُ البِشرِ عندَ لقائهم وَ التّفقُّدُ في غَيبَتِهم وَ البَشاشَةُ بِهِم عند حُضورهم'' ''جن چیزوں سے اعزاء واقرباء کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور ان کے آپسی کینے ختم ہو جاتے ہیں ان میں سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ جب ان سے ملے تو خندہ پیشانی کے ساتھ اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو ان کی خیریت دریافت کرتا رہے اور اگر موجود ہوں تو ہنس مکھ انداز میں ان کے ساتھ پیش آئے۔''(۲)

☆ ''بشرُكَ يدُلُّ على كَرَمِ نفسِكَ'' ''تمہاری کشادہ روئی تمہاری شرافت اور بلندی نفس کی دلیل ہے۔''(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام نے کشادہ روئی کو لوگوں کے درمیان الفت ومحبت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جیسے کہ ارشاد ہے ''البِشرُ الحسنُ و طَلاقَةُ الوجهِ مَكسَبَةٌ للمَحَبَّةِ وَ قُربَةٌ مِنَ اللهِ عزّ و جلّ و عُبوسُ الوجهِ وَ سوءُ البِشرِ مَكسَبَةٌ للمَقتِ وَ بُعدٌ مِنَ اللهِ''

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۹
(۲) بحار الانوار: ج ۷، باب ۸، حدیث ۸۳
(۳) غرر الحکم ص ۳۳۴



''کشادہ روئی اور پر رونق چہروں سے آپسی محبت اور قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے اور ترش روئی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور خداوند عالم سے دوری بڑھتی ہے۔''(۱)

مذکورہ احادیث میں مومنین سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنے کے کچھ دنیاوی وسماجی اثرات اور فوائد کی طرف اشارہ موجود ہے مگر ایک اور حدیث میں اس کے اخروی فائدے بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''ثلاثٌ مَن أتى اللهَ بِواحدةٍ مِنهُنَّ أوجبَ اللهُ لهُ الجنَّةَ: الإنفاقُ مِن إقتارٍ وَ البِشرُ لِجميعِ العالَمِ وَ الإنصافُ مِن نفسِهِ'' ''تین چیزوں میں سے اگر کسی ایک چیز پر بھی خدا کے لئے عمل کر لے تو پروردگار اس کے لئے جنت واجب کر دیتا ہے۔ ۱۔غربت اور تنگ دستی میں خیرات کرنا۔ ۲۔دنیا کے ہر شخص سے کشادہ روئی کے ساتھ ملنا۔ ۳۔اپنے بارے میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا۔''(۲)

## ہنسی، مذاق

جب بھی کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کی بات سامنے آتی ہے تو فوراً ہنسی اور مذاق کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے کشادہ روئی کے ساتھ ہنسی اور مذاق کو بھی جائز قرار دیا ہے یا نہیں؟

اس سوال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دو قسم کی روایات ہیں کچھ روایات میں مذاق کو جائز ہی نہیں بلکہ مومنین کی علامت قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسری روایات میں اس کو بالکل

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸، حدیث ۸۳
(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۲۸

ممنوع قرار دیا گیا ہے، ہم دونوں طرح کی روایات ذکر کر کے آخر میں اس کا نتیجہ بھی ذکر کریں گے تا کہ مقصود اچھی طرح واضح ہو جائے۔

الف: وہ روایات جن میں مزاح کو ممدوح قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اَلْمُؤْمِنُ دَعِبٌ وَ لَعِبٌ وَ الْمُنَافِقُ قَطِبٌ وَ غَضِبٌ" "مومن شوخ طبع اور شوخ مزاح ہوتا ہے اور منافق بد مزاج اور غصہ ور ہوتا ہے۔" (۱)

۲۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "اِنِّی لَاَمْزَحُ وَ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا" "میں ہنسی مذاق ضرور کرتا ہوں مگر حق بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔" (۲)

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام: "اِنَّ اللهَ یُحِبُّ الْمُدَاعِبَ فِی الْجَمَاعَةِ بِلَا رَفَثٍ" "چند افراد کے درمیان ہنسی مذاق کرنے والے انسان سے خدا محبت رکھتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی غلط چیز نہ ہو۔" (۳)

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے مومنین کی تفریح کے تین طریقے ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک **مفاکهة الاخوان**. یعنی دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا بھی ہے۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَفِیْهِ دُعَابَةٌ قُلْتُ وَ مَا الدُّعَابَةُ؟ قَالَ علیہ السلام اَلْمِزَاحُ" "ہر مومن کے اندر دعابہ ضرور پایا جاتا ہے سوال کیا گیا کہ یہ دعابہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: مزاح۔" (۴)

۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب یونس شیبانی کہتے ہیں:

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار: ج ۱۶، باب ۱۰، حدیث ۲

(۳) بحار الانوار: ج ۱۷، باب ۸۰، حدیث ۱۸

(۴) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۶، حدیث ۱۳



"قَالَ لِیْ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ علیہ السلام "کَیْفَ مُدَاعَبَةُ بَعْضِکُمْ بَعْضًا؟ قُلْتُ: قَلِیْلٌ. قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّ الْمُدَاعَبَةَ مِنْ حُسْنِ الْخُلْقِ وَ اِنَّکَ لَتُدْخِلُ بِهَا السُّرُوْرَ عَلٰی اَخِیْکَ وَ لَقَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یُدَاعِبُ الرَّجُلَ یُرِیْدُ اَنْ یَسُرَّهُ"

"یونس شیبانی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! کہ تمہارے درمیان آپس میں ہنسی مذاق کا رشتہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی! بہت کم. تو آپ نے فرمایا! کم کیوں ہے ہنسی مذاق تو اچھے اخلاق کا حصہ ہے اس سے تم اپنے مومن بھائیوں کو خوش و خرم کر سکتے ہو جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ بھی جب کسی کو خوش کرنا چاہتے تھے تو اس کے ساتھ مزاح فرماتے تھے۔" (۱)

ب: وہ روایات جن میں ہنسی، مذاق کی مذمت کی گئی ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: "یَا عَلِیُّ لَا تَمْزَحْ فَیَذْهَبَ بَهَاؤُکَ وَ لَا تَکْذِبْ فَیَذْهَبَ نُوْرُکَ" "اے علی ہرگز مذاق نہ کرنا کہ اس سے تمہاری قدر و قیمت ختم ہو جائے گی اور غلط بیانی سے کام نہ لینا کہ اس سے تمہارے ایمان کا نور ختم ہو جائے گا۔" (۲)

اسی سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆۔ "لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَدَعَ الْمِزَاحَ وَ الْکِذْبَ وَ یَدَعَ الْمِرَاءَ وَ اِنْ کَانَ مُحِقًّا"

"کوئی بندہ اس وقت تک ایمان واقعی تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ وہ مذاق اور جھوٹ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۱۶، باب ۱۰، حدیث ۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۳، حدیث ۱۰

اورلڑائی جھگڑا ترک نہ کردے چاہے وہ برحق ہی کیوں نہ ہو۔"

☆"اَلْمِزَاحُ تُوْرِثُ الضَّغَائِنَ" "مذاق سے کینے پیدا ہوتے ہیں۔"(۱)

☆"لِکُلِّ شَیْءٍ بَذْرٌ وَ بَذْرُ الْعَدَاوَةِ الْمِزَاحُ" "ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور عداوت ودشمنی کا بیج مذاق ہے۔"(۲)

☆"آفَةُ الْهَیْبَةِ اَلْمِزَاحُ" "رعب وہیبت کے لئے مذاق ایک آفت ہے۔"(۳)

☆"مَنْ مَزَحَ اُسْتُخِفَّ بِهِ" "جومذاق کرتا ہے اس کا وقار کم ہوجاتا ہے۔"(۴)

امام جعفرصادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "لَاتُمَازِحْ فَیُجْتَرَأُ عَلَیْکَ" "مذاق نہ کرو ورنہ تمہارے بارے میں لوگ جری ہوجائیں گے۔"(۵)

امام جعفرصادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِیَّاکُمْ وَ الْمِزَاحَ فَاِنَّهُ یَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ وَ مَهَابَةِ الرِّجَالِ" "مذاق سے بچو! کیونکہ اس سے چہرے کی رونق اور ہیبت ختم ہوجاتی ہے۔"(۶)

امام جعفرصادق علیہ السلام "اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللهِ وَ اِیَّاکَ وَالْمِزَاحَ فَاِنَّهُ یَذْهَبُ بِالْبَهَاءِ" "تم سے میری یہ وصیت ہے کہ خدا سے ڈرتے رہنا اور مذاق سے مکمل پرہیز کرنا کیونکہ اس سے تمہاری آبرو اور ہیبت ختم ہوجائے گی۔"(۷)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۳، حدیث ۱۰
(۲) غررالحکم: ص ۴۳۶
(۳) غررالحکم: ص ۲۲۲
(۴) بحارالانوار: ج ۷۷، ص ۲۳۷
(۵) بحارالانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۶، حدیث ۱۰
(۶) وسائل الشیعہ: ج ۱۲، ص ۱۱۸
(۷) بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۶۰



مذکورہ روایات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے مذاق کی کھلی چھوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ خاص حدود اور شرائط ہیں یعنی جب مذاق سے کسی کی اہانت ہو رہی ہو یا اس میں حدود شرافت سے گری ہوئی باتیں ہوں تو اس سے یقیناً ہر شخص کی قدر و قیمت خود بخود ختم ہوجائے گی البتہ دوسری جانب مومنین کو خوشحال کرنے کے لئے اور ان کی محفلوں کو تر وتازہ رکھنے کی خاطر مناسب حد تک مذاق کی ہدایت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ حق کے حدود سے باہر نہ ہو اور سبک اور ہلکے الفاظ اور رکیک حرکتوں سے پرہیز کیا جائے اور مذاق کی مقدار میں بھی افراط (زیادتی) نہ ہو کہ ایک مومن اخلاقی اقدار کو چھوڑ کر صرف مذاق میں پڑا رہے اور اس کی زندگی سنجیدگی کے بجائے صرف کھیل تماشہ بن کر رہ جائے۔ جیسا کہ بعض روایات میں مذاق کی مذمت تو نہیں کی گئی ہے البتہ حد سے زیادہ مذاق کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے غیر اخلاقی فعل قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "کَثْرَةُ الْمِزَاحِ تَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ" "زیادہ ہنسی مذاق سے چہرہ کی شادابی ختم ہوجاتی ہے۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "کَثْرَةُ الْمِزَاحِ تُسْقِطُ الْهَیْبَةَ" "مذاق کی زیادتی سے ہیبت ختم ہوجاتی ہے۔"(۲)

☆"کَثْرَةُ الْمِزَاحِ تُذْهِبُ الْبَهَاءَ وَ تُوْجِبُ الشَّحْنَاءَ" "مذاق کی زیادتی سے انسان کا وقار ختم ہوجاتا ہے اور دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔"(۳)

☆"مَنْ کَثُرَ مِزَاحُهُ قَلَّ وَقَارُهُ" "جس کے اندر مذاق کی زیادتی ہوگی اس کا وقار بھی کم ہوجائے گا۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۶۶۵
(۲) غررالحکم: ج ۴، ص ۵۹۱
(۳) غررالحکم: ج ۴، ص ۵۹۷
(۴) غررالحکم: ج ۵، ص ۲۹۳

لہٰذا ہنسی مذاق، ہنسنا اور ہنسانا تب تک جائز ہے جب تک اس میں افراط یا تفریط نہ ہو اور مذاق کرنے والا تقوی و پرہیزگاری اور شرافت کے دائرہ سے خارج نہ ہو جائے مثلاً کسی مومن کی توہین نہ کی جائے اور اگر واقعاً مذاق سنجیدگی اور شرافت کے دائرے میں ہو تو اس سے مومنین کے درمیان محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان میں اور زیادہ قرابت پیدا ہوتی ہے اور اسلامی سماج اور معاشرہ سدابہار شاد و خنداں رہتا ہے۔

معصومین علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مذاق کس حد تک پایا جاتا تھا؟ جیسا کہ سبق کے شروع میں ہم نے رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں مزاح سے کام لیتا ہوں مگر حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا ہوں۔ لہٰذا نمونے کے طور پر آنحضرت ﷺ کے کچھ لطیف اور سنجیدہ مذاق کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دن ایک بوڑھیا پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ یہ سن کر اس نے رونا شروع کر دیا تو آپ مسکرائے اور اس سے فرمایا: جنت میں جاتے وقت تم بوڑھیا نہ رہ جاؤ گی۔ اور اس کے بعد آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ "بیشک ان حوروں کو ہم نے ایجاد کیا ہے تو انہیں نت نئی بنایا۔"(۱)

اسی طرح یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک دن ایک خاتون جن کا نام، ام ایمن تھا آپ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر کو آپ سے کچھ کام ہے آپ نے فرمایا کہ تمہارا شوہر وہی تو ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ (وہ سمجھی کہ آپ نے اس سفیدی سے موتیا بند کی بیماری مراد لی ہے) تو اس نے جواب دیا کہ نہیں! خدانخواستہ اس کی آنکھ میں تو کوئی سفیدی نہیں ہے۔

---

(۱) سورۂ واقعہ: آیت ۳۵/۳۶



آنحضرت ﷺ نے دوبارہ فرمایا: لیکن اس کی آنکھ میں تو سفیدی ہے! اس نے پھر کہا خدا کی قسم نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ: دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس کی آنکھ میں وہ سفیدی نہ ہو جو آنکھ کی پتلی کے چاروں طرف پائی جاتی ہے۔

یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک صحرانشین بدو (دیہاتی) عرب کبھی کبھی پیغمبر ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ لیکر آتا تھا لیکن اسی جگہ اس کے بدلے آپ سے کچھ نہ کچھ ضرور طلب کر لیتا تھا جس سے آپ کو ہنسی آجاتی تھی، لہٰذا جب بھی آپ محزون اور غمزدہ ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ کاش آج وہ عرب ہمارے پاس آجاتا۔

ایک اور واقعہ یوں نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ سے کہا کہ مجھے اونٹ پر سوار کرا دیجئے۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا تو اس نے کہا کہ اونٹ کا بچہ تو میرا وزن سنبھال بھی نہیں سکتا تو حضرت نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا ہی بچہ ہوتا ہے اس قسم کے متعدد لطائف اور مزاح معصومین علیہم السلام کی سیرت میں نقل ہوئے ہیں جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی زندگی میں مذاق بہت محدود پیمانے پر نظر آتا ہے اور اس میں مذاق کے تمام حدود کی رعایت موجود ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں کسی قسم کی جھوٹی اور بیہودہ بات کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔

اور یہی چیزیں ہمارے سامنے ایک صاف ستھرا معیار ہیں جن کے اوپر ہم بھی اپنے مذاق اور لطائف کو پرکھ سکتے ہیں۔

## خلاصہ:

خندہ پیشانی بھی اسلام کے اخلاقی اقدار کا اہم جزء ہے۔

اس سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور میل محبت کا پتہ چلتا ہے' ان کے دلوں کے کینے دور ہوتے ہیں اور آپسی الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہنسی مذاق کرنا بھی خوشروئی کا ہی ایک حصہ ہے. لیکن یہ اس وقت تک درست ہے جب تک اس میں افراط نہ ہو اور انسان شرافت کے دائرے سے خارج نہ ہو۔

## سوالات:

۱۔ معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں معاشرہ پر کشادہ روئی کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟

۲۔ ہنسی، مذاق کس صورت میں جائز ہے؟

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے خوش روئی کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۴۔ خوشروئی کے اخروی نتائج کے بارے میں ایک حدیث بیان فرمایئے؟

# چودہواں سبق

## تعاون

دوسرے سبق میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مومنین کو آپس میں سگے بھائیوں کی طرح رہنا چاہئے. ایک دوسرے کی مشکلات میں سب کا ہاتھ بٹانا چاہئے کیونکہ جب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں تو پھر وہ ایک خاندان کی طرح ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی مشکل پورے خاندان کی مشکل اور کسی ایک کا غم سب کا غم ہوتا ہے لہذا ہر ایک دوسروں کی مشکلات میں خود کو شریک سمجھے اور اس کی یہ خواہش اور تمنا کہ جس طرح راحت و آرام اور خوشیوں میں سب اس کے شریک حال رہے ہیں مشکل اور پریشانی کے اوقات میں بھی وہ ان کی مدد کریں، ایک دوسرے کی مدد کرنا مومنین کی ذمہ داری ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے. "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ وَاحِدٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ" "تمام مومنین آپسی میل محبت میں ایک بدن کی طرح ہیں کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضاء بھی اس کی تکلیف میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔"(۱)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۳۴

مومنین کے درمیان اتحاد و برادری کے لئے یقیناً اس سے بہتر کوئی تعبیر اور تشبیہ بیان نہیں کی جاسکتی ہے. لہٰذا اگر تمام مومنین برادران ایمانی کو بھی اپنے بدن کا ایک حصہ یا اپنے خاندان کا ایک فرد تصور کرنے لگیں تو پھر دوسرے بھی اس کو مشکلات میں تنہا نہیں چھوڑیں گے اور مشکل مرحلہ پر اس کے کام آئیں گے اور یہی نہیں بلکہ اپنی ضرورت بیان کرنے سے پہلے ہی وہ خود ہی اس کی مدد کے لئے پہونچ جائیں گے اور اپنی طاقت بھر یہ کوشش کریں گے کہ اس کو کسی طرح اس مصیبت میں مبتلا نہ ہونے دیں۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں مختلف ضرورتیں سامنے آتی ہیں اور وہ ایسے حالات میں دوسروں سے مدد کی توقع رکھتا ہے لہٰذا کوئی باضمیر اور غیرت دار انسان یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اپنی مشکلات میں تو وہ دوسروں کی مدد حاصل کرے لیکن جب دوسروں کو ضرورت درپیش ہو تو وہ ان کی مدد کو نہ پہونچے یا ان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھے. مومنین کے درمیان میل محبت اور بھائی چارہ کا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دونوں کا سلوک ایک ہی جیسا ہو جس کو قرآن مجید نے تعاون کا نام دیا ہے۔

﴿وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ ''نیکیوں اور تقوی پر ایک دوسرے کا تعاون (امداد) کرو۔''(۱)

تعاون کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہر ایک کے اندر دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو لہٰذا جس سماج اور معاشرے میں تعاون اور مدد کا جذبہ نہ ہو اور دوسروں کے لئے دلوں میں کسی قربت اور محبت کا گذر نہ ہو تو پھر انہیں کوئی فکر بھی نہیں رہتی کہ دوسرے لوگوں پر کیا گذر رہی ہے۔

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۲



اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''مَنْ اَصْبَحَ وَ لَایَهْتَمُّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ وَ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً یُنَادِی یَاللْمُسْلِمِیْنَ فَلَمْ یُجِبْهُ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ''

''سویرا ہونے کے بعد جسے مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو تو وہ ان میں سے نہیں ہے اور اگر کوئی مسلمانوں کو اپنی مدد کے لئے پکار رہا ہو تو اس کی آواز سننے کے بعد اس کی مدد نہ کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''مَا آمَنَ بِاللهِ وَلَا بِمُحَمَّدٍ وَلَا بِعَلِیٍّ مَنْ اِذَا اَتَاهُ اَخُوْهُ الْمُؤْمِنُ فِیْ حَاجَةٍ لَمْ یَضْحَکْ فِیْ وَجْهِهِ فَاِنْ کَانَتْ حَاجَتُهُ عِنْدَهُ سَارَعَ اِلٰی قَضَائِهَا وَاِنْ لَمْ تَکُنْ عِنْدَهُ تَکَلَّفَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِهِ حَتّٰی یَقْضِیَهَا لَهُ فَاِذَا کَانَ بِخِلَافِ مَا وَصَفْتُهُ فَلَا وِلَایَةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُ''

''اللہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام پر وہ شخص ایمان نہیں لایا ہے کہ جس کے پاس اس کا کوئی مومن بھائی کسی ضرورت کے تحت آئے اور وہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال نہ کرے اور اگر وہ خود اس کی ضرورت پوری کر سکتا ہو تو فوراً اسے حل کردے اور اگر خود حل نہیں کر سکتا ہے تو پھر زحمت اٹھا کر اسے کسی ایسے شخص کے پاس پہونچادے جو اس کی حاجت پوری کردے اور اگر اس کے اندر یہ صفات نہیں ہیں تو پھر اس سے ہماری کوئی قرابت نہیں ہے۔''(۲)

اگر کوئی آدمی اپنے مومن بھائیوں کی مشکل میں ان کے کام نہ آئے اور اپنے اموال سے ان کی حاجت پوری نہ کرے تو احادیث کے مطابق اس کو یہ خدائی ملتی ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۲۰

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۲

اپنا ہی مال خدا کے دشمنوں کے لئے اور غلط راستے میں خرچ کرتا ہے اور اس طرح عذاب آخرت کا مستحق بن جاتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ بَخِلَ بِمَعُوْنَةِ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ وَ الْقِيَامِ لَهُ فِيْ حَاجَتِهِ ابْتُلِيَ بِمَعُوْنَةِ مَنْ يَأْثَمُ عَلَيْهِ وَ لَا يُؤْجَرُ" "جو شخص اپنے برادر مومن کی امداد کرنے میں بخل کرے اور اس کی ضرورت کے لئے قیام نہ کرے تو وہ ان لوگوں کی مدد میں مبتلا کر دیا جائے گا جو اس کے مال سے گناہ کریں گے اور اسے اپنی بخشش کا کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام: "أَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ شِيْعَتِنَا أَتَى رَجُلاً مِنْ إِخْوَانِهِ فَاسْتَعَانَ بِهِ فِيْ حَاجَتِهِ فَلَمْ يُعِنْهُ وَ هُوَ يَقْدِرُ إِلَّا ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِأَنْ يَقْضِيَ حَوَائِجَ غَيْرِهِ مِنْ أَعْدَائِنَا يُعَذِّبُهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"ہمارے چاہنے والوں میں اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کے پاس آ کر کوئی مشکل بیان کرے اور اس سے مدد چاہے اور وہ اس کی امداد نہ کرے جب کہ اس پر قدرت رکھتا ہو تو خداوند عالم اسے ہمارے دشمنوں کی مدد میں مبتلا کر دے گا اور پھر اللہ اسی وجہ سے روز قیامت اس پر عذاب کرے گا۔"(۲)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "مَنْ قَصَدَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ إِخْوَانِهِ مُسْتَجِيْراً بِهِ فِيْ بَعْضِ أَحْوَالِهِ فَلَمْ يُجِرْهُ بَعْدَ أَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ فَقَدْ قَطَعَ وِلَايَةَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَىٰ" "جس کے پاس اس کا کوئی مومن بھائی اپنی کسی ضرورت کے تحت جائے اور وہ طاقت اور امکان رکھنے کے باوجود اس کی ضرورت پوری نہ کرے تو اس نے خداوند عالم سے اپنا

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۵، باب۵۹، حدیث۸

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب۵۹، حدیث۲۱



رابطہ توڑ لیا۔"(۱)

اور یہی نہیں بلکہ امام صادق علیہ السلام کی ایک روایت میں مومنین کی امداد میں کوتاہی کو ہی خدا اور رسول سے خیانت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں: "أَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَنَعَ مُؤْمِناً شَيْئاً مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهِ أَقَامَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُسْوَدّاً وَجْهُهُ مُزْرَقَّةً عَيْنَاهُ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ فَيُقَالُ هٰذَا الْخَائِنُ الَّذِيْ خَانَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِ إِلَى النَّارِ" "جو مومن اپنے کسی مومن بھائی کی ضرورت پوری کرنے سے منع کر دے جب کہ وہ خود یا کسی اور ذریعہ سے اسے حل کر سکتا ہو تو خداوند عالم جب اسے قیامت کے دن محشور کرے گا تو اس کا چہرہ سیاہ، آنکھیں نیلی اور دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے بندھے ہوں گے اور یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ خائن ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے پھر اسے جہنم میں لے جانے کا حکم دیدیا جائے گا۔"(۲)

اس حدیث میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مومنین کی امداد کے موقع پر صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ اگر مشکل کا حل کرنا ہمارے امکان سے باہر ہو تو ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک ہم کسی بھی ذریعہ سے اس کی مشکل حل کرا سکتے ہیں ہمارے اوپر کوشش کرنا ضروری ہے ورنہ ہمارا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوگا جو مومنین کی مدد نہیں کرتے ہیں۔

جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مذکورہ حدیث میں فرمایا ہے کہ: "وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ مِنْ غَيْرِهِ" "وہ خود اس کی مشکل حل کر سکتا ہو یا کسی دوسرے سے حل کرا سکتا ہو۔"

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۵، باب۵۹، حدیث۲۱

(۲) بحار الانوار: ج۷، باب۸، حدیث۸۳

مشہور ومعروف اسلامی دانشمند واقدی کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے ان میں سے ایک ہاشمی تھا۔ ہماری دوستی اتنی مستحکم تھی کہ ہم تینوں ایک جان سمجھے جاتے تھے ایک سال اتفاق سے میرے مالی حالات کچھ اچھے نہ تھے اور میں تنگدستی کا شکار ہوگیا اسی دوران عید آ گئی تو میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ ہم تو اس غربت کے اوپر صبر کر سکتے ہیں مگر جب ہمارے بچے پڑوسیوں کے بچوں کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل کو ٹھیس پہونچے گی لہٰذا اگر ممکن ہو تو کہیں سے کچھ انتظام کرلو تا کہ بچے تو عید کے دن خوش رہیں اور ان کے لئے کپڑے بنالئے جائیں۔

لہٰذا میں نے اپنے ہاشمی بھائی کے نام یہ لکھ کر بھیجا کہ میرے لئے کچھ دینار یا درہم بھیج دو اس نے ایک مہر بند تھیلی میرے پاس بھیج دی اور لکھا کہ اس کے اندر ایک ہزار درہم ہیں ابھی میں نے وہ تھیلی کھولی بھی نہیں تھی کہ میرے تیسرے دوست کا ایک پرچہ مجھے ملا جس میں اس نے مجھ سے مدد چاہی تھی چنانچہ میں نے وہی تھیلی اٹھا کر اس کے پاس بھیج دی اور اس خیال سے کہ بیوی کے سامنے شرمندگی نہ ہو میں مسجد کی طرف چل دیا، راستہ میں مجھے میرا ہاشمی دوست ملا میں نے کیا دیکھا کہ وہی تھیلی اس کے ہاتھ میں موجود ہے اس نے مجھ سے پوچھ کہ جو درہم میں نے تمہیں بھیجے تھے ان کا تم نے کیا کیا؟ میں نے پورا ماجرا بیان کردیا! اس نے تعجب سے کہا گویا تم نے میرا مال مجھے واپس لوٹا دیا ہے کیونکہ میرے پاس صرف یہی مال تھا جو میں نے تمہارے پاس بھیجا تھا لہٰذا جب میں نے یہ تھیلی تمہارے پاس بھیج دی اور خود مجھے ضرورت پیش آئی تو میں نے خط لکھ کر اپنے دوست سے امداد کا مطالبہ کیا اور چونکہ یہ اس کے امکان سے باہر تھا اس نے تم سے مدد کی درخواست کرلی اور اس طرح میری یہ تھیلی میرے ہی پاس واپس لوٹ آئی، اب جبکہ ہماری یہ صورتحال ہے تو اس کے تین حصے کرلئے جائیں تا کہ تینوں کی ضروریات پوری ہوجائیں۔

اس قصہ سے ہمیں واقعی دوستی کا پتہ چلتا ہے کہ دوستوں کے درمیان ایثار وقربانی کا کیسا



جذبہ ہونا چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "لَایَکُوْنُ الصَّدِیْقُ صَدِیْقاً حَتّٰی یَحْفَظَ أَخَاهُ فِیْ ثَلَاثٍ: فِیْ نَکْبَتِهِ وَ غَیْبَتِهِ وَ وَفَاتِهِ" "کوئی دوست اس وقت تک سچا دوست نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے بارے میں تین باتوں کا خیال نہ رکھے۔

۱۔ اس کی مشکلات اور پریشانیوں میں [اس کی مدد کرے۔

۲۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ کا خیال رکھے۔

۳۔ اس کی موت پر تدفین وغیرہ میں شرکت کرے۔" (۱)

قرآن کریم نے مومنین کے آپسی روابط کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ "اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ضرورت کیوں نہ ہو۔" (۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّ الرَّجُلَ لَیَسْأَلُنِیَ الْحَاجَةَ فَأُبَادِرُ بِقَضَائِهَا مَخَافَةَ أَنْ یَسْتَغْنِیَ عَنْهَا فَلَا یَجِدُ لَهَا مَوْقِعاً اِذَا جَائَتْهُ"

"اگر کوئی شخص مجھ سے کوئی خواہش کرتا ہے تو میں اس کی اس حاجت اور خواہش کو فوراً پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ اگر اس کی وہ حاجت کسی اور ذریعہ سے پوری ہوگئی تو اس کی مدد کرنے کا یہ موقع میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔" (۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۲۸

(۲) سورۂ حشر: آیت ۹

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۲۲

مومنین کرام کی مدد کرنے کے بارے میں معصومین علیہم السلام کی روایات میں بہت حسین تعبیرات موجود ہیں اور اس کے لئے تصورات سے بالاتر ثواب اور اجر بیان کیا گیا ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''مُوَاسَاۃُ الْاَخِ فِی اللہِ عَزَّ وَ جَلَّ تَزِیْدُ فِی الرِّزْقِ'' ''خدا کی خوشنودی کے لئے برادر مومن کی مدد کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''تَقَرَّبُوْا اِلَی اللہِ تَعَالٰی بِمُوَاسَاۃِ اِخْوَانِکُمْ'' ''اپنے بھائیوں کی مدد کرکے قربت خدا حاصل کرو۔''(۲)

اسی طرح آپ کا یہ ارشاد ہے:

''مَنْ قَضٰی لِاَخِیْہِ الْمُؤْمِنِ حَاجَۃً قَضَی اللہُ عَزَّ وَ جَلَّ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِأَۃَ اَلْفِ حَاجَۃٍ مِنْ ذٰلِکَ اَوَّلُہَا الْجَنَّۃُ وَ مِنْ ذٰلِکَ اَنْ یُدْخِلَ قَرَابَتَہٗ وَ مَعَارِفَہٗ وَ اِخْوَانَہُ الْجَنَّۃَ بَعْدَ اَنْ لَا یَکُوْنُوْا نُصَّابًا''

''جو شخص کسی برادر مومن کی کوئی ایک حاجت پوری کرے گا تو خداوند عالم روز قیامت اس کی ایک لاکھ حاجتیں پوری کرے گا جن میں سب سے پہلی حاجت جنت ہے اور یہ کہ اس کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا بشرطیکہ وہ ناصبی نہ ہوں۔''(۳)

آپ کا یہ ارشاد بھی ہے:

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۳۲

(۲) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۵

(۳) بحارالانوار ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۹۰



''مَا قَضٰی مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ حَاجَۃً اِلَّا نَادَاہُ اللہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی عَلَیَّ ثَوَابُکَ وَ لَا اَرْضٰی لَکَ بِدُوْنِ الْجَنَّۃِ''

''کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی ضرورت پوری نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند عالم اس کو یہ آواز دیتا ہے کہ تیرا ثواب میرے ذمہ ہے. اور میں تیرے لئے جنت سے کمتر پر راضی نہ ہوں گا۔''(۱)

آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

''وَ اللہِ لَقَضَاءُ حَاجَۃِ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِنْ صِیَامِ شَہْرٍ وَ اِعْتِکَافِہٖ'' ''خدا کی قسم مومن کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے روزوں اور اعتکاف سے بہتر ہے۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایک سال میں حج کرنے گیا تھا حج سے واپسی پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہونچا آپ نے فرمایا: کہاں تھے؟ عرض کی مولا حج کرنے گیا تھا! فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک حاجی کو کتنا ثواب ملتا ہے؟ عرض کی! جب تک آپ نہ فرمائیں مجھے کیا معلوم؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ حج بیت اللہ کے لئے جائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرے اور نماز طواف پڑھے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے تو خداوند عالم اس کے لئے چھ ہزار حسنات لکھتا ہے اور اس کے چھ ہزار گناہ معاف کر دیتا ہے نیز اس کو چھ ہزار درجہ بلندی عنایت فرماتا ہے اور اسی طرح اس کی چھ ہزار دنیاوی حاجات پوری کرتا ہے اور مزید چھ ہزار حاجتیں آخرت کے لئے محفوظ کر دیتا ہے۔

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۸

(۲) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰ حدیث ۶

میں نے عرض کیا یہ تو بہت عظیم ثواب ہے! تو آپ نے فرمایا کہ: کیا اس سے بڑا ثواب بھی جاننا چاہتے ہو؟

میں نے کہا کیوں نہیں! تو آپؑ اس طرح گویا ہوئے۔

"لَقَضَاءُ حَاجَةِ امْرِیءٍ مُؤمِنٍ اَفْضَلُ مِنْ حَجَّةٍ وَ حَجَّةٍ وَ حَجَّةٍ حَتّٰی عَدَّ عَشْرَ حِجَجٍ"(۱)

''مومن کی ایک حاجت پوری کرنا بہتر ہے حج سے، حج سے، حج سے، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے دس بار اسی کو دہرایا۔ یعنی دس حج کرنے سے بہتر ہے۔''

مومنین کی حاجت روائی کے سلسلہ میں آپ معصومین علیہم السلام کی احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں انشاء اللہ آئندہ درس میں اس کے دوسرے جزئیات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲ حدیث ۴



## خلاصہ:

تمام انسان بالکل ایک جسم اور بدن کی طرح ہیں۔

مومنین کی مشکلات کو حل کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور اس کا بے حساب ثواب ہے۔

اور اگر کوئی شخص کسی مرد مومن کی مدد نہ کرے تو اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

## سوالات:

۱۔ جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں مسلمان قرار نہیں دیتے؟

۲۔ قرآن کریم مومنین کے آپسی روابط کے بارے میں کیا ارشاد فرماتا ہے؟

۳۔ مومن کی حاجت روائی اور مدد کرنے کے کیا فوائد ہیں، احادیث کی روشنی میں چند نمونے بیان کیجئے؟

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مومن کی حاجت روائی کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

# پندرہواں سبق

## مومنین کے درمیان صلح وصفائی

گذشتہ سبق میں ہم نے مومنین کی امداد، ان کے مشکلات کو برطرف کرنے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سلسلہ میں معصومین علیہم السلام کے ارشادات بیان کئے ہیں کیونکہ مومنین کی مدد اوران کے کام آنا اسلامی اعتبار سے مومن کے دل کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا ہر مومن کو کسی نہ کسی طرح اپنے برادر مومن کی خوشیوں کا لحاظ کرتے رہنا چاہئے. اس درس میں بھی ''ہم مومن کو خوش کرنے'' کے مزید طریقے بتائے جارہے ہیں اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا: ''أیُّ الأعْمَالِ أحَبُّ اِلَی اللّٰهِ'' ''خداوند عالم کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا: ''اِتِّبَاعُ سُرُوْرِ الْمُؤمِنِ'' ''مومن کو خوش کرنے کی فکر میں رہنا۔''

پھر سوال کیا گیا! کہ مسلمان کو کس طرح خوش کیا جائے؟ فرمایا: ''شَبْعَةُ جُوْعِهِ وَ تَنْفِيْسُ كَرْبِهِ وَ قَضَاءُ دَيْنِهِ'' ''بھوکا ہو تو شکم سیر کر کے نیز اسکے غموں کو دور کر کے اور اس کے قرض کی



ادائیگی کے ذریعہ۔''(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے جناب کمیل ؒ سے فرمایا: ''يَا كُمَيْلُ مُرْ أهْلَكَ أنْ يَرُوْحُوْا فِيْ كَسْبِ الْمَكَارِمِ وَ يُدْلِجُوْا فِيْ حَاجَةِ مَنْ هُوَ نَائِمٌ فَوَالَّذِيْ وَسِعَ سَمْعُهُ الأصْوَاتَ مَامِنْ أحَدٍ أوْدَعَ قَلْباً سُرُوْراً اِلَّا وَ خَلَقَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ ذٰلِكَ السُّرُوْرِ لُطْفاً فَاِذَا نَزَلَتْ بِهِ نَائِبَةٌ جَرٰی اِلَيْهَا كَالْمَاءِ فِيْ اِنْحِدَارِهِ حَتّٰی يَطْرُدَهَا عَنْهُ كَمَا تُطْرَدُ غَرِيْبَةُ الْاِبِلِ''

''اے کمیل! اپنے گھر والوں کو حکم دو کہ اچھی خصلتوں کو تلاش کرنے کے لئے دن میں نکلیں اور سونے والوں کی حاجت روائی کے لئے رات میں قیام کریں قسم ہے اس ذات کی جو ہر آواز کی سننے والی ہے کہ کوئی شخص کسی دل میں خوشی داخل نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ پروردگار اس کے لئے اس خوشی میں ایک لطف پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے بعد اگر اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لطف اس کی طرف نشیب کی جانب بہنے والے پانی کی طرح تیزی سے بڑھتا ہے اور اس مصیبت کو یوں ہنکا دیتا ہے جس طرح پرائے اونٹ ہنکائے جاتے ہیں۔''(۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''تَبَسُّمُ الرَّجُلِ فِيْ وَجْهِ أخِيْهِ حَسَنَةٌ وَ صَرَفُهُ الْقَذٰی عَنْهُ حَسَنَةٌ وَ مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَیْءٍ أحَبَّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِدْخَالِ السُّرُوْرِ عَلَی الْمُؤْمِنِ'' ''مومن کے سامنے مسکرانا بھی حسنہ (نیکی) ہے اور اس کی مشکل کو حل کرنا دوسری نیکی ہے اور مومن کے قلب میں ادخال السرور سے بہتر تو خداوند عالم کی کوئی عبادت ہی نہیں ہے۔''(۳)

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لَايَرٰی أحَدُكُمْ اِذَا أدْخَلَ عَلٰی مُؤْمِنٍ سُرُوْراً أنَّهُ عَلَيْهِ أدْخَلَهُ فَقَطْ بَلْ وَاللّٰهِ عَلَيْنَا بَلْ وَاللّٰهِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ''

''تم میں سے کوئی ہرگز یہ خیال نہ کرے کہ جب وہ کسی مرد مومن کے دل کو خوش کرتا ہے تو

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۸۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۵

صرف اسی کو خوش کرتا ہے! بلکہ خدا کی قسم اس سے ہم اہل بیت بھی خوش ہوتے ہیں بلکہ خدا کی قسم اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ سَرَّ مُوْمِناً فَقَدْ سَرَّنِیْ وَ مَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللهَ" "جس نے کسی مومن کو مسرور کیا اس نے مجھے خوش کیا ہے اور جس نے مجھے خوش کیا ہے اس نے خدا کو راضی اور خوشنود کیا۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "أَوْحَی اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلَی دَاوٗدَ علیہ السلام: اِنَّ الْعَبْدَ مِنْ عِبَادِیْ لَیَاتِیْنِیْ بِالْحَسَنَةِ فَاُبِیْحُهُ جَنَّتِی. فَقَالَ دَاوٗدُ علیہ السلام: یَا رَبِّ وَ مَا تِلْکَ الْحَسَنَةُ؟ قَالَ: یُدْخِلُ عَلَی عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ سُرُوْراً وَ لَوْ بِتَمْرَةٍ. فَقَالَ دَاوٗدُ علیہ السلام: حَقٌّ لِمَنْ عَرَفَکَ أَنْ لَا یَقْطَعَ رَجَائَهُ مِنْکَ" "پروردگار عالم نے جناب داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ جب کوئی بندہ میری بارگاہ میں ایک نیکی پیش کرتا ہے تو میں اس کے لئے جنت کو مباح کر دیتا ہوں تو جناب داؤد علیہ السلام نے عرض کی! پروردگارا! وہ نیکی کیا ہے؟ ارشاد ہوا! کہ مومن کے دل کو خوش کرنا، چاہے ایک کھجور کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ تو جناب داؤد علیہ السلام نے یہ عرض کی! کہ جو تیری معرفت رکھتا ہے اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی امید تجھ سے قطع نہ کرے۔"(۳)

پیغمبر اکرم ؐ کا ارشاد ہے: "مَنْ اَکْرَمَ اَخَاهُ الْمُسْلِمُ بِکَلِمَةٍ یُلْطِفُهُ بِهَا وَ فَرَّجَ عَنْهُ کُرْبَتَهُ لَمْ یَزَلْ فِیْ ظِلِّ اللهِ الْمَمْدُوْدِ عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ مَا کَانَ فِیْ ذٰلِکَ"

"جو شخص کسی ایک محبت بھرے کلمہ سے اپنے برادر مومن کا احترام کرے اور اس کی کوئی

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۴

(۳) بحار الانوار: ج ۱۴، باب ۳، حدیث ۵



مشکل دور کردے تو جب تک وہ اس طرح مصروف رہے مسلسل رحمت الٰہی کے زیر سایہ رہے گا۔"(۱)

مذکورہ احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک "مومن کو خوش کرنے" کی کتنی زیادہ اہمیت ہے اور یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ترین اعمال میں سے ہے اور اتنی عظمت اور اہمیت کے باوجود اتنا آسان کام بھی ہے کہ ہر شخص، ہر حالت میں مومن کو خوش کرسکتا ہے کیونکہ اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے بے شمار راستے پائے جاتے ہیں لہٰذا اگر کسی کے پاس مال و دولت نہیں ہے تو وہ اپنی غربت کا بہانہ بنا کر مومن کو خوش نہ کر پانے کا عذر پیش نہ کرے کیونکہ معصومین علیہم السلام نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ مسکرا کر یا مومن کے اوپر سے کوئی تنکا یا دھاگہ ہٹا کر یا ایک کھجور پیش کر کے بھی اسے خوش کیا جاسکتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک اچھی بات یا محبت سے لبریز جملہ بھی مومن کے دل کو مسرور کرسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ مومن کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے ایک قدم اٹھانا بھی ادخال سرور کا مصداق ہے اور جو ایسا کرے گا خداوند عالم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس کا اجر وثواب محفوظ رہے گا۔

"مومن کے دل کو خوش کرنے" کی اس درجہ اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر اب ہم "مومن کو خوش کرنے" کا دوسرا طریقہ بیان کررہے ہیں۔

## مومنین کے درمیان مصالحت کرانا

ہر معاشرے اور سماج کو نفسیاتی بیماریوں سے نجات دینے کے لئے تمام مومنین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے مومن بھائیوں کے اختلافات دور کرائیں اور ان کے دلوں سے ایک دوسرے کی

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۳۴

کدورتیں ختم کرادیں اس بارے میں کسی گفتگو سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں ایک دوسرے سے ناراض رہنا اور آپسی روابط اور تعلقات کو توڑ دینا بہت ہی بری چیز ہے اور یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ دو مومن بھائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے ناراض ہو کر جھگڑا کرنے لگیں اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے کدورت اور آپسی رنجش پیدا ہو جائے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''أَیُّمَا مُسْلِمَیْنِ تَهَاجَرَا فَمَکَثَا ثَلَاثاً لَا یَصْطَلِحَانِ اِلَّا کَانَا خَارِجَیْنِ مِنَ الْاِسْلَامِ وَ لَمْ یَکُنْ بَیْنَهُمَا وِلَایَةٌ فَأَیُّهُمَا سَبَقَ اِلٰی کَلَامِ اَخِیْهِ کَانَ السَّابِقُ اِلَی الْجَنَّةِ یَوْمَ الْحِسَابِ''

''اگر دو مسلمان ایک دوسرے سے تعلقات توڑ لیں اور اسی طرح ایک دوسرے سے الگ رہتے ہوئے تین دن گذر جائیں اور وہ مصالحت نہ کریں تو دونوں اسلام سے خارج ہیں اور اگر ان کے درمیان دوستی نہ ہو تو ان میں جو کوئی دوسرے سے پہلے بولنا شروع کرے گا روز قیامت وہی جنت میں پہلے جائے گا۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''لَا یَفْتَرِقُ رَجُلَانِ عَلَی الْهِجْرَانِ اِلَّا اسْتَوْجَبَ اَحَدُهُمَا الْبَرَائَةَ وَ اللَّعْنَةَ وَ رُبَّمَا اسْتَحَقَّ ذٰلِکَ کِلَاهُمَا'' ''کبھی بھی دو مومنین ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک (جو خطاوار ہے) بیزاری اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے اور بسا اوقات دونوں ہی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔''(۲)

روایات میں مومنین کے درمیان اختلاف پیدا کرنے اور عداوت کے بیج بونے کو شیطانی

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۱



عمل کہا گیا ہے اور مومنین کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ شیطان کے وسوسوں میں نہ پڑیں اور اس کے فریب میں نہ آئیں قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ﴾ ''شیطان تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔''(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''اِنَّ الشَّیْطَانَ یُغْرِیْ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا لَمْ یَرْجِعْ اَحَدُهُمْ عَنْ دِیْنِهِ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ اسْتَلْقٰی عَلٰی قَفَاهُ وَ تَمَدَّدَ ثُمَّ قَالَ: فُزْتُ. فَرَحِمَ اللهُ امْرَءاً اَلَّفَ بَیْنَ وَلِیَّیْنِ لَنَا، یَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ تَاَلَّفُوْا وَ تَعَاطَفُوْا'' ''شیطان مومنین کے درمیان اس وقت تک عداوت اور دشمنی پیدا کرتا رہتا ہے جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے دین سے خارج نہ ہو جائے اور اس کے بعد آرام سے لیٹ کر چین کی سانس لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں لہٰذا خداوند عالم اس شخص پر رحمت نازل کرے جو ہمارے چاہنے والوں کے درمیان دوستی کرادے۔ اے مومنو! آپس میں پیار ومحبت کے ساتھ شیر وشکر بن کر رہو۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''لَا یَزَالُ اِبْلِیْسُ فَرِحاً مَا اهْتَجَرَ الْمُسْلِمَانِ فَاِذَا الْتَقَیَا اصْطَکَّتْ رُکْبَتَاهُ وَ تَخَلَّعَتْ اَوْصَالُهُ وَ نَادٰی یَا وَیْلَهُ مَا لَقِیَ مِنَ الثُّبُوْرِ'' ''جب تک دو مسلمانوں کے درمیان اختلاف باقی رہتا ہے شیطان مسلسل مسکراتا رہتا ہے لیکن جب ان دونوں کے تعلقات استوار ہوتے ہیں تو اس کے پیر لڑکھڑا جاتے ہیں اور اس کا جوڑ جوڑ کھل جاتا ہے اور وہ چیخ کر کہتا ہے ہائے میں تباہ وبرباد ہو گیا۔''(۳)

ان روایات کے مطابق مومنین کے درمیان میل محبت اور بھائی چارہ ہی اصل ایمان ہے

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۹۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۶

(۳) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۷

اور ایک دوسرے سے اختلاف اور جھگڑا کے ذریعہ قطع تعلق شیطانی عمل ہیں۔ لہٰذا جس قدر ممکن ہو اختلاف و [illegible] رہیں لڑائی جھگڑا کرنا اور آپسی اختلافات جتنا برا اور قبیح ہے، مومنین کے درمیان [illegible] و محبت اور بھائی چارہ کا رشتہ قائم کرنے کی اتنی ہی اہمیت اور عظمت ہے اور خدا کے نزدیک اس کا اتنا ہی بلند مرتبہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ﴾ "مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح وصفائی قائم رکھو۔"(۱)

دوسری آیت میں یہ حکم موجود ہے ﴿فَاتَّقُوْا اللّٰہَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ﴾ "لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو۔"(۲)

تیسری آیت بھی ملاحظہ فرمایئے۔

﴿لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْراً عَظِیْماً﴾

"ان لوگوں کی اکثر راز کی باتوں میں کوئی خیر نہیں ہے مگر وہ شخص جو کسی صدقہ، کار خیر یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے اور جو بھی یہ سارے کام رضائے الٰہی کے لئے انجام دے گا ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔"(۳)

---

(۱) سورۂ حجرات: آیت ۱۰

(۲) سورۂ انفال: آیت ۱

(۳) سورۂ نساء آیت ۱۱۴



پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلَا اُخْبِرُکَ وَ اُدُلُّکَ عَلٰی صَدَقَةٍ یُحِبُّهَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُهُ؟ تُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ اِذَا تَفَاسَدُوْا وَ تَبَاعَدُوْا"

"کیا تمہیں اس صدقہ کی خبر نہ دوں اور اس صدقہ کی طرف رہنمائی نہ کروں جسے خدا اور رسول پسند کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر لوگوں میں اختلاف اور دوری پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت (صلح وصفائی) کرادو۔"(۱)

اس کے مثل ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے:

"صَدَقَةٌ یُحِبُّهَا اللّٰہُ اِصْلَاحٌ بَیْنَ النَّاسِ اِذَا تَفَاسَدُوْا وَ تَقَارُبٌ بَیْنَهُمْ اِذَا تَبَاعَدُوْا"

"جو صدقہ خدا کو پسند ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگوں میں جھگڑا ہو جائے تو صلح کرا دی جائے اور جب ان کے درمیان دوریاں پیدا ہو جائیں تو قربت پیدا کر دی جائے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے پہلے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اپنی دیگر اولاد حتی اپنے چاہنے والوں سے یہ وصیت فرمائی تھی:

"اُوْصِیْکُمَا وَ جَمِیْعَ وُلْدِیْ وَ اَهْلِیْ وَ مَنْ بَلَغَهُ کِتَابِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَ نَظْمِ اَمْرِکُمْ وَ صَلَاحِ ذَاتِ بَیْنِکُمْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ جَدَّکُمَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَ الصِّیَامِ"

---

(۱) کنز العمال: ج ۳، ص ۵۹، حدیث ۵۴۸۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۶

"تم دونوں اور اپنی تمام اولاد، اہل خانہ، اور جس تک میری یہ تحریر پہونچے ان سب سے میری یہ وصیت ہے کہ تقوائے الٰہی اختیار کریں اپنے کاموں میں نظم وضبط اور آپس میں اچھے تعلقات قائم رکھیں. کیونکہ میں نے تمہارے جد رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مومنین کے درمیان مصالحت کرانا عام نماز اور روزوں سے بھی بہتر ہے۔"(۱)

اس درس میں مذکور آیات وروایات سے بخوبی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا، ان کی غلط فہمیوں کو دور کر کے ان کی دشمنیوں کو ختم کرنا اور ان کے برادرانہ روابط کو مستحکم سے مستحکم بنانا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ومحبت بھر دینے کی اہمیت کتنی زیادہ ہے لیکن اس کی بہتر وضاحت کے لئے دو مزید چیزوں کی طرف مزید توجہ ضروری ہے۔

۱۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نزدیک مومنین کے درمیان مصالحت کرانے کی اس قدر اہمیت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چاہنے والوں کے اختلافات دور کرانے کی خاطر ایک رقم مخصوص کر رکھی تھی اور جناب مفضل ؒ کو یہ تاکید کی تھی۔ "اِذَا رَاَیتَ بَینَ اِثنَینِ مِن شِیعَتِنَا مُنَازَعَۃً فَافتَدِھَا مِن مَالِی" "جب تم ہمارے شیعوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھنا تو میرے مال کے ذریعہ اس کو رفع دفع کرا دینا۔"(۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یوں نقل ہوا ہے:

ابو حنیفہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے چاہنے والے تھے اور ان کا مشغلہ حاجیوں کے کاروان کی سار بانی تھا. وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میرے برادر نسبتی سے میراث کے معاملہ میں میری کچھ اَن بن ہوگئی اسی وقت وہاں مفضل پہونچ گئے اور کچھ دیر رکے رہے تا کہ انھیں یہ اندازہ ہو جائے کہ

(۱) بحار انوار ج ۴۲، باب ۱۲۷، حدیث ۵۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۸



ہمارے درمیان اختلاف کس بات پر ہوا ہے. پھر انہوں نے ہم دونوں سے کہا کہ آپ حضرات میرے گھر چلیں! جب ہم ان کے گھر پہونچے تو انہوں نے چار سو درہم دیکر ہمارے درمیان صلح کرادی اور ہم نے ایک دوسرے سے رضایت کا اعلان کر دیا تو مفضل نے کہا۔ کہ یہ میرا مال نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے میرے حوالہ کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ جب دو مومنوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھوں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کروں۔(۱)

۲۔ سب کو بخوبی معلوم ہے کہ جھوٹ کتنا بڑا گناہ ہے اور قرآن کریم اور روایات میں اس کی کتنی سخت مذمت کی گئی ہے لیکن اگر اس غلط بیانی سے دو مومنین کے بگڑے ہوئے تعلقات بحال ہو جائیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے لہٰذا جن جگہوں پر غلط بیانی سے کام لینا صحیح ہے ان میں سے ایک جگہ مومنین کے درمیان صلح بھی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "اِنَّ المُصلِحَ لَیسَ بِکَذَّابٍ" "مصالحت کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا ہے۔"(۲)

آپ نے اپنے ایک چاہنے والے سے یہ جملہ اس وقت کہا تھا جب اسے اپنے دو شیعوں کے درمیان صلح کرانے بھیجا تھا اور یہ نصیحت کی تھی کہ ان دونوں سے میری طرف سے اس طرح کہنا تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کا پیغام تو ان تک پہونچا ہی دونگا اور کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کر دونگا یہ جھوٹ تو نہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا تھا: "نَعَم، اِنَّ المُصلِحَ لَیسَ بِکَذَّابٍ اِنَّمَا ھُوَ الصُّلحُ لَیسَ بِکَذِبٍ" "ہاں! تمہارا یہ کام اصلاح ہے نہ کہ جھوٹ اور صلح کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا ہے۔"(۳)

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۴۸

(۳) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۱۲

## خلاصہ:

مومنین کو خوش کرنا بھی اسلامی اخلاقیات کا حصہ ہے جس کے مختلف طریقے ہیں۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ مومنین کے دلوں سے ایک دوسرے کی کدورت ختم کر کے ان کے درمیان محبت اور بھائی چارہ پیدا کیا جائے۔

اسلام میں اس کی بہت زیدہ اہمیت ہے اور اس کا بیحد ثواب بیان کیا گیا ہے اور معصومین علیہم السلام نے بھی اس کی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔

## سوالات:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں خدا کا سب سے محبوب کام کیا ہے؟

۲۔ کیا صرف مالی مدد کے ذریعہ ہی مومنین کو خوش کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ روایات کی روشنی میں بتایئے کہ مومنین کے درمیان صلح ہو جانے سے شیطان کیوں افسردہ رہتا ہے؟

۴۔ امام صادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کے اختلافات دور کرنے کے لئے رقم کیوں مخصوص کر رکھی تھی؟

۵۔ مومنین کے درمیان صلح کرانے کے لئے غلط بیانی کیوں درست ہے؟

# سولہواں سبق

## یتیموں اور غریبوں کی سرپرستی

مومنین کو خوش کرنے کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ یتیم اور غریب بچوں کی سرپرستی اور کفالت بھی ہے۔ اسلام، پیار و محبت کا مذہب ہے اسلام ان بچوں کے سر پر دست شفقت رکھنا چاہتا ہے جن کے ماں باپ، دونوں یا ان میں سے کوئی ایک دنیا سے چلا گیا ہو اور ان کا کوئی بھی سرپرست نہ ہو. اسلام نے ان بچوں کے راحت و آرام کے انتظام کو بے حد اہمیت دیتا ہے چنانچہ اسے تمام مومنین کا مشترکہ فریضہ قرار دیا ہے جیسا کہ رب کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى﴾ "کیا اس نے تم کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی؟"(۱)

اس کے بعد آپؐ کو یہ تاکید کی گئی. ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ "لہٰذا اب تم یتیم پر سختی نہ کرنا"(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت ولادت اپنے والد گرامی کے سایہ سے تو محروم تھے ہی، بچپن میں اپنی والدہ گرامی کی شفقتوں سے بھی محروم ہو گئے تھے اور آپ نے یتیمی کی مشکلات اور زحمتوں کی تلخیوں

---

(۱) سورۂ ضحیٰ. آیت ۶

(۲) سورۂ ضحیٰ: آیت ۹

بھی مومنین کا ایک فریضہ ہے جس کی تاکید متعدد آیات اور روایات میں موجود ہے جیسا کہ پہلے بھی یہ آیت گذر چکی ہے۔ ﴿وأمّا اليتيم فلا تقهر﴾ یعنی خدا نے پیغمبر ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ یتیموں پر سختی نہ کریں انہیں اپنے سے دور نہ کریں اور ان سے غصہ سے بات نہ کریں اس سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ ان کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کا انتظام کردیا جائے بلکہ ان کے سر پر دست شفقت پھیرنا اور اپنے بچوں کی طرح ان سے برتاؤ کرنا بھی شامل ہے۔

قرآن مجید میں ہی دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَ لَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾ "ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے ہو اور لوگوں کو مسکینوں کے کھانوں پر آمادہ نہیں کرتے ہو۔"(۱)

مذکورہ آیت میں صاف طور پر یتیم کے اکرام واحترام اور اس کی عزت کرنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس کی عزت افزائی اور اس کا احترام کا مرتبہ کھانا کھلانے سے ایک درجہ بلند ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی یتیم کو کسی قسم کی مالی ضرورت نہ ہو مثلاً اسے باپ کی میراث میں دولت ملی ہو لیکن پھر بھی اسے دوسروں کے پیار ومحبت کی ضرورت کا احساس رہے گا اور معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح اس کے دل میں بھی یہ تمنا رہے گی کہ اس کا احترام کیا جائے اور اسے کسی موقع پر فراموش نہ کیا جائے۔ لیکن ہم نے جو آیت ذکر کی ہے اس میں جب مسکین کا ذکر کیا گیا تو اسے کھانا کھلانے اور سیر کرنے کا تذکرہ ہے کیونکہ وہ ضرورت مند ہوتا ہے لہٰذا اسکو زبانی پیار ومحبت سے کچھ حاصل نہ ہوگا اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ☆ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ☆ وَ لَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾ "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو

---

(۱) سورۂ فجر: آیت ۱۷/۱۸



یتیم کو دھکا دیتا ہے اور کسی کو مسکین کے کھانے کے لئے تیار نہیں کرتا۔"(۱)

ان آیات میں یتیم کی طرف سے بے توجہی اور اسے جھڑکنے کے ساتھ ساتھ مسکین کی مالی امداد کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح رہے کہ یتیم کو جھڑکنا اور مسکین کی امداد نہ کرنا دین کی تکذیب اور کفر کے برابر ہے۔

روایات میں یتیموں کے قلبی جذبات اور احساسات پر بیحد توجہ دی گئی ہے اور مومنین کرام کو حتی الامکان اس بارے میں ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ وَضَعَ يَدَهُ عَلَىٰ رَأْسِ يَتِيمٍ تَرَحُّماً كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ تَمُرُّ يَدُهُ عَلَيْهَا حَسَنَةٌ" "جو شخص یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا خداوند عالم ان تمام بالوں کی تعداد کے برابر اسے نیکیاں عنایت فرمائے گا۔"(۲)

پیغمبر اکرم ﷺ کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں موجود تھا اسی وقت ایک بچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی! میں یتیم ہوں میری ایک بہن اور بیوہ ماں بھی ہے خداوند عالم نے آپ کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے ہمیں بھی عنایت فرمادیجئے تاکہ رب کریم اپنے خزانہ سے آپ کو اتنا عطا فرمائے کہ آپ خوش ہوجائیں آپ نے اس کی طرف رخ کرکے فرمایا بیٹا تم نے کتنی حسین بات کہی ہے پھر جناب بلال سے فرمایا کہ جاؤ ہمارے یہاں جو کچھ ہے وہ لے آؤ جناب بلال گئے اور ۲۱ عدد کھجوریں لے آئے وہ کھجوریں آپ نے اس یتیم بچہ کو دیدیں اور فرمایا کہ ۷ عدد تمہارے لئے اور ۷ تمہاری بہن کے لئے اور ۷ عدد تمہاری والدہ کیلئے ہیں۔

---

(۱) سورۂ ماعون: آیت ۱/۳

(۲) کنز العمال، ج۳، ص۱۷۷

اسوقت جناب معاذ بن جبل کھڑے ہوئے انھوں نے اس یتیم بچے کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے اسے یہ دعا دی کہ خداوند عالم تمہاری یتیمی کا ازالہ فرمائے اور تمہیں اپنے والد کا بہترین وارث قرار دے (اس کا باپ ایک مسلمان مہاجر تھا)

پیغمبر اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل سے پوچھا تم نے کس نیت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا؟

انہوں نے عرض کیا کہ میں نے تو صرف شفقت کی خاطر ایسا کیا تھا! تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لا يَلِيْ أَحَدٌ مِنكُمْ يَتِيماً فَيُحْسِنُ وِلايَتَهُ وَ وَضَعَ يَدَهُ عَلى رَاسِهِ اِلَّا كَتَبَ اللّهُ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةً وَ مَحَا عَنْهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَيِّئَةً وَ رَفَعَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ دَرَجَةً" "تم میں سے جو کوئی بھی کسی یتیم کی اچھی طرح کفالت کرے اور اس کے سر پر دست شفقت رکھے گا تو خداوند عالم اس کے سر کے تمام بالوں کے برابر اسے حسنات عطا کرے گا اور تمام بالوں کے برابر اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور تمام بالوں کے برابر جنت میں اس کے درجات کو بلند فرمادے گا۔"

دوسری روایت میں پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ نقل ہوا ہے:

"اِنَّ الْيَتِيمَ اِذَا بَكىٰ اِهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ فَيَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالىٰ: مَنْ هٰذَا الَّذِى اَبْكىٰ عَبْدِىَ الَّذِى سَلَبْتُهُ اَبَوَيْهِ فِى صِغَرِهِ. فَبِعِزَّتِى وَ جَلالِى لَا يُسْكِتُهُ اَحَدٌ اِلَّا اَوْجَبْتُ لَهُ الْجَنَّةَ"

"جب کوئی یتیم روتا ہے تو اس کے لئے عرش الٰہی ہل جاتا ہے اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جس نے میرے اس بندے کو رلایا ہے جس سے میں نے اس کے بچپنے میں اس کے ماں باپ کو واپس لے لیا ہے؟ لہٰذا میری عزت وجلالت کی قسم جو اس کو خاموش کرے گا مگر میں اس



کے لئے جنت واجب کردوں گا۔"(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"اَتُحِبُّ اَنْ يَلِيْنَ قَلْبُكَ وَ تُدْرِكَ حَاجَتَكَ؟ اِرْحَمِ الْيَتِيمَ وَ امْسَحْ رَاْسَهُ وَ اَطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِكَ يَلِنْ قَلْبُكَ وَ تُدْرِكْ حَاجَتَكَ"

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہوجائے اور تمہاری حاجت پوری ہوجائے اس کے لئے یتیم کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اس کے سر پر دست شفقت پھیرو اور اسے اپنے کھانے میں سے کھلاؤ تو تمہارا دل نرم ہوجائے گا اور تمہاری حاجت پوری ہوجائے گی۔"

ائمہ معصومین علیہم السلام کی یتیم نوازیوں کے بے شمار زرین واقعات دامن تاریخ میں محفوظ ہیں۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ تو مومنین کے اوپر یتیموں کے حقوق تھے لیکن بالکل اسی طرح کے حقوق غریبوں اور حاجت مندوں کے بھی ہیں جو سماج کے سرمایہ دار طبقہ کے اوپر ہیں کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی فقیر اور غریب باقی نہ رہے لہٰذا اس نے صاحبان مال و دولت کے کاندھوں پر اس کی ذمہ داری رکھی ہے اور اس کے لئے انہیں زکات خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ پروردگار عالم نے قرآن کریم میں دو مقامات پر سچے متقیوں اور پرہیزگاروں کی یہ صفت قرار دی ہے کہ وہ اپنے اموال میں فقیروں اور غریبوں کا ایک حق محفوظ رکھتے ہیں جیسا کہ سورۂ ذاریات میں ارشاد ہے:

---

(۱) بحار الانوار: ج۵۷، باب۳۱، حدیث۱۲

﴿و فیٓ أموالهم حقٌ للسّآئل و المحرُوم﴾

"اوران کے اموال میں مانگنے والے اورنہ مانگنے والے محروم افراد کے لئے ایک حق تھا۔"(۱)

سورۂ معارج میں سچے نمازیوں کی تعریف کرتے ہوئے پروردگار عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے

﴿والّذین فیٓ أموالهم حقٌ معلومٌ للسّآئل و المحرُوم﴾ "اور جن کے اموال میں ایک مقررہ حق معین ہے مانگنے والے کے لئے اورنہ مانگنے والے کے لئے۔"(۲)

ان دونوں آیتوں میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم اگر غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں تو ہمیں یہ خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے مال سے انہیں دے رہے ہیں اور ان پر یہ ہمارا احسان ہے لیکن ان دونوں آیات میں لفظ حق کے ذریعہ یہ صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ سچے مومنین وہ ہیں جن کے مال میں ایک حصہ غریبوں کا بھی ہوتا ہے اور وہ حصہ غریبوں کا حق ہے نہ کہ صاحب مال کا سرمایہ کیونکہ خداوند عالم کی نظر میں اتنا حصہ ان کا مال نہیں ہے کہ انہیں اس میں تصرف کا حق حاصل ہو لہٰذا جب وہ اسے فقراء کو دیتے ہیں تو در حقیقت یہ ان کا وہ حق اور قرض ہے جو انہوں نے واپس کیا ہے نہ کہ اپنے پاس سے کوئی اور چیز دی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا حق، قرض یا اس کی امانت واپس کرے تو پھر واپس کرنے والے کو احسان جتانے کا حق نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے متعدد بار لوگوں کو غریبوں کی امداد کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ خبردار ان کے اوپر احسان نہ جتانا سورۂ بقرہ کی ۲۶۴ ویں آیت ملاحظہ فرمائیے۔

﴿یآ أیُّها الّذینَ آمنُوا لاتُبطلُوا صدقاتِکُم بالمنّ و الأذیٰ﴾

"اے ایمان لانے والو اپنے صدقات (خیرات) کو غریبوں پر احسان جتا کر اور ان کو اذیت دے کر ضائع نہ کرو۔"(۳)

---

(۱) سورۂ ذاریات آیت ۱۹

(۲) سورۂ معارج آیت ۲۴، ۲۵

(۳) سورۂ بقرہ آیت ۲۶۴



## خلاصہ:

مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ یتیموں اور غریبوں کی امداد بھی ہے۔

یتیموں کی سرپرستی اور ان کی مالی، روحانی اور دیگر ضروریات پوری کرنا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

مالی امداد سے مراد یہ ہے کہ ان کی غذا، کپڑے، گھر اور تعلیمی ضروریات کو پورا کیا جائے اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پیار و محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے اور ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

البتہ یتیموں کے برخلاف حاجت مندوں کو عام طور سے صرف مالی امداد کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔

کیونکہ ان حقوق کی ادائیگی مومنین کی ذمہ داری ہے لہٰذا کسی قسم کا احسان جتانے کا حق نہیں ہے۔

## سوالات:

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے یتیموں کے بارے میں کیا تاکید فرمائی ہے؟

۲۔ مختصر طور سے بیان کیجئے کہ یتیموں کی سرپرستی کرنے والوں کا انعام اور جزا کیا ہے؟

۳۔ یتیموں کی ضروریات کس طرح پوری ہوتی ہیں؟

۴۔ یتیم کو خوش کرنے والے سے پروردگار عالم نے کیا وعدہ فرمایا ہے؟

۵۔ غریبوں اور یتیموں کی ضروریات کے درمیان کیا فرق ہے؟

۶۔ غریبوں کی مدد کرنے کے بعد منت اور احسان جتانا کیوں صحیح نہیں ہے؟

# سترہواں سبق

## عیادت

مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی بھی مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ اور اسلامی اخلاقیات کا جزء ہے بیماروں سے ملاقات کر کے ان کی مزاج پرسی کرنا ضروری ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اس سے مومنین خوش ہوتے ہیں اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟ اور مومنین کو اس سلسلے میں کیا تاکیدات کی گئی ہیں اور تیسرے یہ کہ کسی مریض کی عیادت کے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟ اسلام میں عیادت کے آداب اور طریقے کیا ہیں؟

اس درس میں ہم انہیں تینوں عنوانات کی وضاحت پیش کریں گے۔

الف: عیادت

ایک دوسرے پر مومنین کے جو حقوق ہیں ان میں سے ایک حق مریضوں کی عیادت بھی ہے اور گذشتہ سبق میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ اگر کوئی چیز حق ہونے کے لحاظ سے ضروری ہو تو پھر وہ ایک فریضہ ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کرنا خیانت ہے اور چونکہ یہ حق ہے لہٰذا اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے بدلے شکریہ کی تمنا، یا احسان جتانا بھی صحیح نہیں ہے اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے: "مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ اِذَا لَقِیَهُ اَنْ



یُسَلِّمَ عَلَیْهِ وَ اِذَا مَرِضَ اَنْ یَعُوْدَهُ وَ اِذَا مَاتَ اَنْ یُشَیِّعَ جَنَازَتَهُ" "ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے اور اگر مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرے اور اگر دنیا سے رحلت کر جائے تو اس کی تشییع جنازہ میں شریک ہو۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"لِلْمُسْلِمِ عَلٰی اَخِیْهِ ثَلَاثُوْنَ حَقًّا لَا بَرَائَةَ لَه مِنْهَا اِلَّا بِالْاَدَاءِ اَوِ الْعَفْوِ... یَعُوْدُ مَرْضَتَهُ" "ایک مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کے تیس حق ہیں جن سے ہرگز چھٹکارہ ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ ان کو ادا کرے یا وہ خود معاف کر دے۔ ان حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ مریض ہو جائے تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کرے۔"(۲)

جناب معلی بن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مولا یہ فرمایئے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا کیا حق ہے؟

"قَالَ علیہ السلام سَبْعُ حُقُوْقٍ وَاجِبَاتٍ مَا مِنْهُنَّ حَقٌّ اِلَّا وَ هُوَ عَلَیْهِ وَاجِبٌ، اِنْ ضَیَّعَ مِنْهَا شَیْئًا خَرَجَ مِنْ وِلَایَةِ اللّٰهِ وَ طَاعَتِهِ وَ لَمْ یَکُنْ لِلّٰهِ فِیْهِ مِنْ نَصِیْبٍ. قُلْتُ لَهُ: جُعِلْتُ فِدَاکَ وَ مَا هِیَ؟ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: یَا مُعَلّٰی اِنِّیْ عَلَیْکَ شَفِیْقٌ اَخَافُ اَنْ تُضَیِّعَ وَ لَا تَحْفَظَ وَتَعْلَمَ وَلَا تَعْمَلَ. فَقُلْتُ لَهُ: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اَیْسَرُ حَقٍّ مِنْهَا اَنْ تُحِبَّ لَهُ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَتَکْرَهَ لَهُ مَا تَکْرَهُ لِنَفْسِکَ.... وَ الْحَقُّ السَّابِعُ اَنْ تَبَرَّ قَسَمَهُ وَ تُجِیْبَ دَعْوَتَهُ وَ تَعُوْدَ مَرِیْضَهُ وَ تَشْهَدَ جَنَازَتَهُ وَ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ لَهُ حَاجَةً

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۳۵۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۵، حدیث ۳۶

تُبَادِرُهُ اِلیٰ قَضَائِهَا لاَ تُلْجِئَهُ اَنْ.....‘‘

’’آپؑ نے فرمایا: ایک مسلمان کی گردن پر دوسرے مسلمان کے سات واجب حقوق ہیں جوسب کے سب واجب ہیں اگران کی ادائیگی میں تھوڑی بھی کوتاہی کی تو وہ خداوند عالم کی دوستی اور اطاعت سے خارج ہوجائے گا.اور خدا کو اس کی بندگی سے کچھ حاصل نہیں ہے (گویا اس نے خدا کی بندگی ہی نہیں کی ہے) میں نے عرض کی ذرا فرمائیں کہ وہ حقوق کیا ہیں؟ فرمایا: اے معلّیٰ مجھے ڈر ہے کہ تم ان کو ضائع کردو اور ان کی حفاظت نہ کرسکو اور جاننے کے باوجود انہیں ادا نہ کرو۔ میں نے عرض کی ’’لاقُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ‘‘ اللہ کے علاوہ کوئی قوت وطاقت نہیں ہے آپؑ نے فرمایا کہ ان میں سب سے آسان حق یہ ہے کہ اس کے لئے وہی سب کچھ پسند کرو جو تمہیں اپنے لئے پسند ہے اور اس کے لئے ہر اس چیز کو ناپسند رکھو جو خود تمہیں پسند نہیں ہے.اور اس کا ساتواں حق یہ ہے کہ اس کی قسم اور اس کی دعوت کو قبول کرلو، مریض ہوجائے تو اس کی عیادت کرو، مرجائے تو اس کی میت میں شریک ہو اور جیسے ہی تمہیں یہ اطلاع ملے کہ اس کو کوئی ضرورت درپیش ہے تو اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی اسے پورا کردو۔‘‘(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہی ایک صحابی جناب معاویہ بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

یہ فرمایئے کہ اپنے اعزاء واقرباء سے اور جن لوگوں سے ہمارے تعلقات ہیں ان کے ساتھ ہمیں کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہئے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ: قالَ علیہ السلام تُؤَدُّوْنَ الأَمَانَةَ اِلَيْهِمْ وَ تُقِيْمُوْنَ الشَّهَادَةَ لَهُمْ وَعَلَيْهِمْ وَتَعُوْدُوْنَ مَرْضَاهُمْ وَ تَشْهَدُوْنَ جَنَائِزَهُمْ‘‘ ’’ان کی امانتوں کو

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴ باب ۱۵ حدیث ۴۰



واپس کرو ان کے بارے میں گواہی دو چاہے وہ ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف اور ان کے بیماروں کی مزاج پرسی کرو اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔‘‘(۱)

اس قسم کی تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو گویا اس کا وہ حق ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ تھا اور اس طرح اس کی امانت واپس کی ہے.لہٰذا اس عمل سے جس طرح دوسرا مومن خوش ہوتا ہے اسی طرح وہ خود بھی خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے اپنا فریضہ اچھی طرح انجام دے دیا ہے اور خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے اور اس طرح عیادت کرنے والے کو دوہری خوشی حاصل ہوجاتی ہے.اور خداوند عالم بھی اس کی طرف نظر کرم کرتا ہے اور اس کا بے حد ثواب ہے جس کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔

## ب: عیادت کی تاکید

اسلام نے اگرچہ مریضوں کی عیادت کو برادران اسلامی کا واجب حق قرار دیا ہے اور اس کو ایک شرعی اور دینی فریضہ کہا ہے اس کے باوجود اس نے اس کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے ہیں انہیں طریقوں میں ایک طریقہ وہ بھی ہے جس میں معصومین علیہم السلام نے عیادت کے بے شمار فوائد اور اس کی جزا بیان کی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱. ’’اِذَاعَادَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ وَ زَارَهُ قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاکَ وَ تَبَوَّأْتَ مَنْزِلاً فِي الْجَنَّةِ‘‘

’’جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے اس سے ملاقات کرتا ہے

(۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۶۳۵

تو خداوند عالم فرماتا ہے تم پاک و پاکیزہ رہو اور تمہارا راستہ بھی صاف ستھرا رہے تم نے جنت میں اپنے لئے ایک گھر بنا لیا ہے۔"(۱)

۲۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: "أَيُّمَا مُؤْمِنٍ عَادَ مُؤْمِناً مَرِيضاً فِيْ مَرَضِهِ حِيْنَ يُصْبِحُ شَيَّعَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ فَإِذَا قَعَدَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ وَ اسْتَغْفَرُوْا لَهُ حَتّىٰ يُمْسِيَ وَ اِنْ كَانَ مَسَاءً كَانَ لَهُ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّىٰ يُصْبِحَ" "جب کوئی مرد مومن کسی مریض کی عیادت کے لئے صبح کو جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں اور جب وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہے تو رحمت الٰہی اسے گھیر لیتی ہے اور یہ فرشتے اس کے لئے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت وہ عیادت کرتا ہے تو صبح تک یہی صورت حال رہتی ہے۔"(۲)

۳۔ آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے:

"يُعَيِّرُ اللّٰهُ عَزَّوَ جَلَّ عَبْداً مِنْ عِبَادِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ: عَبْدِي! مَا مَنَعَكَ إِذَا مَرِضْتُ أَنْ تَعُوْدَنِي فَيَقُوْلُ: سُبْحَانَكَ! أَنْتَ رَبُّ الْعِبَادِ لَا تَأْلَمُ وَ لَا تَمْرَضُ. فَيَقُوْلُ: مَرِضَ أَخُوْكَ الْمُؤْمِنُ فَلَمْ تَعُدْهُ وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِيْ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ ثُمَّ لَتَكَفَّلْتُ لِحَوائِجِكَ فَقَضَيْتُهَا لَكَ وَ ذٰلِكَ مِنْ كَرَامَةِ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ وَ أَنَا الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ"

"خداوند عالم روز قیامت اپنے ایک بندہ کی ملامت کرتے ہوئے اس سے کہے گا کہ اے میرے بندے کیا وجہ تھی کہ جب میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی تھی؟ تو وہ (گھبرا کر) جواب دے گا: تو پاک و منزہ ہے تو تمام بندوں کا رب ہے تجھے کبھی نہ درد ہوتا ہے اور نہ کوئی مرض۔ تو ارشاد رب العزت ہوگا "تیرا ایک مومن بھائی بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی

---

(۲،۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۱۲۰، حدیث ۶



میرے عزت و جلال کی قسم اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے نزدیک ہی پاتا اور میں تیری حاجات کا ضامن ہوتا اور تیرے لئے ان کو پورا کر دیتا اور یہ سب اپنے اس مومن بندے کے احترام کے باعث کرتا میں رحمٰن و رحیم ہوں۔"(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: "كَانَ فِيْمَا نَاجىٰ بِهِ مُوْسىٰ بْنِ عِمْرَانَ رَبَّهُ عَزَّوَ جَلَّ أَنْ قَالَ لَهُ: يَا رَبِّ! مَا بَلَغَ مِنْ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ مِنَ الأَجْرِ؟ قَالَ: أُوَكِّلُ بِهِ مَلَكاً يَعُوْدُهُ فِيْ قَبْرِهِ إِلىٰ مَحْشَرِهِ" "حضرت موسیٰ نے اپنی مناجات میں پروردگار عالم سے یہ سوال کیا کہ پروردگار! مریض کی عیادت کرنے والے کا ثواب کیا ہے؟ تو پروردگار عالم نے جواب دیا میں اس کے لئے ایک فرشتہ معین کر دوں گا جو قبر سے محشر تک اس کی عیادت کرتا رہے گا۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ عَادَ مَرِيْضاً فِيْ اللّٰهِ لَمْ يَسْأَلِ الْمَرِيْضُ لِلْعَائِدِ شَيْئاً إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ" "جو شخص خدا کی خوشنودی کے لئے کسی مریض کی عیادت کرتا ہے اور مریض اس کے لئے کوئی دعا کرتا ہے تو خداوند عالم اسے ضرور قبول کرتا ہے۔"(۳)

مذکورہ روایات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مریض کی عیادت کے باعث گناہ بخش دیے جاتے ہیں حاجتیں پوری ہوتی ہیں. خداوند عالم کی نظر کرم ہوتی ہے اور فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور جنت میں جگہ ملتی ہے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۵، حدیث ۷۵

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۱۱

(۳) گذشتہ حوالہ: حدیث ۱۰

## ج: عیادت کرنے کا طریقہ

جس طرح دنیا کے ہر کام اور رسم کے کچھ طور طریقہ اور آداب وقوانین ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے عیادت کے بھی آداب بیان کئے ہیں۔

۱۔ ہدیہ لیجانا جس چیز سے مریض کا دل خوش ہو اسی قسم کا ہدیہ پیش کرے پیغمبر اکرمؐ نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ: "مَنْ أَطْعَمَ مَرِيضاً شَهْوَتَهُ أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ" "جو شخص کسی مومن مریض کو اس کی پسندیدہ چیز کھلائے گا تو خداوند عالم اس کو جنت کے میوے کھلائے گا۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست مریض ہو گئے تھے اور ہم ان کی عیادت کے لئے جا رہے تھے راستہ میں امامؑ سے ملاقات ہوگئی۔ "فَقَالَ قِفُوا، فَوَقَفُوا قَالَ: مَعَ أَحَدِكُمْ تُفَّاحَةٌ أَوْ سَفَرْجَلَةٌ أَوْ أُتْرُجَةٌ أَوْ لَعْقَةٌ مِنْ طِيبٍ أَوْ قِطْعَةٌ مِنْ عُودِ بَخُورٍ؟ قَالُوا مَا مَعَنَا مِنْ هَذَا شَيْءٌ. قَالَؑ: أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ الْمَرِيضَ يَسْتَرِيحُ إِلَى كُلِّ مَا أُدْخِلَ بِهِ عَلَيْهِ" "امامؑ نے دریافت فرمایا آپ حضرات کہاں تشریف لے جا رہے ہیں ہم نے عرض کی ایک مریض کی عیادت کے لئے! فرمایا کیا اس کے لئے کوئی تحفہ جیسے پھل یا عطر وغیرہ لے جا رہے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں تو آپؑ نے فرمایا کیا آپ حضرات کو نہیں معلوم کہ مریض کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے اس سے اسکو سکون حاصل ہوتا ہے۔"(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج۸۱، باب۳، حدیث۳۲

(۲) بحار الانوار: ج۸۱، باب۳، حدیث۳۹



۲۔ عجلت سے کام لینا:- عیادت کا دوسرا ادب یہ ہے کہ زیادہ دیر تک مریض کے پاس نہ بیٹھے۔ کیونکہ مریض عام طور سے درد اور مشکلات سے دوچار ہوتا ہے اسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور دیر تک عیادت کرنے سے اسے تھکان ہونے لگتی ہے اور ضرورت کے مطابق آرام نہیں مل پاتا اس لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "خَيْرُ الْعِيَادَةِ أَخَفُّهَا" "بہترین عیادت وہ ہے جو بالکل مختصر ہو۔"(۱)

اس طرح آپؐ نے فرمایا: "اَلْعِيَادَةُ قَدْرَ فَوَاقِ نَاقَةٍ" "بیمار کی عیادت صرف اتنی دیر کی ہونا چاہئے جتنی دیر میں اونٹ بیٹھتا ہے۔"(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے۔ "إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْعُوَّادِ أَجْراً عِنْدَ اللهِ لَمَنْ إِذَا عَادَ أَخَاهُ خَفَّفَ الْجُلُوسَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَرِيضُ يُحِبُّ ذَلِكَ وَ يُرِيدُهُ" "مریض کی عیادت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثواب اس کے لئے ہے جو مریض کے پاس کم سے کم بیٹھے مگر یہ کہ مریض کو اس کی ضرورت ہو اور وہ خود اسے اپنے پاس رہنے کے لئے کہے۔"(۳)

۳۔ مریض کی مزاج پرسی اور اس کے لئے دعا کرنا۔

اس بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَيْهِ وَ يَسْأَلُهُ كَيْفَ هُوَ: كَيْفَ أَصْبَحْتَ وَ كَيْفَ أَمْسَيْتَ؟ وَ تَمَامُ تَحِيَّتِكُمُ الْمُصَافَحَةُ" "عیادت کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ مریض کے اوپر ہاتھ رکھ کر اس کا مزاج دریافت کرے کہ آپ کیسے ہیں دن کیسا گذرا، رات کیسی گذری اور سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ

---

(۱) کنز العمال: ج۹، ص۹۴، حدیث ۲۵۱۳۹

(۲) اصول کافی: ج۳، ص۱۱۸

(۳) بحار الانوار: ج۸۱، باب۴، حدیث۱

کرے۔"(۱)

آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "عُوْدُوْا الْمَرْضیٰ .... وَ تَدْعُوْا لِلْمَرِیْضِ، فَتَقُوْلُ اَللّٰهُمّ اشْفِهِ بِشِفَائِکَ وَ دَاوِهِ بِدَوَائِکَ وَ عَافِهِ مِنْ بَلَائِکَ" "مریضوں کی عیادت کرو اوران کے لئے یہ دعا کرو اَللّٰهُمَّ... بارالہا! اسے اپنی شفا کے ذریعہ شفا عطا فرما اپنی دوا کے ذریعہ اس کا علاج فرما اور اسے اپنی بلا سے محفوظ رکھنا۔"(۲)

۴۔ مریض کو تسلی دینا اور اس کے ارادہ اور نفسیات کو مضبوط کرنا بھی عیادت کا ایک حصہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا ہے: "اِذَا دَخَلْتُمْ عَلیٰ الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِیْ الْاَجَلِ فَاِنّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئاً وَ هُوَ یُطَیِّبُ النَّفْسَ" "جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے زندگی کی امید دلاؤ اس سے اگر چہ کوئی فرق بھی نہ پڑے لیکن اس کا دل ضرور مطمئن ہو جاتا ہے۔"(۳)

۵۔ عیادت کرتے وقت مریض یا اس کے اہل خانہ سے اپنی مہمانداری اور پذیرائی کی امید نہ رکھے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں اس سے منع کردے۔ کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو اس سے منع فرمایا ہے۔ "نَهیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَنْ یَاْکُلَ الْعَائِدُ عِنْدَ الْعَلِیْلِ فَیُحْبِطَ اللّٰهُ اَجْرَ عِیَادَتِهِ" "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مریض کے پاس کچھ کھانے سے منع فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کے پاس کچھ کھائے گا تو اس کی عیادت کا ثواب ختم ہو جائے گا۔"(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۲

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۳

(۴) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۱



## خلاصہ:

اسلامی آداب کا ایک حصہ نیز مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ مریضوں کی عیادت بھی ہے۔

اسلام نے اس کو مومنین کا ایک حق قرار دیا ہے اور اسکی ترغیب کے لئے اس کا بیحد ثواب ذکر کیا ہے۔

بیماروں کی عیادت کرنے کے کچھ آداب ہیں جیسے مریض کے پاس کم بیٹھنا، ہدیہ لیجانا، مزاج پرسی کرنا، ان کے لئے دعا کرنا اور ان کی ہمت افزائی کرنا نیز ان سے مہمانداری اور پذیرائی کی توقع نہ رکھنا۔

## سوالات:

۱۔ مریض کی عیادت مومنین کو خوش کرنے کا مصداق کیوں ہے؟

۲۔ اگر عیادت ایک حق ہو تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟

۳۔ خدا کی عیادت سے کیا مراد ہے؟

۵۔ عیادت کے آداب مختصر طور سے بیان کیجئے؟

۶۔ عیادت کے چند فوائد بیان فرمائیے؟

# اٹھارہواں سبق

## غم اور خوشی کے مواقع پر شرکت

مومنین کے لئے ضروری ہے کہ وہ پریشانیوں اور مشکلات میں پریشاں حال لوگوں کے کام آئیں اور اس کے علاوہ اپنے برادران ایمانی کی خوشی اور غم میں بھی ضرور شریک رہیں کیونکہ رشتہ داری اور دوستی ایسے ہی مواقع پر پرکھی جاتی ہے نیز دوسرے کی خوشی یا غم میں شرکت کرنا ''مومن کو خوش کرنے'' کا ایک اہم مصداق ہے جس کا تذکرہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔

کیونکہ ہر شخص کی زندگی میں خوشی یا غم کے ایسے بے شمار لمحات آتے ہیں جب وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے افراد بھی اس کی خوشیوں میں شریک ہوں یا اس کے غم میں شریک ہو کر اس کا غم ہلکا کریں جس سے اس کے دل کو بھی سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے. لہٰذا ایسے موقع پر کہ جب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے رشتہ دار یا دوست اور احباب ہمارے شریک حال رہیں ہمیں بھی ان کے غم اور خوشی میں اسی گرم جوشی سے شرکت کرنا چاہئے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی کے کام نہ آئیں اور سب لوگ ہمارے کام آتے رہیں۔

روایات میں مومنین کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ کو ''تآخی'' قرار دیا گیا ہے جو باب تفاعل سے ہے جس کے معنی میں ''دوطرفہ شرکت'' پائی جاتی ہے. یا ایک دوسرے سے ملاقات کو ''تزاوُر'' کہا گیا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ جب ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرے تو دوسرا بھی اسی طرح اس سے ملاقات کرنے جائے. لہٰذا اخوت اور دوستی، اسی وقت کامیاب کہلائے گی



جب اس میں دوطرفہ رابطہ پایا جائے۔

زندگی میں خوشی اور غم کے جو مختلف مواقع آتے ہیں ہم روایات کی روشنی میں ان میں سے صرف دو اہم مواقع کا تذکرہ کر رہے ہیں:

### ۱۔ دعوت قبول کرنا

برادران ایمانی کے جو حقوق ایک دوسرے کے ذمہ ہیں ان میں سے ایک حق ''مومنین کی دعوت کو قبول کرنا'' بھی ہے اور اس کو روایات میں باقاعدہ حق قرار دیا گیا ہے. جیسا کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

''مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ أَنْ یُجِیبَهُ إِذَا دَعَاهُ'' ''ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ اسے دعوت دے تو اسے قبول کر لے۔''(۱)

دوسری روایت میں مومن کی دعوت کو قبول نہ کرنے کو مومن کے اوپر ظلم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ: ''ثَلاثَةٌ مِنَ الْجَفَاءِ... أَنْ یُدْعَى الرَّجُلُ إِلَى طَعَامٍ فَلاَ یُجِیبُ أَوْ یُجِیبُ فَلا یَأْکُلُ...'' ''تین کام ظلم ہیں. ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی مومن کھانے پر مدعو کرے تو اسے قبول نہ کرے یا قبول تو کرلے مگر کھانا نہ کھائے۔''(۲)

امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''مِنَ الْحُقُوقِ الْوَاجِبَاتِ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ یُجِیبَ دَعْوَتَهُ'' ''ایک مومن کے اوپر دوسرے مومن کے واجب حقوق میں سے ایک یہ حق بھی ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے۔''(۳)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۸۹، حدیث ۵

(۲) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۱۱، حدیث ۵

(۳) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۸۹، حدیث ۶

مذکورہ روایت میں اس حق کو صریحاً واجب قرار دیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے. کیونکہ جب کوئی آدمی کسی کو دعوت دیتا ہے تو اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں البتہ عام طور سے ولیمہ یا کھانے کی دعوت کو ہی اصل دعوت کہا جاتا ہے. اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی دعوت کرتا ہے تو پھر مہمان کے شایان شان اہتمام بھی کرتا ہے اور اس پر رقم خرچ کرتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے تمام مہمان اس کی دعوت میں شریک ہوں چنانچہ اس دعوت میں شرکت سے ایک طرف تو میزبان کا دل خوش ہوتا ہے. جس سے مومن کو خوش کرنے کا ثواب ملتا ہے اور دوسری طرف مہمان کے احترام سے "احترام مومن" کا ثواب حاصل ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی مومن کو عذر کے بغیر اپنے برادر مومن کی دعوت ٹھکرانا نہیں چاہئے اسی بنا پر پیغمبر اکرم ﷺ نے مومن کی دعوت قبول کرنے کو دین کا حصہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپؐ کا ارشاد ہے:

"أُوصِي الشَّاهِدَ مِنْ أُمَّتِي وَ الغَائِبَ أَنْ يُجِيبَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ وَ لَوْ عَلَى خَمْسَةِ أَمْيالٍ فَإِنَّ ذَالِكَ مِنَ الدِّينِ" "اپنی امت کے ہر موجود اور غائب شخص سے میری وصیت ہے کہ مسلمان کی دعوت کو ضرور قبول کرے چاہے پانچ میل دور ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ یہ دین کا حصہ ہے۔"(۱)

دوسری حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ وَ يُكْرَهُ إِجَابَةُ مَنْ يَشْهَدُ وَلِيمَتَهُ الأَغْنِيَاءُ دُونَ الْفُقَرَاءِ" "جو شخص کسی کی دعوت قبول نہ کرے اس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے البتہ جس دعوت میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے اسمیں شرکت کرنا مکروہ ہے۔"(۲)

---

(۱) بحار الانوار, ج ۷۵, باب ۸۹, حدیث ۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵, باب ۸۹, حدیث ۱۱



اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے مسلمان کی دعوت رد کرنے کو خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی قرار دیا ہے, جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی دعوت کو قبول کرنا مومنین کے حق کے علاوہ خدا کے حکم کی اطاعت بھی ہے. ہاں اگر اس دعوت میں صرف مالداروں کو ہی مدعو کیا جائے تو پھر پیغمبر اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق اس میں شرکت نہیں کرنا چاہئے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مادی برتری کے تمام معیاروں کو ختم کر دیا ہے اور اسے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ صرف مال و دولت کی بنا پر کسی کو فضیلت دی جائے اور غربت کی بنا پر دوسرے لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اسلام کی نظر میں فضیلت اور برتری کا صرف ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

لہٰذا اگر کسی انداز احترام سے مال و دولت یا قومیت کی بو آتی ہو تو وہ اسلام کی نگاہ میں لائق مذمت ہے یہی وجہ ہے کہ جس دسترخوان پر صرف اہل دولت مدعو ہوں پیغمبر اکرم ﷺ نے وہاں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور یہی سبب تھا کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ بصرہ میں آپ کے گورنر جناب عثمان بن حنیف نے ایک ایسی ہی دعوت میں شرکت کی ہے تو آپؑ نے ان کی باقاعدہ تنبیہ فرمائی جیسا کہ نہج البلاغہ میں ان کے نام آپؑ کا یہ خط موجود ہے: "يَا ابْنَ حُنَيْفٍ فَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ رَجُلاً مِنْ فِتْيَةِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ دَعَاكَ إِلَى مَأْدُبَةٍ فَأَسْرَعْتَ إِلَيْهَا تُسْتَطَابُ لَكَ الأَلْوَانُ وَ تُنْقَلُ إِلَيْكَ الْجِفَانُ وَ مَا ظَنَنْتُ أَنَّكَ تُجِيبُ إِلَى طَعَامِ قَوْمٍ عَائِلُهُمْ مَجْفُوٌّ وَغَنِيُّهُمْ مَدْعُوٌّ"

"اے ابن حنیف مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بصرہ کے ایک جوان نے تمہاری دعوت کی تو تم فوراً پہونچ گئے اور تمہارے سامنے یکے بعد دیگرے رنگ برنگے کھانے اور طرح طرح کے خوان پیش کئے جا رہے تھے مجھے یہ امید نہ تھی کہ تم ایسی دعوت کو قبول کرو گے جہاں غریبوں کو نظر انداز کر کے

صرف مالداروں کو دعوت دی گئی ہے۔"(۱)

لہٰذا جب تک دعوت میں اسلامی احکام کے خلاف کوئی بات نہ ہو مومن کی دعوت کو رد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ مومن کا حق بھی ہے اور خدا اور رسول کے حکم کی اطاعت بھی ہے۔

## ۲۔ تعزیت

ایک دوسرے کی گردن پر مومنین کا ایک اور حق یہ ہے کہ جب کوئی مومن دنیا سے گذر جائے تو اس کی تشییع جنازہ، تکفین، تدفین اور ایصال ثواب کی مجالس وغیرہ میں شرکت کریں. اس بارے میں معصومین علیہم السلام نے خاص تاکید کی ہے بلکہ مسلمان کے غسل وکفن نماز جنازہ اور تدفین کو تو اسلام نے واجب کفائی قرار دیا ہے اس بات کی مزید اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے مندرجہ ذیل روایات کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: "مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ اُعْطِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَرْبَعَ شَفَاعَاتٍ وَ لَمْ يَقُلْ شَيْئاً اِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَ لَكَ مِثْلُ ذٰلِكَ" "جو شخص کسی مسلمان کی تشییع جنازہ میں شرکت کرے گا اسے روز قیامت چار شفاعتیں نصیب ہونگی اور وہ مردہ کے حق میں جو بھی دعا کرے گا فرشتہ اس سے کہے گا کہ تمہیں بھی اسی کے برابر حق دیا گیا ہے۔"(۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ مُؤْمِنٍ حَتّٰى يُدْفَنَ فِيْ قَبْرِهٖ وَكَّلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ مِنَ الْمُشَيِّعِيْنَ يُشَيِّعُوْنَهٗ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ اِذَا خَرَجَ مِنْ قَبْرِهٖ" "جو شخص کسی مرد مومن کی تشییع جنازہ میں دفن تک ساتھ رہے

(۱) بحارالانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۶۸۶
(۲) بحارالانوار: ج ۸۰، باب ۷، حدیث ۲



تو خداوند عالم اس کے پیچھے چلنے کے لئے تشییع کرنے والے فرشتوں میں سے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے جو اس کے قبر سے نکلنے پر اس کی تشییع کریں گے اور اس کے لیے استغفار کریں گے۔"(۱)

آپ کا ہی یہ ارشاد بھی ہے: "مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ مُؤْمِنٍ حُطَّ عَنْهُ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ كَبِيْرَةً" "مومن کی تشییع جنازہ کرنے والے کے پچیس گناہ کبیرہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"(۲)

اس طرح آپ نے جناب خیثمہ سے خطاب کرکے یہ فرمایا: "يَا خَيْثَمَةُ اَقْرِءْ مَوَالِيْنَا السَّلَامَ وَاَوْصِهِمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ... وَاَنْ يَشْهَدَ اَحْيَاؤُهُمْ جَنَائِزَ مَوْتَاهُمْ" "اے خیثمہ ہمارے چاہنے والوں کو ہمارا اسلام کہنا اور انہیں رب ذوالجلال کے تقویٰ اور خوف کی وصیت کرنا۔۔۔ اور یہ بھی (کہنا) کہ وہ اپنے مردوں کی تشییع جنازہ میں ضرور شرکت کیا کریں۔"(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

"اَيُّمَا مُؤْمِنٍ غَسَّلَ مُؤْمِناً فَقَالَ اِذَا قَلَّبَهٗ: اَللّٰهُمَّ هٰذَا بَدَنُ عَبْدِكَ الْمُؤْمِنِ وَ قَدْ اَخْرَجْتَ رُوْحَهٗ مِنْهُ وَ فَرَّقْتَ بَيْنَهُمَا فَعَفْوَكَ عَفْوَكَ. غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ سَنَةٍ اِلَّا الْكَبَائِرَ"

"جب کوئی شخص کسی مومن کی میت کو غسل دے اور اس کو کروٹ دیتے وقت یہ کہے! بار الٰہا یہ تیرے مومن بندے کا بدن ہے تو نے اس کی روح نکال لی ہے اور ان دونوں میں جدائی ڈال دی ہے لہٰذا اسے بخش دے اسے معاف فرما دے تو خداوند عالم گناہ کبیرہ کے علاوہ اس کے ایک سال کے تمام گناہ بخش دے گا۔"(۴)

(۱) بحارالانوار: ج ۸۱، باب ۷، حدیث ۱
(۲) بحارالانوار: ج ۸۱، باب ۷، حدیث ۶
(۳) بحارالانوار: ج ۸۱، باب ۷، حدیث ۹
(۴) بحارالانوار: ج ۸۰، باب ۹، حدیث ۵

امام صادقؑ کا ارشاد ہے: "مَنْ غَسَلَ مَيِّتاً مُؤمِناً فَاَدّیٰ فِيْهِ الْاَمَانَةَ غُفِرَ لَهُ. قِيْلَ: وَ كَيْفَ يُوَدِّیٰ فِيْهِ الْاَمَانَةَ؟ قَالَ: لاَ يُخْبِرُ بِمَا يَریٰ" "جو شخص کسی مرد مومن کو غسل دے اور امانت داری سے کام لے تو اس کے گناہ معاف کر دئے جائیں گے. سوال کیا گیا کہ یہاں امانت داری سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔"(۱)

امام حسنؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ نقل کیا ہے کہ: "مَا مِنْ مُؤمِنٍ يُصَلِّی عَلَی الْجَنَائِزِ اِلاَّ اَوْجَبَ اللهُ لَهُ الْجَنَّةَ اِلاَّ اَنْ يَكُوْنَ مُنَافِقاً اَوْ عَاقاً" "کوئی مرد مومن جب کسی کی نماز جنازہ پڑھتا ہے تو خداوند کریم اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتا ہے مگر یہ کہ وہ منافق یا عاق شدہ ہو۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے اجداد کرام کے ذریعہ پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ نقل کیا ہے۔
"مَنْ صَلّیٰ عَلیٰ مَيِّتٍ صَلّیٰ عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ وَ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَاَخَّرَ، فَاِنْ قَامَ حَتّیٰ يُدْفَنَ وَ يُحْثیٰ عَلَيْهِ التُّرَابُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ نَقَلَهَا قِيْرَاطاً مِنَ الْاَجْرِ وَ الْقِيْرَاطُ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ" "جو شخص کسی میت کی نماز جنازہ پڑھے گا تو اس کے اوپر ستر ہزار فرشتے نماز پڑھیں گے اور خداوند عالم اس کے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہ بخش دے گا. اور اگر وہ اس کی تدفین اور قبر پر مٹی ڈالے جانے تک وہیں کھڑا رہے تو اس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک قیراط ثواب ہے اور وہ قیراط کوہ احد کے برابر ہے۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۸۰، باب ۸، حدیث ۶
(۲) بحار الانوار. ج ۷۸، ۳۳۷
(۳) بحار الانوار: ج ۶۷، باب ۶، حدیث ۱



مذکورہ احادیث سے تشییع جنازہ، تجہیز و تکفین اور دفن میں شرکت کا ثواب واضح ہو جاتا ہے نیز اس ثواب کی کثرت اور عظمت سے اس عمل کی اہمیت کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مردوں کے بارے میں ہی مومنین کے اوپر ایک اور حق بھی ہے کہ ان کے سوگ میں شرکت کریں اور ان کے ورثاء اور پسماندگان کی دلجوئی کریں اور انہیں تعزیت پیش کریں اور مردے کے حق میں دعائے خیر اور ان کی قبروں کی زیارت کی جائے اس بارے میں بھی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "مَنْ عَزّیٰ مُصَاباً فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ" "کسی مصیبت زدہ کی دلجوئی کرنے اور اسے تعزیت پیش کرنے والے کو بھی اسی کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔"(۱)

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "مَنْ عَزّیٰ اَخَاهُ الْمُؤمِنَ مِنْ مُصِيْبَتِهِ كَسَاهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "جو شخص کسی مرد مومن کی مصیبت میں اس کو تعزیت پیش کر کے اس کی دلجوئی کرے گا تو خداوند عالم قیامت کے دن کرامت و بزرگواری کا لباس اس کے زیب تن کرے گا۔"(۲)

حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ عَزَّ الثَّكْلیٰ اَظَلَّهُ اللهُ فِی ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهُ" "جو شخص کسی غمزدہ کو تعزیت پیش کرے گا خداوند عالم اسے اس دن اپنے عرش کے زیر سایہ جگہ عنایت فرمائے گا جس دن اس کے سایۂ رحمت کے علاوہ کوئی سایہ موجود نہ ہوگا۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۸۲، باب ۱۶، حدیث ۳۹
(۲) بحار الانوار: ج ۸۲، باب ۱۶، حدیث ۳۹
(۳) بحار الانوار: باب ۲۶، حدیث ۱۵۷

آپ کا ہی یہ ارشاد بھی ہے: ''زُوْرُوْا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّهُمْ يَفْرَحُوْنَ بِزِيَارَتِكُمْ وَ لْيَطْلُبِ الرَّجُلُ حَاجَتَهُ عِنْدَ قَبْرِ اَبِيْهِ وَ اُمِّهِ بَعْدَ مَا يَدْعُوْ لَهُمَا'' ''اپنے مرحومین کی قبروں کی زیارت کے لئے جاتے رہا کرو کیونکہ وہ تمہاری زیارت سے خوش ہوتے ہیں اور اگر کسی شخص کو کچھ حاجت ہو تو اپنے باپ یا ماں کی قبر کے پاس جا کر پہلے ان کے لئے دعائے خیر کرے پھر اپنی حاجت طلب کرے۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ کے کسی چاہنے والے نے یہ سوال کیا کہ: جو مرد مومن اپنے والدین یا جان پہچان والے یا کسی انجان شخص کی قبر پر جاتا ہے تو اس سے میت کو بھی کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟

تو آپ نے یہ فرمایا: ''نَعَمْ اِنَّ ذٰلِكَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ كَمَا يُدْخَلُ عَلٰى اَحَدِكُمُ الْهَدِيَّةَ يَفْرَحُ بِهَا'' ''ہاں کیوں نہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح تم کوئی ہدیہ یا تحفہ پا کر خوش ہوتے ہو مردہ بھی اس سے اسی طرح خوش ہوتا ہے۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۱۰، باب ۷، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار، ج ۳۹، ص ۶۴



## خلاصہ:

سماجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر زندگی گذارنے کے لئے مومنین کے اوپر ایک حق یہ بھی ہے ایک دوسرے کے غم اور خوشی کے مواقع پر شرکت کریں اور اگر کوئی دنیا سے چلا جائے تو اس کے تشییع جنازہ، تجہیز و تکفین، فاتحہ، قرآن خوانی اور مجالس ترحیم وغیرہ میں شرکت کریں اور اس کے پسماندگان کو تعزیت پیش کر کے ان کی دل جوئی کریں۔

## سوالات:

۱۔ مومن کی دعوت رد کرنے کو اس کے اوپر ظلم و جفا کیوں قرار دیا گیا ہے؟

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں کس شخص کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے؟

۳۔ دنیا سے اٹھ جانے والے مومنین کے بارے میں ہمارے فرائض کیا ہیں؟

۴۔ غمزدہ کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہئے؟

۵۔ کیا کسی مومن کو اس کے مرنے کے بعد بھی خوش کیا جا سکتا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟

# انیسواں سبق

## ملاقات اور مہمان نوازی

ایک دوسرے سے ملاقات کرنا بھی اسلام کے معاشرتی اصولوں میں شامل ہے کیوں کہ اسلامی اخلاقیات کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ مومنین مسلسل ایک دوسرے سے ملاقات کر کے اور ان کی خبر گیری اور مزاج پرسی کرتے رہیں کہ اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ دو دوستوں کی ملاقات میں جتنا زیادہ فاصلہ ہوتا جائے گا انہیں ایک دوسرے سے الگ رہنے کی عادت ہو جائے گی اور کچھ مدت بعد وہ ایک دوسرے کو بھول جائیں گے۔لہٰذا جو مومنین ایک دوسرے کے نزدیک رہتے ہیں انہیں مسلسل اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتے رہنا چاہئے اور اگر دور ہوں تو پھر خط، ٹیلیفون یا دوسرے ذرائع سے ایک دوسرے سے باخبر رہ کر آپس میں اظہار محبت کرتے رہنا چاہئے۔

اسلام نے مومنین کو آپس میں بھائی چارہ، دوستی اور پیار و محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ گہرے اور عمیق تعلقات رکھنے کا حکم دیا ہے اور چونکہ ملاقات، دوستی اور تعلقات کو استوار رکھنے کا سب سے اہم رکن ہے اور اس سے تعلقات مزید مستحکم ہوتے ہیں لہٰذا اسلام نے اس پر بھی خصوصی توجہ دی ہے اور مومنین کو اس کی طرف ترغیب دلائی ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں تو مومن سے ملاقات کو خدا کی ملاقات قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ زَارَ أخَاهُ الْمُؤْمِنَ اِلَی مَنْزِلِهِ لَا حَاجَةَ مِنْهُ اِلَيْهِ كُتِبَ مِنْ زُوَّارِ اللهِ وَ كَانَ حَقِيْقاً عَلَی اللهِ اَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهُ'' ''جو شخص اپنے مومن بھائی کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے اور اسے اس سے کوئی کام بھی نہ ہو تو اسے زائرین خدا میں



شمار کیا جاتا ہے اور خدا پر حق ہے کہ وہ اپنے زائرین کا احترام کرے۔''(۱)

دوسرے مقام پر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''مَنْ زَارَ أخَاهُ فِي بَيْتِهِ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ: أنْتَ ضَيْفِي وَ زَائِرِي عَلَيَّ قِرَاكَ وَ قَدْ أوْجَبْتُ لَكَ الْجَنَّةَ بِحُبِّكَ اِيَّاهُ'' ''جو شخص اپنے مومن بھائی کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے تو خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: تم میرے مہمان اور زائر ہو تمہاری مہمان نوازی میرے ذمہ ہے اور تمہیں اپنے بھائی سے جو محبت ہے اس کی بنا پر میں نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔''(۲)

امام صادق علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ: ''مَنْ زَارَ أخَاهُ فِي اللهِ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: اِيَّايَ زُرْتَ وَ ثَوَابُكَ عَلَيَّ وَ لَسْتُ أرْضَىٰ لَكَ ثَوَاباً دُوْنَ الْجَنَّةِ'' ''جو شخص خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے کسی مومن سے ملاقات کرے تو پروردگار عالم فرماتا ہے تو نے میری زیارت کی ہے اور تیرا ثواب میرے ہی ذمہ ہے اور میں تیرے لئے جنت سے کمتر ثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔''(۳)

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام نے پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

''حَدَّثَنِي جِبْرَئِيْلُ علیہ السلام: اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ أهْبَطَ اِلَی الْأرْضِ مَلَكاً فَأقْبَلَ ذٰلِكَ الْمَلَكُ يَمْشِي حَتّٰی وَقَعَ اِلَی بَابٍ عَلَيْهِ رَجُلٌ يَسْتَأذِنُ عَلَی رَبِّ الدَّارِ. فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ: مَا حَاجَتُكَ اِلَی رَبِّ هٰذِهِ الدَّارِ؟ قَالَ: أخٌ لِي مُسْلِمٌ زُرْتُهُ فِي اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَىٰ. فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ: مَا جَاءَ بِكَ اِلَّا ذَاكَ؟ قَالَ: مَا جَاءَ بِي اِلَّا ذَاكَ.

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۷۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۴۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۴

قَالَ: فَانّی رَسُولُ اللہ الیک و ھُو یُقرئک السَّلام و یقُولُ: وجبتْ لک الْجنَّۃُ وَ قَالَ الْملَکُ. اِنّ اللہ عزَّ و جلّ یقُولُ: أیُّما مُسْلِمٍ زار مُسْلِماً فلیْس اِیّاہُ زارَ بلْ اِیَّایَ زار و ثوابُہُ علیَّ الْجنّۃ"

آپؐ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے جبرئیل نے بیان کیا ہے کہ پروردگار عالم ایک فرشتہ زمین پر بھیجتا ہے اور وہ چلتے چلتے اس دروازے تک پہونچ جاتا ہے جہاں کوئی شخص کسی صاحب خانہ سے اس کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت لے رہا ہے. وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اس صاحب خانہ سے تمہیں کیا کام ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ میرا مسلمان بھائی ہے میں خدا کی خاطر اس سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اس کے علاوہ تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ نہیں اور کوئی کام نہیں ہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تمہارے پاس خداوند عالم نے بھیجا ہے اور تمہیں سلام کہلایا ہے اور خدا ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے لئے جنت مجھ پر واجب ہے پھر فرشتہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو گویا اس نے اس سے ملاقات نہیں کی بلکہ مجھ سے ملاقات کی ہے اور اس کا ثواب میرے ذمہ یہ ہے کہ اسے جنت عطا کروں۔" (۱)

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ معصومینؑ نے ملاقات کرنے کے کتنے فضائل بیان کئے ہیں اور ان کو خداوند عالم کی زیارت اور اس سے ملاقات قرار دیا ہے البتہ مذکورہ حدیثوں میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ ملاقات صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے ہو اور اس سے ملاقات کرنے کی خاطر ہی ہو لہٰذا جو لوگ ضرورت کے وقت اور کوئی کام پڑنے پر کسی سے ملاقات کرنے جاتے ہیں تو اس کو واقعی ملاقات نہیں کہا جاسکتا اور ایسی ملاقاتوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ

(۱) بحار الانوار ج۵۹، باب۲۳، حدیث ۳۹



دوستی اور محبت کے حق کی ادائیگی کے بجائے ایک طرح کی خودخواہی ہے۔

روایات میں مومنین کی ملاقات کے بے شمار فوائد اور آثار بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومنین ایک دوسرے سے جو ملاقات کرتے ہیں اس کے ذریعہ ان کے دل زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: "تَزَاوَرُوا فَاِنَّ فِی زِیارَتِکُمْ اِحْیاءً لِقُلُوبِکُمْ وَ ذِکْراً لِاَحادِیْثِنا وَ اَحادِیْثُنا تُعَطِّفُ بَعْضَکُمْ عَلیٰ بَعْضٍ فَاِنْ اَخَذْتُمْ بِهَا رَشَدْتُمْ وَ نَجَوْتُمْ وَ اِنْ تَرَکْتُمُوْھا ضَلَلْتُمْ وَ ھَلَکْتُمْ فَخُذُوْا بِھَا وَ اَنَا بِنَجَاتِکُمْ زَعِیْمٌ" "ایک دوسرے سے ملتے رہو کیونکہ اس سے تمہارے دل زندہ ہوتے ہیں اور ہماری حدیثوں کا ذکر ہوتا ہے جو تم کو ایک دوسرے سے نزدیک کرتی ہیں اگر تم ان پر عمل کروگے تو کامیابی اور نجات تمہارے لئے یقینی ہے اور اگر تم نے انہیں ترک کردیا تو پھر گمراہ اور ہلاک ہوجاؤ گے لہٰذا ان احادیث پر اچھی طرح عمل کرو میں تمہاری نجات کا ذمہ دار ہوں۔" (۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: "تَزَاوَرُوْا فِی بُیُوْتِکُمْ فَاِنَّ ذٰلِکَ حَیاۃٌ لِاَمْرِنَا رَحِمَ اللہُ عَبْداً اَحْیا اَمْرَنَا" "اپنے گھروں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرو کیونکہ اس سے ہمارے مشن کو زندگی ملتی ہے پروردگار عالم اس بندہ پر رحمت نازل کرے جو ہمارے مشن کو زندہ کرتا ہے۔" (۲) (گھر سے باہر ہوٹلوں یا کسی اور جگہ، ملاقات یا دعوت کا اہتمام کرنے والے حضرات اس حدیث پر توجہ فرمائیں ــــ مترجم)

ان روایات میں ایک اور نکتہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہمارے ائمہ ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب ہم کسی سے ملاقات کرنے جائیں تو ائمہؑ کی احادیث بیان کریں تاکہ اس کے ذریعہ دین اہلبیت علیہم السلام اور ان کی سیرت زندہ رہے اور ہمارے دل بھی اس کے ذریعہ روشن و منور ہوتے رہیں

(۱) بحار الانوار ج۷۴، باب۱۵، حدیث ۵۶
(۲) بحار الانوار: ج۲، باب۱۹، حدیث۶ رہیں۔

اسی طرح ملاقات کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اَلزِّیَارَۃُ تُنْبِتُ الْمَوَدَّۃَ'' ''ملاقات کرنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔''(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''لِقَاءُ الْاِخْوَانِ مَغْنَمٌ جَسِیْمٌ وَاِنْ قَلُّوا'' ''دوستوں سے ملاقات کرنا بیحد مفید ہے چاہے ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔''(۲)

## ضیافت و مہمان نوازی

جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی عزیز یا کوئی دوسرا شخص ہم سے ملنے کے لئے آرہا ہے تو پھر ہم اس کی ضیافت اور خاطر و تواضع بھی کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی مناسب جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی احوال پرسی کریں اور چونکہ مہمان نوازی ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اس سے دلوں میں الفت و محبت کے رشتے مزید قوی ہوتے ہیں اسی لئے معصومین علیہم السلام نے ہمارے اندر اس کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے اس کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے اسی بارے میں فرمایا ہے: ''کُلُّ بَیْتٍ لَا یَدْخُلُ فِیْهِ الضَّیْفُ لَاتَدْخُلُهُ الْمَلَائِکَۃُ'' ''جس گھر میں مہمان نہیں آتا اس میں ملائکہ بھی داخل نہیں ہوتے۔''(۳)

یا آپ نے فرمایا ہے: ''لَاخَیْرَ فِیْمَنْ لَایُضِیْفُ'' ''جو مہمان نوازی نہیں کرتا ہے اس میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔''(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۱، حدیث ۳۶

(۲) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۲۱، حدیث ۱۶

(۳) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۹۳، حدیث ۱۳

(۴) محجۃ البیضاء: ج۳، ص۳۲



آپ نے مہمان سے ناراض ہونے کو خدا سے ناراضگی قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: ''لَاتَکَلَّفُوْا لِلضَّیْفِ فَتُبْغِضُوْهُ فَاِنَّ مَنْ اَبْغَضَ الضَّیْفَ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰهَ وَ مَنْ اَبْغَضَ اللّٰهَ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ'' ''مہمان کے لئے تکلفات کر کے اپنے کو زحمت میں نہ ڈالو ورنہ تم اس سے بیزار ہو جاؤ گے اور جو مہمان سے ناراض ہوتا ہے وہ گویا خدا سے ناراض ہے اور جو خدا سے ناراض ہوتا ہے تو خدا بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔''(۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اَلضَّیْفُ یَنْزِلُ بِرِزْقِهِ وَ یَرْتَحِلُ بِذُنُوْبِ اَهْلِ الْبَیْتِ'' ''مہمان اپنا رزق ہمراہ لیکر آتا ہے اور اہل خانہ کے گناہ ساتھ لیکر رخصت ہوتا ہے۔''(۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلْیَصِلْ بِهِ الْقَرَابَۃَ وَ لْیُحْسِنْ مِنْهُ الضِّیَافَۃَ'' ''جسے خداوند عالم نے مال و دولت سے نوازا ہے اسے مال کے ذریعہ صلۂ رحم اور اچھی طرح مہمان نوازی کرنا چاہئے۔''(۳)

## ضیافت کے آداب

اسلام نے مہمان نوازی کے بھی کچھ آداب اور اصول معین فرمائے ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق میزبان سے ہے اور بعض مہمان کے لئے ہیں یہاں بعض اہم چیزوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱۔ مہمان داری کا سب سے اہم معیار تقویٰ ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ صرف دیندار لوگوں کی دعوت کرے اور انہیں کے یہاں دعوت میں شرکت کرے اور بے دین اور فاسق و فاجر افراد کی نہ تو دعوت کرے اور نہ ہی ان کی دعوتوں میں شریک ہو۔

---

(۱) محجۃ البیضاء: ص۳۱

(۲) بحار الانوار ج۷۵، باب ۹۳، حدیث ۱۴

(۳) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۳۰، حدیث ۱۴

پیغمبر اکرم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا 'لاتَاکُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِیٍّ وَ لایَاکُلْ طَعامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ' ''صرف متقی کے یہاں کھانا کھاؤ اور تمہارے یہاں بھی متقی کے علاوہ کوئی اور نہ کھائے۔''(۱)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''لاَ تَاکُلْ طَعَامَ الْفَاسِقِیْنَ'' ''فاسقوں کا کھانا نہ کھاؤ۔''

اسی طرح فرمایا ہے: ''أَضِفْ بِطَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ مَنْ تُحِبُّهُ فِی اللهِ تَعَالیٰ'' ''اپنے کھانے پانی سے اس کی ضیافت کرو جس سے تم خدا کے لئے محبت کرتے ہو۔''(۲)

۲۔ دوسرے یہ کہ اپنی دعوت میں غریبوں اور مالداروں کے درمیان کوئی فرق نہ رکھے اور صرف مومنین اور صاحبان تقویٰ کی دعوت کرے چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں اور اسی طرح دوسرے کی دعوت قبول کرتے وقت بھی اس کے ایمان اور تقوی پر نظر رکھے نہ کہ مال و دولت پر۔ جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ ایک دن امام حسن علیہ السلام ایک راستہ سے گذر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ کچھ فقیر ایک ٹیلے پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں جب انہوں نے امام علیہ السلام کو دیکھا تو عرض کی: اے فرزند رسولؐ! کیا آپ ہمارے ساتھ کھانا پسند کریں گے؟ حضرتؑ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لاَیُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ﴾ کیوں نہیں. خداوند عالم تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اس کے بعد آپ گھوڑے سے اترے اور ان کے پاس بیٹھ گئے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور رخصت ہو کر چلے گئے۔(۳)

اسی طرح مسافت کی دوری کی بنا پر کسی کی دعوت سے جان نہیں چرانا چاہئے. جیسا کہ گذشتہ سبق میں ہم نے پیغمبر اکرم ﷺ کی یہ حدیث نقل کی تھی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ: ''اگر برادر مومن کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے پانچ میل جانا پڑے تب بھی اس کی دعوت میں شرکت کرو۔''(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۴، حدیث ۸۶

(۲) بحار الانوار: ج۷۷، باب ۴، حدیث ۲

(۳) اعیان الشیعہ: ج۴، ص۲۴

(۴) بحار الانوار ج۷۲، ص۴۴۷



۳۔ مہمان جب میزبان کی بزم میں داخل ہو تو جہاں خالی جگہ دکھائی دے وہیں بیٹھ جائے اور صدر مجلس یا کسی اچھی جگہ کی خواہش نہ کرے اور دوسروں کو اپنے لئے جگہ بنانے کی زحمت نہ دے اسی طرح میزبان جہاں بیٹھنے کے لئے کہے وہیں بیٹھ جائے۔

۴۔ میزبان اپنے مہمان سے کام نہ لے جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کے ایک مہمان ایک بار کوئی کام کرنے کے لئے اٹھے تو آپ نے ان کو منع کر کے وہ کام خود انجام دیا اور فرمایا ''نَهیٰ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ اَنْ یُسْتَخْدَمَ الضَّیْفُ'' ''رسول خدا ﷺ نے مہمان سے کام لینے کے لئے منع فرمایا ہے۔''(۱)

۵۔ مہمان کی وجہ سے میزبان اپنے گھر والوں اور خود اپنے کو زحمت میں نہ ڈالے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث اس بارے میں گذر چکی ہے جس میں آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر حضرت علی علیہ السلام کو مدعو کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تین باتوں کا وعدہ کرو گے تو میں تمہاری دعوت قبول کروں گا اس نے کہا وہ تین چیزیں کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا: ''لاتُدْخِلُ عَلَیَّ شَیْئاً مِنْ خَارِجٍ وَ لاتَدَّخِرُ عَلَیَّ شَیْئاً فِی الْبَیْتِ وَ لاتُجْحِفُ بِالْعِیَالِ'' ''میرے لئے گھر کے باہر سے کوئی چیز نہ لانا. اور نہ ہی گھر کی کوئی چیز میرے لئے خاص طور سے بچا کر رکھنا اور نہ اپنے گھر والوں کو زحمت میں ڈالنا۔''(۲)

اس نے کہا مجھے قبول ہے: تو آپؑ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

اصولی طور پر مہنگی دعوتیں دوستی اور محبت کے اصولوں کے برخلاف ہیں کیونکہ ہر ایک کی مالی حیثیت برابر نہیں ہوتی ہے لہٰذا کم در آمد والے مومنین یا تو شرمندہ ہوں گے اور ایسی دعوتوں میں

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۳۱، حدیث ۴۹

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۹۱، حدیث ۴

شرکت نہ کریں گے یا پھر مقابلہ اور رقابت کی نیت سے مجبوراً اپنا سرمایہ خرچ کرنا پڑے گا جس سے آپسی محبت میں اضافہ کے بجائے فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ دعوتیں دوستی کے بجائے مقابلہ کے میدان میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

۶۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد میزبان سب سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب سے آخر تک کھاتا رہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

''کَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِذَا أَكَلَ مَعَ الْقَوْمِ اَوَّلَ مَنْ يَضَعُ يَدَهُ مَعَ الْقَوْمِ وَ آخِرَ مَنْ يَرْفَعُهَا لِاَنْ يَاْكُلَ الْقَوْم'' ''رسول اللہ ﷺ جب کسی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو سب سے پہلے خود کھانا شروع کرتے تھے اور سب سے آخر میں ہاتھ کھینچتے تھے تا کہ دوسرے بآسانی اچھی طرح کھانا کھا سکیں اور تکلف نہ کریں۔''(۱)

۷۔ جب مہمان گھر سے واپس جانے کا ارادہ کرے تو میزبان گھر کے دروازے تک اسے رخصت کرنے جائے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اِنَّ مِنْ سُنَّةِ الضَّيْفِ اَنْ يُشَيَّعَ اِلىٰ بَابِ الدَّارِ'' مہمان نوازی میں سنت یہ ہے کہ گھر کے دروازہ تک مہمان کو رخصت کیا جائے۔

اسی طرح مہمان بھی میزبان کی اجازت کے بعد ہی گھر سے نکلے اور رخصت ہوتے وقت خندہ پیشانی کے ساتھ مسکرا کر نیز خوشی کا اظہار اور شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۹۱، حدیث ۲۲



## خلاصہ:

ایک دوسرے سے ملاقات کرنے سے مومنین کی آپسی محبت اور تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے اسی لئے روایات میں اس کی خاصی تاکید کی گئی ہے اور معصومینؑ نے اس کی ترغیب دلائی ہے.

یہی فائدہ مومنین کی ضیافت اور مہمان نوازی میں بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہمان نوازی کا ایک اسلامی اصول یہ ہے کہ صرف نیک اور صالح افراد کی دعوت کی جائے نہ کہ فاسق و فاجر اور برے لوگوں کی اور اسی طرح فقیر و امیر کے درمیان کوئی فرق نہ رکھا جائے. کیونکہ اسلام میں فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

میزبان اپنے مہمان سے کام نہ لے اور مہمان کی وجہ سے اپنے کو اور اپنے اہل خانہ کو زحمت میں نہ ڈالے اور جب وہ رخصت ہونے لگے تو دروازے تک اسے رخصت کرنے جائے۔

میزبان دسترخوان پر سب سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب سے آخر تک کھاتا رہے۔

## سوالات:

۱۔ روایات کے مطابق مومنین کی ملاقات کا مرتبہ کیا ہے؟

۲۔ کیا اپنے کام کے لئے کسی مومن سے ملاقات کرنے کی کوئی قدر و قیمت ہے؟

۳۔ مومنین کی ایک دوسرے سے ملاقات کے بعض فوائد اور اس کی اہمیت بیان کیجئے؟

۴۔ مہمان نوازی کے بارے میں معصومین علیہم السلام نے کیا فرمایا ہے؟

۵۔ مختصر طور پر ضیافت کے آداب بیان کیجئے؟

# بیسواں سبق

## سلام

ہر قوم اور معاشرہ میں کسی سے ملاقات کرتے وقت اپنے جذبات اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے گفتگو کے آغاز سے قبل کچھ خاص طریقے اپنائے جاتے ہیں اور مخصوص الفاظ ادا کئے جاتے ہیں۔

اسلامی اخلاقیات اور رسم و رواج میں بھی اس کام کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنے ،مصافحہ اور معانقہ یعنی ایک دوسرے سے گلے ملنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''اَلسَّلامُ تَحِیَّۃٌ لِمِلَّتِنَا وَ اَمَانٌ لِذِمَّتِنَا'' ''سلام ہماری ملت کا تحفہ اور ہماری طرف سے امان کی ضمانت ہے۔''(۱)

۱۔قرآن مجید نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کو سلام کا اسلامی طریقہ سکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلامی سلام صرف سلام علیکم ہی ہے جیسا کہ سورۂ نور میں ارشاد ہے:

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۳۶



﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوتاً فَسَلِّمُوا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبَارَکَۃً طَیِّبَۃً کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْآیَاتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُونَ﴾.(۱)

''جب تم گھروں میں داخل ہو تو کم از کم اپنے ہی اوپر سلام کرلو کہ یہ پروردگار کی طرف سے نہایت ہی مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اور پروردگار اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ شاید تم عقل سے کام لے سکو۔''

۲. ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِینَ یَمْشُونَ عَلَی الْاَرْضِ هَوناً وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلاماً﴾.(۲)

''اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو سلامتی کا پیغام دیدیتے ہیں (کہتے ہیں کہ ہمارا سلام ہو)''

۳۔ جب جناب ابراہیمؑ نے بتوں کی عبادت سے انکار کر دیا اور آپ کے چچا نے اس بات پر آپ کی مذمت کی اور آپ کو بتوں کی عبادت کرنے کی تاکید کی اور یہ دھمکی دی کہ اگر تم ایسا نہ کروگے تو تم کو سنگسار کر دیا جائے گا تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے نہایت ہی نرمی سے اس کا یہ جواب دیا (آپ پر سلام ہو) ﴿قَالَ سَلامٌ عَلَیْکَ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّی اِنَّهُ کَانَ بِی حَفِیّاً﴾.(۳)

''ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا آپ کو سلامت رکھے (آپ پر سلام ہو) میں عنقریب اپنے رب سے آپ کے لئے مغفرت طلب کروں گا کہ وہ میرے حال پر بہت مہربان ہے۔''

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۶۱

(۲) سورۂ فرقان: آیت ۶۳

(۳) سورۂ مریم: آیت ۴۷

اسی روایت کے مطابق جب خدا کے فرشتے جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہاں مہمان بن کر آئے تو انہوں نے سلام کیا اور آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا، قَالَ سَلٰمٌ﴾. (۱)

''اور ابراہیم کے پاس ہمارے نمائندے بشارت لیکر آئے اور سلام کیا تو ابراہیم نے بھی سلام کیا۔''

۴۔ متعدد آیات میں خداوند عالم نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے تذکرہ کرکے ان پر سلام ودرود بھیجا ہے۔

جیسے: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ. سَلٰمٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ. سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ. سَلٰمٌ عَلٰى اِلْ يَاسِيْنَ﴾. (۲) ''ساری خدائی میں نوح پر ہمارا سلام، سلام ہو ابراہیم پر، سلام ہو موسیٰ وہارون پر، سلام ہو آل یٰسین پر۔''

۵۔ اسی طرح متعدد آیات میں پروردگار عالم نے سلام کو اہل جنت کا شیوہ بتایا ہے جیسا کہ سورۂ رعد آیت ۲۳ اور ۲۴ میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ''ورملائکہ ان کے پاس ہر دروازے سے حاضری دیں گے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا ہے اور اب آخرت کا گھر تمہاری بہترین منزل ہے۔'' (۳)

یا سورۂ نحل میں ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ

---

(۱) سورۂ ہود: آیت ۶۸

(۲) سورۂ صافات: آیت ۷۹/۱۰۹/۱۲۰/۱۳۰

(۳) سورۂ رعد: آیت ۲۳/۲۴



عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾. (۱)

''جنہیں ملائکہ اس عالم میں اٹھاتے ہیں کہ وہ پاک وپاکیزہ ہوتے ہیں اور ان سے ملائکہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔''

دوسرے مقامات پر قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے کہ اہل جنت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔

﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ ''اور ان کا تحفہ سلام ہوگا۔'' (۲)

ان کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں جن میں سلام کا تذکرہ ہے اور خاص طور سے پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی روایات میں سلام کی تاکید کی گئی ہے اور بے شمار فضیلت وثواب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفاً يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا يَسْكُنُهَا مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَفْشَى السَّلَامَ وَ صَلّٰى بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ" ''جنت میں کچھ ایسے کمرے ہونگے جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور باہری حصہ اندر سے باقاعدہ دکھائی دے گا اور ان کے اندر میری امت کے وہ افراد رہیں گے جو خوش سخن، لوگوں کو کھانا کھلانے والے، بلند آواز سے سلام کرنے والے اور رات کو کہ جب لوگ نیند کے مزہ لیتے ہیں نماز پڑھنے والے ہوں گے۔'' (۳)

۲۔ امام جعفر صادقؑ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ نے اولاد عبد المطلب کو مخاطب کرکے فرمایا:

---

(۱) سورۂ نحل: آیت ۳۲

(۲) سورۂ یونس: آیت ۱۰، سورۂ ابراہیم: آیت ۲۳

(۳) بحار الانوار ج ۸، باب ۳۲، حدیث ۵

”یَابَنِی عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَفْشُوا السَّلَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَتَهَجَّدُوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَطِيبُوا الْكَلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ“ ”اے اولاد عبدالمطلب واضح انداز میں (بلند آواز سے) ایک دوسرے کو سلام کرو، صلۂ رحم کرتے رہو اور جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز شب پڑھو لوگوں کو کھانے کھلاؤ اچھے انداز میں گفتگو کرو تا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوسکو۔“(۱)

۳۔پیغمبر اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:”سَلِّمْ عَلٰی مَنْ لَقِيتَ يَزِيدُ اللّٰهُ فِي حَسَنَاتِكَ وَسَلِّمْ فِي بَيْتِكَ يَزِيدُ اللّٰهُ فِي بَرَكَتِكَ“ ”کسی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو اللہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کرے گا اور اپنے گھر والوں کو سلام کرو اللہ تمہیں مزید برکتیں عنایت فرمائے گا۔“(۲)

۴۔اسی طرح آپؐ کا ارشاد ہے:”أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ أَخْلَاقِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ؟ قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ. فَقَالَ: إِفْشَاءُ السَّلَامِ فِي الْعَالَمِ“
”کیا تمہیں اہل دنیا و آخرت کے بہترین اخلاق سے باخبر نہ کروں؟ تو سب نے کہا ضرور باخبر فرمایئے، اے رسول اللہ فَقَالَ إِفْشَاءُ السَّلَامِ فِي الْعَالَمِ تو آپؐ نے فرمایا کہ ”دنیا میں بلند آواز سے سلام کرنا۔“(۳)

۵۔آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:”إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَأَفْشُوهُ بَيْنَكُمْ“ ”سلام خداوند عالم کا ایک نام ہے لہذا اس کو اپنے درمیان بلند آواز سے ادا کیا کرو۔“(۴)

---

(۱) بحارالانوار: ج۶۹، باب۳۸، حدیث۴۷

(۲) بحارالانوار: ج۶۹، باب۳۸، حدیث۸۱

(۳) بحارالانوار: ج۷۶، باب۹۷، حدیث۵۰

(۴) بحارالانوار: ج۸۴، باب۱۷، حدیث۳۰



۶۔امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے:”مَنْ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَهِيَ عِشْرُونَ حَسَنَةً“ ”جو شخص کسی کو سلام کرے اور کہے سلام علیکم...تو اسے بیس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔“(۱)

۷۔آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

”إِنَّ مِنْ مُوجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ بَذْلُ السَّلَامِ وَحُسْنُ الْكَلَامِ“ ”گناہوں کی مغفرت کا ایک ذریعہ ایک دوسرے کو سلام کرنا اور اچھی گفتگو کرنا بھی ہے۔“(۲)

۸۔آپ نے یہ فرمایا:”مِنَ التَّوَاضُعِ أَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى مَنْ لَقِيتَ“ ”تواضع کی ایک علامت یہ ہے کہ جس سے ملاقات ہو اسے سلام کرو۔“(۳)

چونکہ سلام کرنے میں کوئی زحمت اور پریشانی نہیں ہوتی اور اس کے لئے کچھ خرچ بھی نہیں کرنا پڑتا اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے کہ:”أَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ“ ”سب سے زیادہ کنجوس وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بخل اور کنجوسی سے کام لے۔“(۴)

## سلام کے آداب

۱۔ سلام کرنا کیونکہ ایک کار خیر ہے اور پروردگار عالم نے فرمایا ہے کہ ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾(۵) ”تم نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کرو۔“ لہذا مومنین کرام کو سلام کرنے میں

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۶، باب۹۷، حدیث۳۶

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحارالانوار: ج۷۵، باب۵۱، حدیث۹

(۴) بحارالانوار: ج۱۰۰، باب۵، حدیث۲۶

(۵) سورۂ مائدہ: آیت۴۸

بھی ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنا چاہئے پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے کہ آپ کسی سے ملاقات کرتے تھے تو اس کے سلام کرنے سے پہلے ہی آپؐ اسے سلام کر لیتے تھے حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''السَّلَامُ سَبْعُوْنَ حَسَنَةً تِسْعَةٌ وَ سِتُّوْنَ لِلْمُبْتَدِءِ وَ وَاحِدَةٌ لِلرَّادِّ'' ''سلام میں ستر نیکیاں ہیں جن میں سے ۶۹ نیکیاں سلام کرنے والے کو ملتی ہیں صرف ایک نیکی جواب دینے والے کے حصہ میں آتی ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: ''اَلْبَادِیُٔ بِالسَّلَامِ اَوْلیٰ بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهِ'' ''سلام میں سبقت کرنے والا اللہ اور رسول سے زیادہ نزدیک ہے''

۲۔ سلام اور اس کا جواب دونوں اتنی بلند آواز میں ہونا چاہئے جسے مخاطب با آسانی سن سکے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''اِذَا سَلَّمَ اَحَدُکُمْ فَلْیَجْهَرْ بِسَلَامِهِ لَا یَقُوْلُ: سَلَّمْتُ فَلَمْ یَرُدُّوْا عَلَیَّ وَ لَعَلَّهُ یَکُوْنُ قَدْ سَلَّمَ وَ لَمْ یُسْمِعْهُمْ فَاِذَا رَدَّ اَحَدُکُمْ فَلْیَجْهَرْ بِرَدِّهِ وَ لَا یَقُوْلُ الْمُسْلِمُ: سَلَّمْتُ فَلَمْ یَرُدُّوْا عَلَیَّ'' ''جب تم کسی کو سلام کرو تو بلند آواز سے سلام کیا کرو ورنہ یہ نہ کہنا کہ میں نے سلام کیا تھا اور کسی نے جواب نہیں دیا کیونکہ شاید انہوں نے سنا ہی نہ ہو اور جب تم کسی کے سلام کا جواب دو تو وہ بھی بلند آواز سے تاکہ سلام کرنے والا یہ نہ کہے کہ میں نے سلام کیا تھا اور انہوں نے جواب نہیں دیا۔''(۲)

۳۔ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''مَنْ بَدَأَ بِالْکَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِیْبُوْهُ'' ''جو سلام کے بغیر بات شروع کردے اس کی بات کا جواب نہ دو۔''(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۳۶

(۲) اصول کافی: ج ۲، ص ۳۶۵، حدیث ۷

(۳) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۲



آپؐ ہی کا ارشاد ہے: ''لَا تَدْعُ اِلیٰ طَعَامِکَ اَحَداً حَتّیٰ یُسَلِّمَ'' ''کسی کو اپنے دسترخوان پر اس وقت تک نہ بلاؤ جب تک وہ سلام نہ کرلے۔''(۱)

امام حسینؑ نے فرمایا ہے: ''لَا تَاْذَنُوْا لِاَحَدٍ حَتّیٰ یُسَلِّمَ'' ''کسی کو کسی بھی چیز کی اجازت نہ دو جب تک وہ سلام نہ کرلے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: ''اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ'' ''پہلے سلام پھر گفتگو۔''(۳)

۴۔ سلام کرنے کے لئے کسی عمر یا عہدہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جو بھی پہلے سلام کرے گا اسے زیادہ ثواب ملے گا پیغمبر اکرمؐ کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے آپؐ کا ارشاد ہے: ''خَمْسٌ لَا اَدَعُهُنَّ حَتَّی الْمَمَاتِ .. وَالتَّسْلِیْمُ عَلَی الصِّبْیَانِ لِتَکُوْنَ سُنَّةً بَعْدِیْ'' ''پانچ باتوں کو میں مرتے دم تک نہیں چھوڑ سکتا ہوں: (ان میں سے ایک) بچوں کو سلام کرنا ہے تاکہ میرے بعد یہ ایک سنت ہو جائے۔''(۴)

البتہ سلام میں پہل کون کرے؟ تو اس کے بھی آداب ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''اَلسُّنَّةُ اَنْ یُسَلِّمَ الرَّاکِبُ عَلَی الْمَاشِیْ وَرَاکِبُ الْفَرَسِ عَلیٰ رَاکِبِ الْحِمَارِ وَالصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ وَالْاَقَلُّ عَلَی الْاَکْثَرِ وَالْقَائِمُ عَلَی الْقَاعِدِ'' ''سنت یہ ہے کہ سوار پیدل کو اور گھوڑ سوار خچر سوار کو چھوٹا بڑے کو، کم تعداد والے اکثریت کو اور جو کھڑا ہو وہ بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے۔''

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۶

(۲) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۰، حدیث ۲

(۳) بحار الانوار: ج ۹۳، باب ۱۷، حدیث ۱۷

(۴) بحار الانوار: ج ۱۶، باب ۶، حدیث ۳۷

اسی طرح کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے ان احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلام میں اسے پہل کرنا چاہئے جس کے لئے تواضع اور فروتنی زیادہ مناسب ہو جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ سے منقول تمام روایات میں یہی کلیہ نظر آتا ہے۔

۵۔ سلام کے جواب کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سلام کیا گیا ہے اس سے بہتر طریقہ سے یا کم از کم بالکل اسی انداز سے جواب دیا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَ إِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ "اور جب تم لوگوں کو تحفۂ سلام پیش کیا جائے تو اس سے بہتر یا کم سے کم ویسا ہی واپس کرو کہ بیشک اللہ ہر شی کا حساب کرنے والا ہے۔"(۱)

روایت میں ہے کہ ایک شخص پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور "اَلسَّلامُ عَلَيْكَ" کہہ کر سلام کیا، آپؐ نے جواب میں فرمایا: "عَلَيْكَ السَّلامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ" اس کے بعد کوئی اور آیا تو اس نے یوں سلام کیا: "اَلسَّلامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ" تو آپ نے جواب میں "اَلسَّلامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ"

کچھ دیر بعد تیسرا شخص آ گیا اس نے کہا "اَلسَّلامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "عَلَيْكَ اَلسَّلامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" "آپ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابی نے ان تینوں کا سلام اور ان کے لئے آپ کے تین مختلف جواب سنے تو سوال کر لیا کہ اے رسول خدا آپ نے پہلے اور دوسرے کے جواب میں تو کچھ اضافہ فرمایا مگر آخری شخص کو وہی جواب دیا جو اس نے کہا تھا اور اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیسرے شخص نے سلام کا کوئی حصہ باقی نہیں چھوڑا تھا لہٰذا میں نے اسے وہی جواب دے دیا۔"(۲)

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۸۶

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، ص ۲۷۴



سلام کے بارے میں گفتگو کے اختتام پر یہ یاددہانی بھی ضروری ہے کہ سلام ایک اسلامی سنت ہے جو "مومنین" کے درمیان رائج رہنا چاہئے اور روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار یا فاسق و فاجر افراد کو سلام کرنا جائز و مناسب نہیں ہے۔

## مصافحہ و معانقہ

مذہب اسلام میں سلام کے بعد مصافحہ اور معانقہ (گلے ملنے) کی بہت اہمیت ہے حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: "اِذَا لَقِيتُمْ اِخْوَانَكُمْ فَتَصَافَحُوا وَ اَظْهِرُوا لَهُمُ الْبَشَاشَةَ وَ الْبِشْرَ تَتَفَرَّقُوا وَ مَا عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَوْزَارِ قَدْ ذَهَبَ" "جب تم برادران ایمانی سے ملاقات کرو تو مصافحہ کرو نیز تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اس کے بعد جب تم ایک دوسرے سے جدا ہو گے تو تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہ رہ جائے گا۔"(۱)

امام محمد باقرؑ نے پیغمبر اکرمؐ کا یہ قول نقل کیا ہے: "اِذَا تَلاقَيْتُمْ فَتَلاقَوْا بِالتَّسْلِيمِ وَ التَّصَافُحِ وَ اِذَا تَفَرَّقْتُمْ فَتَفَرَّقُوا بِالْاِسْتِغْفَارِ" "جب تم کسی سے ملاقات کرو تو سلام اور مصافحہ کر کے ملاقات کرو اور جب ایک دوسرے سے جدا ہو تو استغفار کر کے جدا ہو۔"(۲)

اس طرح پیغمبر اکرمؐ سے یہ بھی منقول ہے: "تَصَافَحُوا فَاِنَّ التَّصَافُحَ يَذْهَبُ بِالسَّخِيمَةِ" "ایک دوسرے سے مصافحہ کرو کیونکہ مصافحہ سے کینہ دور ہوتا ہے۔"(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "اِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ اِذَا اعْتَنَقَا غَمَرَتْهُمَا الرَّحْمَةُ" "جب مومنین گلے ملتے ہیں تو رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔"

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۰، حدیث ۳

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۱۳

(۳) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

آپؑ ہی سے منقول ہے ''اِنَّ تَمَامَ التَّحِيَّهِ لِلْمُقِيْمِ الْمُصَافَحَةُ وَتَمَامَ التَّسْلِيْمِ عَلىٰ الْمُسَافِرِ الْمُعَانَقَةُ'' ''غیر مسافر کو سلام کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ اس سے مصافحہ کیا جائے اور مسافر کو سلام کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ اس سے گلے ملا جائے۔''(۱)

پیغمبر اکرمؐ کی سیرت میں مذکور ہے کہ آپؐ کسی سے مصافحہ کرتے تھے تو جب تک وہ خود آپ کا ہاتھ نہیں چھوڑ دیتا تھا آپؐ اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے. درحقیقت آپ اس طریقۂ کار کے ذریعہ اپنی جانب سے زیادہ محبت کا اظہار فرماتے تھے ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اِنَّ الْمُؤمِنِيْنَ اِذَا الْتَقَيَا وَتَصَافَحَا اَدْخَلَ اللّٰهُ يَدَهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَصَافَحَ اَشَدَّهُمَا حُبّاً لِصَاحِبِه'' ''جب مومنین ایک دوسرے سے ملتے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کے ہاتھوں کے درمیان اپنا ہاتھ بھی رکھ دیتا ہے اور ان دونوں میں جس کے دل میں اپنے ساتھی کی محبت زیادہ ہوتی ہے خدا اسی سے مصافحہ کرتا ہے۔''(۲)

اس حدیث کی روشنی میں جو شخص اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ (لطف و رحمت الٰہی) میں رکھنا چاہتا ہے اسے اپنے مومن بھائی سے مصافحہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۳، حدیث ۱۰۸

(۲) بحار الانوار ج ۷۶، باب ۱۰۰، حدیث ۱۲



## خلاصہ:

ملاقات کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملے تو اسے سلام کرے، مصافحہ کرے اور اس سے گلے ملے. ملاقات کے وقت سلام کرنے کے مقابلہ میں پہلے سلام کرنے کی اہمیت زیادہ ہے. حتی کہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ہر بات سے پہلے سلام کرو۔ سلام میں سبقت، بلند آواز سے سلام کرنا، اچھی طرح سلام کا جواب دینا بھی سلام کے آداب میں شامل ہے۔

## سوالات:

۱۔ سلام سے متعلق آیات سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے؟

۲۔ سلام کو عام کرنے (افشاء السلام) کا کیا مطلب ہے؟

۳۔ اسلام کی نگاہ میں کون شخص دوسرے کو سلام کرے؟

۴۔ سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟

۵۔ مصافحہ اور معانقہ کسے کہتے ہیں؟

# اکیسواں سبق

## حقوق کا پاس ولحاظ

خداوند عالم نے اس نظام خلقت میں اپنے بندوں کے لئے کچھ نہ کچھ قوانین اور حقوق معین کئے ہیں اوران کے لئے کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی ہرایک کا فریضہ ہے۔ درحقیقت ان حقوق کی رعایت کرنے سے زندگی میں امن وسکون پیدا ہوتا ہے. انسان کی جان ومال، عزت وآبرو اور مقام ومنزلت اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذار سکتا ہے جب ان حدود کی پابندی کی جائے ورنہ بداعتمادی، ناامیدی اور اضطراب کی صورت حال پیدا ہوجائے گی اور ہرایک کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگے گا۔ اگر کوئی انسان سماج میں کسی کے مال کو دوسرے کا مال نہ سمجھے بلکہ اپنا مال تصور کرے یا کوئی انسان دوسروں کی عزت وآبرو کو اہمیت نہ دے یا کچھ لوگ ایسے ہوں جو لوگوں کی جان کے درپے ہوجائیں خلاصہ یہ کہ ہرانسان من مانے طریقہ سے دوسروں کے حقوق کو پامال کرے تو سماج میں نہ صرف یہ کہ ترقی کے راستے بند ہوجائیں گے بلکہ بہت جلد یہ معاشرہ ختم ہوجائے گا۔ اسی لئے خداوند عالم نے انسانوں کے لئے کچھ حقوق وحدود مقرر کئے ہیں اور سب کو ان کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے. البتہ خداوند عالم نے ان حقوق کی ضمانت کے ذرائع اور اسباب بھی فراہم کئے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا ذریعہ خود انسان ہے. خداوند عالم نے پہلے لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی ہے جس سے انسان خود بخود نہ صرف دوسروں کے حقوق پامال نہ کرے گا. بلکہ دوسروں کے حقوق وحدود کو سمجھے گا ان کی رعایت کرے گا اور ساتھ ساتھ خدا نے ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا بھی معین کردی ہے۔



چونکہ صرف اخلاقی پہلو ہمارے مدنظر ہے اس لئے ہم صرف ان حدود کی شناخت کرائیں گے جو لوگوں کے لئے معین کئے گئے ہیں ان حقوق وحدود کی ممانعت کرنے والوں کی سزا اور اس کے تفصیلات کی ایک الگ بحث ہے جو ہمارے اس مختصر مقالہ سے مناسبت نہیں رکھتی ہے۔

### ۱۔ شخصی حدود

شخصی حدود سے مراد وہ حدود ہیں جنھیں انسان خود اپنی نجی زندگی میں برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اس میں کسی غیر کی مداخلت اسے پسند نہیں ہے جیسے گھریلو معاملات یا نجی کمرہ اس سلسلہ میں اسلام کا نظریہ ہے کہ کسی کے شخصی حدود میں داخل ہونے کے لئے اس شخص کی اجازت واجب ولازم ہے. جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرَ بُیُوتِکُمْ حَتَّی تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَی أَهْلِهَا ذَلِکُمْ خَیْرٌ لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُونَ. فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِیهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَإِنْ قِیلَ لَکُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْکَی لَکُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیمٌ﴾ (۱)

''اے ایمان والو! خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحب خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو. یہی تمہارے حق میں بہتر ہے کہ شاید تم اس سے نصیحت حاصل کرسکو، پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے''

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۲۷/۲۸

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے تین مرتبہ اجازت لینا چاہئے. "اَلْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثَۃٌ" اَوَّلُھُنَّ یَسْمَعُوْنَ وَالثَّانِیَۃُ یَحْذَرُوْنَ وَالثَّالِثَۃُ اِنْ شَاؤُوْا اَذِنُوْا وَاِنْ شَاؤُوْا لَمْ یَفْعَلُوْا فَیَرْجِعِ الْمُسْتَأْذِنُ" (۱)

"تین مرتبہ اجازت لینی چاہئے سب سے پہلے سنانے کیلئے (صاحب خانہ متوجہ ہو جائے کہ کوئی آنا چاہتا ہے) دوسری مرتبہ آمادہ ہونے کے لئے (خود انسان گھر اور اہل خانہ کو آمادہ کرے کہ کوئی آرہا ہے) اور تیسری مرتبہ اس لئے کہ اگر گھر والے اجازت دیں تو ٹھیک ہے ورنہ اجازت لینے والے کو واپس ہو جانا چاہئے۔"

اس رعایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان کو گھر کے دروازہ سے داخل ہونا چاہئے نہ دیوار وغیرہ کی طرف سے۔ آغاز اسلام میں بعض افراد یہ سمجھتے تھے کہ دیوار سے کود کر کسی کے گھر میں چلے گئے تو بڑا کمال کر دیا ہے ان کا خیال تھا کہ اس طرح سے صاحب خانہ سے زیادہ محبت کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی اور مومنین کو اس کام سے روک دیا گیا: ﴿لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۲)

"اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ مکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی ان کیلئے ہے جو پرہیزگار ہوں اور مکانوں میں دروازہ کی طرف سے آئیں اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ"

ان حدود کے دوسرے پہلو میں گھر والے بھی شامل ہیں یہاں تک کہ ماں باپ بھائی بہن وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِیَسْتَأْذِنْکُمُ

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۸، حدیث ۲

(۲) سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹



الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِنَ الظَّھِیْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاۃِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَکُمْ لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْھِمْ جُنَاحٌ بَعْدَھُنَّ طَوَّافُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْآیَاتِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْکُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَأْذِنُوْا کَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ آیَاتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ (۱)

"اے ایمان والو تمہارے غلام وکنیز اور وہ بچے جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہونچے ہیں ان سب کو چاہئے کہ تمہارے پاس داخل ہونے کے لئے تین اوقات میں اجازت لیں نماز صبح سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو اور نماز عشا کے بعد، یہ تین اوقات پردے کے ہیں. اس کے بعد تمہارے لئے یا ان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے پاس چکر لگاتے رہیں کہ اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتا ہے. اور بیشک اللہ ہر شئی کا جاننے والا اور صاحب حکمت ہے. اور جب تمہارے بچے حد بلوغ کو پہونچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح پہلے والے اجازت لیا کرتے تھے پروردگار اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ وہ صاحب علم وحکمت ہے"

## ۲۔ عیب چھپانا

ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی عیب پایا جاتا ہے کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس سے غلطی نہ ہو جیسا کہ روایات میں بھی ہے کہ ہر انسان خطا کار ہے لہٰذا ہر انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے عیب کو چھپائے. اور خداوند عالم بھی ستار العیوب ہے اور عیب چھپانے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۱) سورۂ نور: آیت ۵۸/۵۹

لہٰذا دوسروں کے عیوب کو آشکار کرنا ایک بری خصلت اور حرام کام ہے اور اس کا شمار دوسروں کے حدود سے تجاوز میں ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"مَنْ عَلِمَ مِنْ أَخِيهِ سَيِّئَةً فَسَتَرَهَا سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"" جو اپنے بھائی کے کسی عیب سے واقف ہو اور پھر اس عیب کو چھپائے تو خداوند عالم روز قیامت اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔" (۱)

اس طرح منقول ہے ایک شخص نے آنحضرتؐ سے عرض کیا:

"أُحِبُّ أَنْ يَسْتُرَ اللهُ عَلَيَّ عُيُوبِي"" میں چاہتا ہوں کہ خدا میرے عیوب کو ظاہر نہ کرے"

آپؐ نے فرمایا: "اُسْتُرْ عُيُوبَ اِخْوَانِكَ سَتَرَ اللهُ عَلَيْكَ عُيُوبَكَ"" تم اپنے بھائیوں کے عیوب کو پوشیدہ رکھو خداوند عالم تمہارے عیوب کو چھپائے گا" (۲)

اسی طرح سے آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ: "مَنْ رَوىٰ عَلىٰ مُؤْمِنٍ رِوَايَةً يُرِيدُ بِهَا شَيْنَهُ وَهَدْمَ مُرُوَّتِهِ يَسْقُطُ مِنْ اَعْيُنِ النَّاسِ اَخْرَجَهُ اللهُ مِنْ وِلَايَتِهِ اِلىٰ وِلَايَةِ الشَّيْطَانِ فَلَا يَقْبَلُهُ الشَّيْطَانُ"" جو کسی مومن کو بدنام کرنے کے لئے اس کا ذکر کرے اور اس طرح لوگوں کی نظر میں اس کا احترام ختم کرنا چاہتا ہو تو خداوند عالم اسے اپنی ولایت سے نکال کر شیطان کی ولایت میں دے دیتا ہے لیکن شیطان بھی اسے قبول نہیں کرتا۔" (۳)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "اِنَّ اَقْرَبَ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ اِلَى الْكُفْرِ اَنْ يُوَاخِيَ الرَّجُلُ عَلَى الدِّينِ وَيُحْصِي عَلَيْهِ عَثَرَاتِهِ وَزَلَّاتِهِ لِيُعَنِّفَهُ بِهَا يَوْماً"" کفر اور بے ایمانی

(۱) الترغیب والترہیب: ج ۳، ص ۲۳۹، ومسند احمد، ج ۴، ص ۱۰۴

(۲) کنز العمال: ج ۱۶، ص ۱۲۹، حدیث ۴۴۱۵۴

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۷، حدیث ۴۰



کی سب سے نزدیکی سرحد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے دین کے نام پر قریب ہوتا کہ اس کی غلطیوں اور عیوب کو جمع کرتا رہے اور ایک روز انہیں فاش کر کے اسے بدنام کردے۔" (۱)

حضرت علیؑ نے جناب مالک اشتر کو جب مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہیں کچھ نصیحتیں کیں اور عیب پوشی کے سلسلہ میں ان سے یہ فرمایا:

"وَ لْيَكُنْ اَبْعَدُ رَعِيَّتِكَ مِنْكَ وَاَشْنَاهُمْ عِنْدَكَ اَطْلَبَهُمْ لِمَعَائِبِ النَّاسِ فَاِنَّ فِي النَّاسِ عُيُوباً الْوَالِي اَحَقُّ مَنْ سَتَرَهَا فَلَا تَكْشِفَنَّ عَمَّا غَابَ عَنْكَ مِنْهَا اِنَّمَا عَلَيْكَ تَطْهِيرُ مَا ظَهَرَ لَكَ وَاللهُ يَحْكُمُ عَلىٰ مَا غَابَ عَنْكَ فَاسْتُرِ الْعَوْرَةَ مَا اسْتَطَعْتَ يَسْتُرِ اللهُ مَا تُحِبُّ سَتْرَهُ مِنْ رَعِيَّتِكَ" (۲)

"تمہاری حکومت میں تمہارے نزدیک بدترین اور تم سے دورترین ان لوگوں کو ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اس لئے کہ لوگوں میں بہرحال عیب پائے جاتے ہیں ان کو چھپانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری حاکم پر ہے۔ لہٰذا جو عیوب پوشیدہ ہیں انہیں ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اس لئے کہ تمہارا فرض صرف ان عیوب کو دور کرنا ہے جو ظاہر ہیں۔ اور وہ عیوب جو پوشیدہ ہیں ان پر خداوند عالم خود حکم کرے گا۔ لہٰذا جتنا ہو سکے لوگوں کے عیوب کو چھپاؤ تا کہ خداوند عالم تمہارے ان عیوب کو چھپائے جن کو تم عیاں ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتے"

## ۳۔ امانتداری

حقوق الناس میں سے ایک حق امانتداری ہے امانت چاہے مال ہو یا راز جب ایک قابل اعتماد شخص کے حوالہ کی جاتی ہے تو اس امانتدار کے لئے ضروری ہے کہ ہر طرح اس کی حفاظت کرے

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۵، حدیث ۱۳

(۲) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۳۰، حدیث ۷۴۴

اور جب اس کا مالک طلب کرے تو اسے فوراً واپس کردے۔امانت میں خیانت نہ کرنا اور اسے اس کے مالک کو واپس کردینا ایک الٰہی اور شرعی فریضہ ہے جس کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے اور ہر قسم کی خیانت کو دوسروں کے حدود سے تجاوز شمار کیا جاتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا شمار گناہان کبیرہ میں ہے۔

قرآن کریم میں امانتداری کو صاحبان ایمان کی اہم خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ ”بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل (مالک) تک پہونچادو“(۱)

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں:”لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ“”جو امانتدار نہیں وہ دیندار نہیں ہے۔“(۲)

نیز آپؐ فرماتے ہیں:”لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَانَ بِالْاَمَانَةِ“”جو امانت میں خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے“(۳)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا ہے:”آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ“”منافق کی تین علامتیں ہیں جب وہ گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وفا نہیں کرتا اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔“(۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:”لَا تَنْظُرُوْا اِلٰى طُوْلِ رُكُوْعِ الرَّجُلِ

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۵۸

(۲) کنز العمال: ج ۳، ص ۶۷۷، حدیث ۸۴۳۶

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۱۴

(۴) بحار الانوار: ج ۷۲، باب ۱۰۶، حدیث ۶



وَسُجُوْدِهِ فَاِنَّ ذٰلِكَ شَيْءٌ اِعْتَادَهُ فَلَوْ تَرَكَهُ اِسْتَوْحَشَ لِذٰلِكَ وَلٰكِنْ اُنْظُرُوْا اِلٰى صِدْقِ حَدِيْثِهِ وَاَدَاءِ اَمَانَتِهِ“”انسان کے طولانی رکوع اور سجود کو نہ دیکھو اس لئے کہ یہ اس کی عادت بن گئی ہے کہ اگر اسے ترک کرے گا تو پریشان ہوجائے گا لیکن یہ دیکھو کہ وہ بات کا سچا اور امانتدار ہے یا نہیں؟۔“(۱)

اسلام میں امانتداری اس قدر اہم ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے امانت کے بارے میں صالح اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے بلکہ تاکید فرمائی ہے کہ امانت صاحب امانت کو واپس کرنا ضروری ہے صاحب امانت چاہے جو بھی ہو۔

امام جعفر صادقؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:”اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا اِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ اِلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ“”خداوند عالم نے تمام انبیاء کو صدق بیانی اور ہر نیک و بد کے ساتھ امانتداری سے پیش آنے کا حکم دے کر مبعوث فرمایا۔“(۲)

نیز آپؑ فرماتے ہیں:”اَدُّوا الْاَمَانَةَ وَلَوْ اِلٰى قَاتِلِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ“

”امانت اس کے مالک کو ادا کرو چاہے وہ حسین بن علیؑ کا قاتل ہی کیوں نہ ہو“(۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:”لَا تَخُنْ مَنِ ائْتَمَنَكَ وَاِنْ خَانَكَ وَلَا تُذِعْ سِرَّهُ وَاِنْ اَذَاعَ سِرَّكَ“

”جو تمہیں امانتدار سمجھے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو چاہے اس نے تمہارے ساتھ خیانت

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۶۹، حدیث ۱۰

(۲) بحار الانوار: ج ۱۱، باب ۲، حدیث ۲۱

(۳) بحار الانوار: ج ۱۱، باب ۲، حدیث ۲۱

ہی کیوں نہ کی ہو. اور اس کے راز کو فاش نہ کرو چاہے اس نے تمہارے راز کو فاش کیا ہو۔"(۱)

امانتداری کے نتائج اور اس کے فوائد کے سلسلہ میں بہت ساری روایتیں ہیں جن میں سے ہم بعض روایات یہاں ذکر کر رہے ہیں:

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "اَلامَانَۃُ تَجْلِبُ الْغِنَاوَ الْخِیَانَۃُ تَجْلِبُ الْفَقْرَ" امانتداری مالداری اور خیانت فقر کا باعث ہوتی ہے۔"(۲)

اسی طرح کی حدیث حضرت علیؑ سے بھی منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں: "الامَانَۃُ تَجُرُّ الرِّزْقَ وَ الْخِیَانَۃُ تَجُرُّ الْفَقْرَ" "امانتداری سے روزی اور خیانت سے فقر پیدا ہوتا ہے۔"(۳)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "اِذَا قَوِیَتِ الْاَمَانَۃُ کَثُرَ الصِّدْقُ"

"امانتداری اگر زیادہ ہو تو سچائی میں اضافہ ہوتا ہے"(۴)

نیز فرماتے ہیں: "اَلْاَمَانَۃُ تُؤَدِّی اِلیٰ الصِّدْقِ"

"امانتداری سچائی کا باعث ہے"(۵)

ہم نے اس بحث کے شروع میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ امانتداری کا تعلق صرف پیسے اور قیمتی چیزوں سے نہیں ہے بلکہ دوسرے کی کوئی بھی چیز اگر کسی کے پاس بطور امانت ہو تو اس کی حفاظت ضروری ہے چاہے وہ قیمتی ہو یا بے قیمت اور یا کوئی راز ہو. بلکہ ہر وہ چیز جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھی جائے اس کی حفاظت ضروری ہے اور اس کے بارے میں کسی طرح کی لاپرواہی، تجاوز اور خیانت شمار ہوگی. اور خیانت کرنے والا خدا کے قہر و غضب کا حقدار ہوگا۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۷، باب ۸، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۴

(۳) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۱۶، حدیث ۱۳۸

(۴) غرر الحکم ج ۳، ص ۱۳۴

(۵) غرر الحکم: ج ۲، ص ۷



## خلاصہ:

ہر انسان کے کچھ مخصوص حقوق اور حدود ہیں جن کی رعایت کرنا سب پر واجب ہے جان و مال وعزت اور آبرو نیز عیوب اور کسی کا گھر سب اس کی امانت اور اس کے حدود شمار ہوتے ہیں اور کسی کو بغیر اجازت کسی کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

## سوالات:

۱۔ شخصی حدود سے کیا مراد ہے؟

۲۔ کیا کسی کے شخصی حدود میں صرف غیروں کی مداخلت ممنوع ہے۔

۳۔ قرآنی آیات کی روشنی میں لوگوں سے اجازت کے خصوصی اوقات کون سے ہیں؟

۴۔ کسی کے عیوب کو عام کرنا اس کے حدود میں مداخلت کیوں شمار ہوتا ہے؟

۵۔ کن چیزوں کو امانت کہا جاتا ہے؟

# بائیسواں سبق

## دوست اور ساتھی (۱)

ہر انسان کے سماج میں کچھ لوگوں سے تعلقات ضرور ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں سے دوستی بھی ہوتی ہے انسان انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا یا آمد و رفت رکھتا ہے خرید و فروخت کرتا ہے یا اپنے مسائل اور مشکلات حل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے مشورہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

اسلام نے دوستی اور ہمنشینی کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے لئے مومنین سے بہت تاکید کی گئی ہے چنانچہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''مَنْ لاٰ صَدِيقَ لَهُ لاٰ ذُخْرَ لَهُ'''' جس کا کوئی دوست نہیں ہے اس کے پاس کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔''(۱)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ''اَلْأَصْدِقَاءُ نَفْسٌ وَاحِدٌ فِي جُسُومٍ مُتَفَرِّقَةٍ'''' دوست ایسے ہوتے ہیں جیسے مختلف جسموں میں ایک روح ہوتی ہے۔''(۲)

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ ہر کس و ناکس سے دوستی مناسب نہیں ہے جب دوست انسان کے تمام رشتہ داروں کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے تو یقیناً انسان دوست سے متاثر بھی زیادہ ہوتا ہے پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: ''اَلْمَرْءُ عَلىٰ دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ'''' انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا تم دیکھو کہ کس کے دوست ہو۔''(۳)

---

(۱) غرر الحکم: ج۱، ص۱۷۷

(۲) غرر الحکم: ج۲، ص۱۲۳

(۳) بحار الانوار: ج۷۴، باب۱۴، حدیث۱۲



نیز آپؑ فرماتے ہیں: ''اِخْتَبِرُوا النَّاسَ بِإِخْوَانِهِمْ فَإِنَّمَا يُخَاوِنُ الرَّجُلُ مَنْ يُعْجِبُهُ نَحْوَهُ'''' لوگوں کو ان کے دوستوں کے ذریعہ پہچانو اس لئے کہ ہر انسان اس سے دوستی کرتا ہے جو اسے اچھا لگتا ہے۔''(۱)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''كُلُّ امْرِءٍ يَمِيلُ إِلىٰ مِثْلِهِ'' ''ہر انسان اپنے جیسے کی طرف میلان رکھتا ہے۔''(۲)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: ''لاٰ يَصْحَبُ الْأَبْرَارُ إِلاَّ نُظَرَائَهُمْ وَ لاٰ يَوَادُّ الْأَشْرَارُ إِلاَّ أَشْبَاهَهُمْ'''' لوگ نیک اور اچھے کو ہی اپنا دوست بناتے ہیں اور برے لوگ برے دوستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔''(۳)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست کے انتخاب میں بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ہم اس درس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک اچھے دوست کے خصوصیات بیان کریں گے۔ اور اگلے درس میں یہ بتائیں گے کہ کن لوگوں کی دوستی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۱۔ قرآن کریم ان لوگوں سے دوستی کرنے کا حکم دیتا ہے جن کے شب و روز یاد خدا میں بسر ہوتے ہیں اور جو رضائے الٰہی کے خواہاں ہوتے ہیں:

﴿وَلاٰ تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ ''جو لوگ صبح و شام اپنے خدا کو پکارتے ہیں اور خدا ہی کو اپنا مقصود بنائے ہوئے ہیں ان کو اپنی بزم سے الگ نہ کیجئے گا۔''(۴)

---

(۱) مستدرک: ج۸، باب۱۰، ص۳۲۷، روایت ۹۵۶۸

(۲) غرر الحکم: ج۴، ص۵۳۲

(۳) غرر الحکم ج۶، ص۳۷۶

(۴) سورۂ انعام: آیت ۵۲

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهُ﴾ "اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلبگار ہیں۔"(۱)

۲۔ پیغمبر اسلامؐ نے شریف النفس اور اعلیٰ ظرف افراد کے ساتھ ہم نشینی کی وصیت فرمائی ہے: "اَسْعَدُ النَّاس مَنْ خَالَطَ کِرَامَ النَّاسِ" "سب سے زیادہ خوش نصیب وہ انسان ہے جو کریم افراد سے رابطہ رکھے۔"(۲)

۳۔ ایک دوسری حدیث میں پیغمبر اسلامؐ نے ہمیں مردان خدا کی ہم نشینی کا حکم دیا ہے. آنحضرتؐ سے کسی نے سوال کیا کہ بہترین ہم نشین کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "مَنْ ذَکَّرَکُمُ اللّٰهَ رُؤْیَتُهُ وَزَادَکُمْ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُهُ وَذَکَّرَکُمُ الْآخِرَةَ عَمَلُهُ" "جس کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آجائے، جس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔"(۳)

۴۔ امام حسن عسکریؑ نے اپنے اجداد کے ذریعہ امام زین العابدینؑ سے ایک مفصل حدیث بیان کی ہے کہ جس میں مختلف انسانوں کی شناخت کے کچھ معیار اور علامتیں ذکر کی گئی ہیں جن کے ذریعہ ہم اچھے یا برے انسانوں کی شناخت کرسکتے ہیں چونکہ اس حدیث میں ایسے مفید اور کارآمد نکات کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے لئے راہنما اور سبق آموز ہیں لہذا ہم یہاں اس روایت کو نقل کررہے ہیں۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۂ کہف آیت ۲۸

(۲) بحار الانوار: ج۱، باب ۴، حدیث ۱۳

(۳) مستدرک: ج۵، باب ۳۲، حدیث ۶۱۷۳



"اِذَارَأَیْتُمُ الرَّجُلَ قَدْحَسُنَ سَمْتُهُ وَهَدْیُهُ وَتَمَاوَتَ فِیْ مَنْطِقِه وَتَخَاضَعَ فِیْ حَرَکَاتِهِ فَرُوَیْدًالَایَضُرُّکُمْ فَمَااَکْثَرَمَنْ یُعْجِزُهُ تَنَاوُلُ الدُّنْیَاوَرُکُوبُ الْحَرَامِ مِنْهَا لِضَعْفِ بُنْیَتِهِ وَمَهَانَتِهِ وَجُبْنِ قَلْبِهِ فَنَصَبَ الدِّیْنَ فَخَّالَهَافَهُوَلَایَزَالُ یَخْتِلُ النَّاسَ بِظَاهِرِهِ فَاِنْ تَمَکَّنَ مِنْ حَرَامٍ اِقْتَحَمَهُ وَاِذَاوَجَدْتُمُوْهُ یَعُفُّ عَنِ الْمَالِ الْحَرَامِ فَرُوَیْدًا لَایَضُرُّکُمْ فَاِنَّ شَهَوَاتِ الْخَلْقِ مُخْتَلِفَةٌ فَمَااَکْثَرَمَنْ یَنْبُوْعَنِ الْمَالِ الْحَرَامِ وَاِنْ کَثُرَوَ یَحْمِلُ نَفْسَهُ عَلٰی شَوْهَاءَ قَبِیْحَةٍ فَیَاْتِی مِنْهَامُحَرَّمًافَاِذَاوَجَدْتُمُوْهُ یَعُفُّ عَنْ ذٰلِکَ فَرُوَیْدًالَایَغُرُّکُمْ حَتّٰی تَنْظُرُوْامَاعُقْدَةُ عَقْلِه فَمَااَکْثَرَمَنْ تَرَکَ ذٰلِکَ اَجْمَعَ ثُمَّ لَایَرْجِعُ اِلٰی عَقْلٍ مَتِیْنٍ فَیَکُوْنُ مَایُفْسِدُهُ بِجَهْلِه اَکْثَرَ مِمَّایُصْلِحُهُ بِعَقْلِه فَاِذَاوَجَدْتُمْ عَقْلَهُ مَتِیْنًافَرُوَیْدًالَایَغُرُّکُمْ حَتّٰی تَنْظُرُوْااَمَعَ هَوَاهُ یَکُوْنُ عَلٰی عَقْلِهِ اَوْیَکُوْنُ مَعَ عَقْلِهِ عَلٰی هَوَاهُ فَکَیْفَ مَحَبَّتُهُ لِلرِّئَاسَاتِ الْبَاطِلَةِ وَ زُهْدُه فِیْهَافَاِنَّ فِی النَّاسِ مَنْ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةَ یَتْرُکُ الدُّنْیَا لِلدُّنْیَا وَیَرٰی اَنَّ لَذَّةَ الرِّئَاسَةِ الْبَاطِلَةِ اَفْضَلُ مِنْ لَذَّةِ الْاَمْوَالِ وَالنِّعَمِ الْمُبَاحَةِ الْمُحَلَّلَةِ فَیَتْرُکُ ذٰلِکَ اَجْمَعَ طَلَبًالِلرِّئَاسَةِ حَتّٰی ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (۱) فَهُوَیَخْبِطُ خَبْطَ عَشْوَاءَ. یَقُوْدُهُ اَوَّلُ بَاطِلٍ اِلٰی اَبْعَدِ غَایَاتِ الْخَسَارَةِ وَیَمُدُّهُ رَبُّهُ بَعْدَ طَلَبِهِ لِمَالَایَقْدِرُعَلَیْهِ فِی طُغْیَانِهِ فَهُوَ یُحِلُّ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَیُحَرِّمُ مَااَحَلَّ اللّٰهُ لَایُبَالِی بِمَافَاتَ مِنْ دِیْنِهِ اِذَاسَلِمَتْ رِئَاسَتُهُ الَّتِی قَدْشَقِیَ مِنْ اَجْلِهَا فَاُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًامُهِیْنًا"

"وَلٰکِنَّ الرَّجُلَ کُلَّ الرَّجُلِ نِعْمَ الرَّجُلِ الَّذِیْ جَعَلَ هَوَاهُ تَبَعًالِاَمْرِاللّٰهِ وَ قُوَاهُ

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۶

مَـنْـذُوْلَةٌ فِیْ رِضَـی الـلّـهِ یَرَی الذُّلَّ مَعَ الْحَقِّ اَقْرَبُ اِلیٰ عِزِّالْاَبَدِ مَعَ الْعِزِّ فِی الْبَاطِلِ وَیَعْلَمُ اَنَّ قَلِیْلَ مَایَحْتَمِلُهُ مِنْ ضَرَّائِهَایُؤَدِّیْهِ اِلی دَوَامِ النِّعَمِ فِی دَارٍ لَاتَبِیْدُ وَلَاتَنْفَدُ وَاِنَّ کَثِیْرَمَایَحْتَمِلُهُ مِنْ سَرَّائِهَااِنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ یُؤَدِّیْهِ اِلیٰ عَذَابٍ لَااِنْقِطَاعَ لَهُ وَلَایَزُوْلُ فَذٰلِکُمُ الـرَّجُـلُ نِعْمَ الرَّجُلُ فِیْهِ فَتَمَسَّکُوْا وَبِسُنَّتِهِ فَاقْتَدُوْا وَاِلیٰ رَبِّکُمْ بِهِ فَتَوَسَّلُوْا وَاِنَّهُ لَاتُرَدُّ لَهُ دَعْوَةٌ وَلَاتُخَیَّبُ لَهُ طَلِبَةٌ"

"جب بھی کسی کو دیکھو کہ اس کا ظاہر بہت عمدہ، طریقہ کار مناسب ہے زاہدوں جیسی باتیں کرتا ہے اور اعمال میں خضوع وخشوع پایا جاتا ہے. تو خبردار اس کے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنی کمزوری، خوف اور بزدلی کے باعث حصول دنیا اور ارتکاب حرام سے عاجز ہیں اس لئے دین کو اپنے لئے ڈھال بنالیتے ہیں تاکہ دینداری کا اظہار کر کے لوگوں کو دھوکا دے سکیں لیکن جیسے ہی انہیں کسی حرام پر قدرت حاصل ہوتی ہے حرام میں غرق ہوجاتے ہیں. اور پھر بھی اگر دیکھو کہ مال حرام سے چشم پوشی کر رہے ہیں تب بھی ان کے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کہ انسانوں کی خواہشات نفسانی مختلف ہوتی ہیں. کتنے لوگ ایسے ہیں جو مال حرام کھانے سے پرہیز کرتے ہیں چاہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اپنے نفس کو برائی سے نہیں روکتے اور اس راستہ سے حرام میں مبتلا ہوتے ہیں اب اگر یہ دیکھو کہ اس کام سے بھی پرہیز کرتے ہیں پھر بھی ان کے دھوکے میں نہ آنا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ ان کی عقل کی بنیاد کس چیز پر ہے اس لئے کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو ہر طرح کے امور سے پرہیز کرتے ہیں لیکن عقل کو بروئے کار نہیں لاتے ہیں لہٰذا وہ اپنی نادانی کی وجہ سے جو فساد پیدا کرتے ہیں وہ اس اصلاح سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو وہ اپنی عقلمندی کے ذریعہ کرتے ہیں. تو اگر تم انہیں صحیح عقل وفکر والا پاؤ پھر بھی ان کے فریب میں نہ آنا! جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کے ساتھ اپنی عقل پر بھی غالب ہیں یا عقل کے باوجود خواہشات نفسانی ان پر غالب ہیں. اور ان کی محبت زہد وپرہیزگاری سے زیادہ ہے یا وہ باطل اقتدار کو زیادہ دوست رکھتے



ہیں. اس لئے کہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا وآخرت کو برباد کرلیا ہے اور دنیا کو دنیا کے لئے ترک دیا ہے. وہ یہ سمجھتے ہیں کہ باطل اقتدار کا مزہ مباح وحلال ثروت سے زیادہ اچھا ہے. اور یہ سب کچھ اقتدار باطل حاصل کرنے کے لئے ترک کردیتے ہیں. جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "اگر ان سے کہا جائے کہ تقویٰ اختیار کرو تو ان کا تکبر انہیں گناہ کی طرف کھینچتا ہے اور پھر جہنم ان کا مقام اور کس قدر بری جگہ ہے۔"(۱)

لہٰذا وہ تاریک رات کی طرح گمراہی کی طرف بڑھتے ہیں اور ان کی پہلی باطل خواہش انہیں بے انتہا خسارے اور گھاٹے میں مبتلا کردیتی ہے اور ان کا خدا بھی انہیں اس چیز کی دعوت دیتا ہے جو ان سے بن نہیں پڑتی یعنی تقویٰ اور ہدایت کی طرف بازگشت اور وہ ان کی اس سرکشی میں مدد بھی کرتا ہے اور پھر وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں. اور اگر ان کا اقتدار محفوظ رہے تو ان کا دین جتنا بھی برباد ہوجائے انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے. یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا ہے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کو مہیا کر رکھا ہے۔

واقعاً مرد، مرد کامل اور بہترین مرد وہ ہے جس نے اپنی خواہشوں کو خداوند عالم کے احکام کا تابع بنالیا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف کرتا ہے. اور حق کی راہ میں ذلت کو باطل کی راہ کی عزت سے بہتر سمجھتا ہے. اور جانتا ہے کہ اس راہ میں یہ تھوڑی سی سختی اور مشکل اسے اس دنیا کی نعمت تک پہونچانے والی ہے جو کبھی ضائع اور برباد ہونے والی نہیں ہے اور اگر وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرے گا تو اس سے جو لذتیں اسے حاصل ہوں گی وہ اسے ایسے عذاب میں مبتلا کرنے والی ہیں جو ختم ہونے والا نہیں ہے. ایسا انسان واقعاً بہترین انسان ہے۔ پس

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۶

ن سے متمسک ہو جاؤ. اس کی پیروی کرو اسے خدا کا وسیلہ بناؤ. اس لئے اس کی دعا ہرگز رد نہیں ہوگی اور اس کی کوئی خواہش ٹھکرائی نہیں جاتی ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زین العابدینؑ کی نظر میں فضیلت اور کامیابی کا معیار اچھا ظاہر، اچھی گفتگو اور مال حرام سے پرہیز وغیرہ نہیں ہے. ہاں اگر انسان اپنے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے اور خدا کی رضا کے لئے ذلت وخواری کو بھی برداشت کر لے اور اپنی خواہشات نفسانی کو اپنی عقل وشرع کا پیرو بنالے تو ایسا انسان پیروی واتباع اور دوستی وہمنشینی کے لائق ہے۔

۵۔ پیغمبر اسلامؐ نے ایک حدیث میں حکماء اور فقراء کے ساتھ ہم نشینی کی تاکید کی ہے آپ فرماتے ہیں: "سَائِلُوا الْعُلَمَاءَ وَخَالِطُوا الْحُكَمَاءَ وَجَالِسُوا الْفُقَرَاءَ" "علماء سے سوال کرو حکماء سے رابطہ رکھو اور فقرا کی ہم نشینی اختیار کرو۔" (۱)

ایک دوسری حدیث میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "صَاحِبِ الْحُكَمَاءَ وَجَالِسِ الْعُلَمَاءَ وَأَعْرِضْ عَنِ الدُّنْيَا تَسْكُنْ جَنَّةَ الْمَأْوىٰ" "حکماء کی صحبت اور علماء کی ہم نشینی اختیار کرو اور دنیا سے بچو تا کہ جنت میں جگہ پاؤ۔" (۲)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "أَكْثَرُ الصَّوَابِ وَ الصَّلَاحِ فِي صُحْبَةِ أُولِي النُّهَىٰ وَ الْأَلْبَابِ"
"سب سے زیادہ خیر عقلمندوں اور متفکرین کے ساتھ ہم نشینی میں ہے۔" (۳)

۶۔ امام حسن مجتبیٰؑ "جنادہ بن امیہ" کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ اٹھو بیٹھو جو تمہاری زینت وسربلندی کا باعث اور، تمہاری بزرگی وکرامت میں اضافہ کا موجب ہو اور ہر

---

(۱) بحار الانوار: ج۱، باب ۳، حدیث ۵

(۲) غرر الحکم: ج۴، ص۲۰۵

(۳) غرر الحکم: ج۴، ص۳۲۹



حال میں تمہارے کمال کا سبب بنے اور تم اس کی مدد سے اپنے نقائص کو دور کر سکو۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"اصْحَبْ مَنْ إِذَا صَحِبْتَهُ زَانَكَ وَإِذَا خَدَمْتَهُ صَانَكَ وَإِذَا أَرَدْتَ مِنْهُ مَعُونَةً أَعَانَكَ وَإِنْ قُلْتَ صَدَّقَ قَوْلَكَ وَإِنْ صُلْتَ شَدَّ صَوْلَكَ وَإِنْ مَدَدْتَ يَدَكَ بِفَضْلٍ مَدَّهَا وَإِنْ بَدَتْ عَنْكَ ثُلْمَةٌ سَدَّهَا وَإِنْ رَأَى مِنْكَ حَسَنَةً عَدَّهَا وَإِنْ سَأَلْتَهُ أَعْطَاكَ وَإِنْ سَكَتَّ عَنْهُ ابْتَدَاكَ وَإِنْ نَزَلَتْ إِحْدَى الْمُلِمَّاتِ بِهِ سَاءَكَ" (۱)

"اس شخص کی ہم نشینی اختیار کرو کہ جس کی ہم نشینی تمہارے لئے سربلندی اور زینت کا باعث ہو، اگر تم اس کی خدمت کرو تو وہ تمہارا احترام کرے، اگر اس سے مدد چاہو تو تمہاری مدد کرے، کوئی بات کہو تو تمہاری تائید کرے، اگر کسی کار خیر کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ تو تمہاری حمایت کرے. اگر تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے اور اسے ظاہر نہ کرے اگر تمہارے اندر کوئی اچھی صفت دیکھے تو اس کی قدر کرے، تم اس سے اگر کچھ طلب کرو تو عطا کرے، اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو وہ خود اسے پوری کرنے کی کوشش کرے اور اگر اس پر کوئی مشکل پڑے تو پریشان ہو"

۷۔ اگر دوستی اور ہم نشینی کی بنیاد حق وصداقت پر ہو تو دوست ایک دوسرے پر مثبت اثر ڈالیں گے، ایک دوسرے کو اس کے عیوب کی طرف متوجہ کریں گے اور ایک دوسرے کے نقائص برطرف کرنے کی کوشش کریں گے نہ یہ کہ صرف ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے کی تعریف کرتے رہیں گے امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "اِتَّبِعْ مَنْ يُبْكِيكَ وَهُوَ لَكَ نَاصِحٌ وَلَا تَتَّبِعْ مَنْ يُضْحِكُكَ وَهُوَ لَكَ غَاشٌّ وَسَتَرِدُونَ عَلَى اللهِ جَمِيعاً فَتَعْلَمُونَ" "اس شخص کی پیروی کرو جو تمہیں رلائے اور تمہارا خیر خواہ ہو اس شخص کا اتباع نہ کرو جو تمہیں ہنسائے اور تمہیں دھوکا دینا چاہتا ہو۔ یہ جان لو کہ سب عنقریب خدا کی طرف پلٹائے جاؤ گے تو تمہیں سب کچھ

---

(۱) بحار الانوار: ج۴۴، باب ۲۲، حدیث ۲

معلوم ہو جائے گا۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَحَبُّ اِخْوَانِی اِلَیَّ مَنْ اَهْدٰی عُیُوْبِی اِلَیَّ" "میرا سب سے محبوب بھائی وہ ہے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے۔"(۲)

امامؑ کی اس حدیث میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ امامؑ نے عیوب کی طرف متوجہ کرنے کو تحفہ قرار دیا ہے اور تحفہ دینا خوشی اور مسرت کا باعث ہوتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۴۸، حدیث ۳۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۹، حدیث ۴



## خلاصہ:

چونکہ ہم نشین اور دوست انسان کے اوپر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے لہٰذا روایات میں اس بات کی زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ دوست اور ہم نشین کے انتخاب میں مکمل توجہ ہونا چاہئے اور صرف انہیں افراد سے دوستی کرنا چاہئے جو متقی و پرہیزگار ہوں تا کہ انسان پر ان کا مفید اثر پڑے۔

## سوالات:

۱۔ امام زین العابدینؑ نے ایک اچھے اور لائق شخص کی شناخت کے لئے کن اصولوں کو ناکافی قرار دیا ہے؟

۲۔ امام زین العابدینؑ نے ایک اچھے اور لائق شخص کی شناخت کے لئے کیا معیار لازم اور ضروری قرار دیا ہے؟

۳۔ اس درس میں مذکورہ روایات کی روشنی میں بتایئے کہ کن افراد کے ساتھ ہم نشینی کی تاکید کی گئی ہے؟

# تیئیسواں سبق

## دوست اور ساتھی (۲)

گذشتہ درس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ دوست کے انتخاب میں بہت احتیاط اور توجہ کرنا چاہئے اس لئے کہ دوست ایک جانب تو انسان کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے دوسری طرف اس کے ذریعہ ہماری شخصیت اور کردار کا پتہ چلتا ہے. ہمیں ایسے لوگوں کو اپنا دوست اور ہم نشین بنانا چاہئے جو ہمارے اوپر نیک اثر ڈالیں اور سماج میں ہماری سربلندی اور کمال کا باعث ہوں۔ اس درس میں ہم پڑھیں گے کہ کن لوگوں سے دوستی نہیں کرنا چاہئے اور ائمہ معصومینؑ نے ہمیں کن لوگوں کی دوستی سے منع کیا ہے؟

یاد رہے کہ خداوند عالم نے ہمیں ہماری صوابدید پر چھوڑ نہیں دیا ہے کہ ہم جو کرنا چاہیں کریں جس کے ساتھ چاہیں نشست و برخاست رکھیں اور جو چاہیں کہیں یا سنیں۔

امام زین العابدینؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''لَیْسَ لَکَ اَنْ تَقْعُدَ مَعَ مَنْ شِئْتَ لِاَنَّ اللّٰہَ تَبارَکَ وَتَعالیٰ یَقُولُ: ﴿وَاِذا رَاَیْتَ الَّذِینَ یَخُوضُونَ فِی آیاتِنا فَاَعْرِضْ عَنْهُم حَتّٰی یَخُوضُوا فِی حَدِیثٍ غَیْرِهِ وَاِمّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطانُ فَلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْریٰ مَعَ الْقَوْمِ الظّالِمِینَ﴾ (۱) وَلَیْسَ اَنْ تَتَکَلَّمَ بِما شِئْتَ لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قالَ: ﴿وَلا تَقْفُ ما لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (۲) وَلِاَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ قالَ: رَحِمَ اللّٰہُ عَبْداً قالَ خَیْراً

---

(۱) سورۂ انعام، آیت ۸

(۲) سورۂ اسراء، آیت ۳۶



فَغَنِمَ اَوْ صَمَتَ فَسَلِمَ وَلَیْسَ لَکَ اَنْ تَسْمَعَ ما شِئْتَ لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُولُ: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کانَ عَنْهُ مَسْئُولاً﴾

''تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ جس کے ساتھ بھی دل چاہے ہم نشین ہو جاؤ اس لئے کہ خداوند عالم فرماتا ہے'' اور جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں بے ربط بحث کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں مصروف ہو جائیں اور اگر شیطان غافل کر دے تو یاد آنے کے بعد پھر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔'' (۱)

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہارا جو دل چاہے اسے زبان سے کہہ دو. اس لئے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا'' اور پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: خدا رحم کرے اس بندے پر کہ جو بولتا ہے تو خیر کہتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو محفوظ رہتا ہے'' اور ایسا نہیں ہے کہ تمہارا جو دل چاہے اسے سن لو، اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ: روز قیامت سماعت بصارت اور قوت قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا''

اس کے علاوہ اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ برے لوگوں کی صحبت برا اثر ڈالنے کے علاوہ سنگ دلی بھی پیدا کرتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ انسان کو برائی کی طرف کھینچ لے جائے۔ یا یہ کہ قہر و غضب الٰہی میں اس کے شامل حال ہو جائے اور وہ بھی دوستوں کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو جائے۔

امام علی رضاؑ کے ایک قریبی صحابی سلیمان جعفری نقل کرتے ہیں کہ: میں نے ایک روز امامؑ کو اپنے والد سے یہ فرماتے ہوئے سنا: ''عبدالرحمٰن بن یعقوب'' کے یہاں تمہاری آمد ورفت

---

(۱) سورۂ اسراء: آیت ۳۶

کیوں ہے؟ میرے والد نے عرض کی: وہ میرا ماموں ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ”خدا کے بارے میں اس کا غلط نظریہ ہے وہ خدا کے حدود و صفات کو محدود کہتا ہے حالانکہ خداوند عالم صفات میں محدود نہیں۔ میرے والد نے عرض کی: ”وہ کچھ بھی کہے، مجھ سے کیا مطلب۔ میرا عقیدہ تو ویسا نہیں ہے“ حضرتؑ نے فرمایا:

”اَمَا تَخَافُ اَنْ يَنْزِلَ بِهِ نَقِمَةٌ فَتُصِيبُكُمْ جَمِيعاً؟ اَمَا عَلِمْتَ بِالَّذِي كَانَ مِنْ اَصْحَابِ مُوسىٰ وَكَانَ اَبُوهُ مِنْ اَصْحَابِ فِرْعَوْنَ فَلَمَّا لَحِقَتْ خَيْلُ فِرْعَوْنَ مُوسىٰ تَخَلَّفَ عَنْهُ لِيَعِظَهُ وَاَدْرَكَهُ مُوسىٰ وَاَبُوهُ يُرَاغِمُهُ حَتّىٰ بَلَغَا طَرَفَ الْبَحْرِ فَغَرِقَا جَمِيعاً فَاَتىٰ مُوسىٰ الْخَبَرُ فَسَاَلَ جَبْرَئِيلَ عَنْ حَالِهِ فَقَالَ لَهُ: غَرِقَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ عَلىٰ رَاْيِ اَبِيهِ لٰكِنَّ النَّقِمَةَ اِذَا نَزَلَتْ لَمْ يَكُنْ لَهَا عَمَّنْ قَارَبَ الْمُذْنِبَ دِفَاعٌ“

”کیا تمہیں یہ خوف نہیں ہے کہ اگر اس پر عذاب نازل ہوا تو تم سب کو اپنی گرفت میں لے لے؟ کیا تم نے جناب موسیٰؑ کے اصحاب میں سے اس شخص کی داستان نہیں سنی جس کا باپ فرعون کے ساتھیوں میں تھا اور فرعون کی فوج جناب موسیٰؑ کا پیچھا کر رہی تھی تو یہ جناب موسیٰؑ کے لشکر سے نکل کر اپنے باپ کو نصیحت کرنے کے لئے اس کے پاس گیا تا کہ اسے جناب موسیٰ کی طرف لے آئے اور وہ اپنے باپ کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور اس کا باپ بھی اس سے فرار کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دریا کے قریب پہونچے اور عذاب الٰہی نازل ہوا اور دونوں فرعون کے لشکر کے ساتھ غرق ہو گئے جب یہ خبر جناب موسیٰ کو ملی تو آپ نے جناب جبرئیل سے اس کی حالت پوچھی؟ تو جبرئیل نے کہا خدا اس پر رحمت نازل کرے وہ غرق ہو گیا ہے۔ وہ اپنے باپ کے مذہب پر نہیں تھا لیکن جب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو جو گنہگار کے نزدیک ہوتا ہے اسے بھی پناہ نہیں ملتی۔“(۱)

ان نکات کے پیش نظر ہم قرآن کریم اور معصومینؑ کی احادیث پر ایک نظر ڈالیں اور یہ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۹



دیکھیں کہ کیسے لوگ دوستی اور ہم نشینی کے لائق نہیں ہیں؟

۱۔ سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہیہ اور دین خدا کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسا کہ اس درس کے شروع میں امام زین العابدینؑ کے قول کے ضمن میں سورۂ انعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ذکر ہوا ہے آپ نے دیکھا کہ خداوند عالم نے مومنین کو ان لوگوں کی ہم نشینی اور دوستی سے منع کیا ہے جو آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانے کے لئے قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح سورہ مائدہ کی آیت ۵۷ میں کفار اور ان لوگوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے جو خدا کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاءَ﴾(۱)

”اے ایمان والو! خبردار اہل کتاب میں جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تماشہ بنا لیا ہے اور دیگر کفار کو بھی اپنا دوست اور سرپرست نہ بناؤ“

۲۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کی توہین کرتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں رسول اسلامؐ کی بعثت کے شروع کا دور تھا، حجاز کے بت پرستوں میں ایک آدمی تھا جس کا نام ”عقبہ بن ابی معیط“ تھا وہ مشرک اور بت پرست ہونے کے باوجود مہمان نواز تھا ایک دن پیغمبر اسلامؐ کا گذر اس کی طرف سے ہوا تو اس نے آپؐ سے درخواست کی کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: جب تک تم مسلمان نہیں ہو گے میں تمہارے دسترخوان پر نہیں بیٹھوں گا جب اس نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ نے دسترخوان پر بیٹھنے کے لئے ایسی شرط لگا دی ہے تو اس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا اسی وقت عقبہ کے ایک دوست ”ابی“ کو جب یہ معلوم ہوا کہ عقبہ مسلمان ہو گیا ہے تو وہ ناراض ہو کر اس کے پاس آیا اور عقبہ کو برا بھلا کہا کہ ”تم اپنے

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۵۷

دین سے خارج ہو گئے۔" عقبہ نے جواب دیا: میرے مہمان نے شرط کردی تھی کہ جب تک میں مسلمان نہ ہو جاؤں وہ میرے دسترخوان پر نہیں بیٹھے گا۔ ابی نے اس سے کہا: یا تم اپنے دین پر پلٹ آؤ اور پیغمبر کی توہین کرو یا آج سے میری اور تمہاری دوستی بالکل ختم ہے! ابی کے بہت اصرار پر عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ اور اسلام سے خارج ہو گیا اور آخر کار جنگ بدر میں سپاہ اسلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ ابی بھی جنگ احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور دونوں حالت شرک پر ہلاک ہوئے سورۂ فرقان کی آیت ۲۷ر سے ۲۹ر اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں ہیں کہ جس میں عقبہ کی کہانی اور حالات بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَ یَومَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیهِ یَقُولُ یَالَیتَنِی اتَّخَذتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِیلاً. یَاوَیلَتٰی لَیتَنِی لَم اَتَّخِذ فُلاناً خَلِیلاً لَقَد اَضَلَّنِی عَنِ الذِّکرِ بَعدَ اِذ جَآءَنِی وَ کَانَ الشَّیطَانُ لِلاِنسَانِ خَذُولاً﴾(۱)

"اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا. ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا. اس نے تو ذکر کے آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی ہے۔"

اس آیت اور اس قصہ کے مطابق ایک دوست کے اوپر اس کے برے دوست کا اثر اور اسے گمراہ کرنے میں اس کا واضح کردار ہمیں متوجہ کر رہا ہے کہ ایسے لوگوں کی دوستی سے پرہیز کریں جو پیغمبر اسلامؐ کی شان میں کسی بھی قسم کی جسارت کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"اِذَا ابتَلَیتَ بِاَهلِ النَّصبِ وَ مُجَالَستِهِم فَکُن کَاَنَّکَ عَلَی الرَّضفِ حَتّٰی

---

(۱) سورۂ فرقان آیت ۲۷ تا ۲۹



تَقُومَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَمقُتُهُم وَ یَلعَنُهُم فَاِذَا رَاَیتَهُم یَخُوضُونَ فِی ذِکرِ اِمَامٍ مِنَ الاَئِمَّةِ فَقُم فَاِنَّ سَخَطَ اللّٰهِ یَنزِلُ هُنَاکَ عَلَیهِم"(۱)

"اگر تم کبھی ان لوگوں کے درمیان جو اہلبیتؑ کی عظمت اور ان کے حق کے منکر ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں پھنس جاؤ تو اس طرح ہو جاؤ گویا جلتے ہوئے پتھر پر بیٹھے ہو تا کہ فوراً اٹھ جاؤ یعنی اس جگہ سے جلد دور ہو جاؤ اس لئے کہ خداوند عالم ان پر لعنت کرتا ہے۔ اور اگر دیکھو کہ وہ ائمہ میں سے کسی کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو وہاں سے اٹھ جاؤ اس لئے کہ خدا کا عذاب ان پر وہیں نازل ہوگا۔"

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "مَن قَعَدَ عِندَ سَبَّابٍ لِاَولِیَاءِ اللّٰهِ فَقَد عَصَی اللّٰهَ" جو اولیائے الٰہی کو برا کہنے والوں کے پاس بیٹھے وہ خدا کا نافرمان بندہ ہے۔"(۲)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: "مَن کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالیَومِ الآخِرِ فَلا یَقعُدَنَّ فِی مَجلِسٍ یُعَابُ فِیهِ اِمَامٌ اَو یُنتَقَصُ فِیهِ مُؤمِنٌ" "جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اس مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہئے جس میں کسی امام پر الزام تراشی کی جا رہی ہو یا کسی مومن کی توہین ہو رہی ہو۔"(۳)

۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو دین میں بدعت اور اصول دین میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں: پیغمبر اکرمؐ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: "اِذَا رَاَیتُمُ اَهلَ الرَّیبِ وَ البِدَعِ مِن بَعدِی فَاَظهِرُوا البَرَائَةَ مِنهُم وَ اَکثِرُوا مِن سَبِّهِم وَ القَولَ فِیهِم وَ الوَقِیعَةَ وَ بَاهِتُوهُم کَیلا یَطمَعُوا فِی الفَسَادِ فِی الاِسلامِ وَ یَحذَرُهُمُ النَّاسُ وَ لا یَتَعَلَّمُونَ مِن بِدَعِهِم، یَکتُبُ اللّٰهُ لَکُم بِذٰلِکَ الحَسَنَاتِ وَ یَرفَعُ لَکُم بِهِ الدَّرَجَاتِ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۸

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۸

فی الآخرۃ"

**"میرے بعد جب بھی ایسے لوگوں کو دیکھنا جو دین میں شک وشبہ اور بدعتیں پیدا** کرنے والے ہوں تو ان سے کھلم کھلا بیزاری کرتے رہنا اور جس قدر ممکن ہو ان پر لعن وطعن کرنا، ان کے بارے میں گفتگو کرتے رہنا اور انہیں اس طرح خاموش کر دینا کہ پھر ان کے اندر اسلام میں فساد برپا کرنے کی ہمت نہ ہو اور لوگوں کو ان سے دور کر دو تا کہ وہ ان سے ان کی بدعتیں نہ سیکھیں اس کے بدلے خدا تمہارے لئے بہترین نیکیاں لکھے گا۔ اور آخرت میں **تمہارے درجات کو بلند کرے گا۔"(۱)**

امام جعفر صادق فرماتے ہیں "لَاتَصْحَبُوْا اَهْلَ الْبِدَعِ وَ لَاتُجَالِسُوْهُمْ فَتَصِيْرُوْا عِنْدَ النَّاسِ كَوَاحِدٍ مِنْهُمْ"(۲)

قال رسول الله "اَلْمَرْءُ على دِيْنِ خَلِيْلِهٖ و قَرِيْنِهٖ" "اہل بدعت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کی ہم نشینی اختیار نہ کرنا۔ ورنہ لوگ تمہیں بھی ان کا ہم مشرب سمجھیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ نے **فرمایا: انسان اپنے دوست اور ہم نشین کے دین پر ہوتا ہے۔"(۳)**

۴۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جو شرارت پسند، فاسق، گناہگار اور خدا کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"لَاينبغى لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُوَاخِىَ الْفَاجِرَ فَاِنَّهٗ يُزَيِّنُ لَهٗ فِعْلَهٗ وَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ مِثْلَهٗ وَ لَا يُعِيْنُهٗ عَلٰى اَمْرِ دُنْيَاهُ وَ لَا اَمْرِ مَعَادِهٖ وَ مَدْخَلُهٗ اِلَيْهِ وَ مَخْرَجُهٗ مِنْ عِنْدِهٖ شَيْنٌ عَلَيْهِ"

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۴، باب ۱۴ حدیث ۴۱

(۲) اصول کافی ج ۲، ص ۶۴۲

(۳) بحار الانوار، ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۰



**"ایک مسلمان کو کسی فاسق و فاجر سے رابطہ نہیں رکھنا چاہئے اس لئے کہ وہ اس مسلمان کے** سامنے اپنے عمل کو اچھا بنا کر ظاہر کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مسلمان بھی اس جیسا ہو جائے اور اس کی دنیا و آخرت کے بارے میں اس کی مدد نہیں کرتا اور اس کے ساتھ آمد و رفت رکھنے میں مسلمان کی ذلت ہے۔"(۱)

امام جعفر صادق اس سلسلہ میں فرماتے ہیں "لَاينبغى لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُوَاخِىَ الْفَاجِرَ وَ لَا الْاَحْمَقَ وَ لَا الْكَذَّابَ" "مسلمان کو فاجر، احمق اور جھوٹے سے دوستی نہیں کرنا **چاہئے۔"(۲)**

نیز آپ فرماتے ہیں "لَا يَنْبَغِىْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَجْلِسَ مَجْلِسًا يُعْصَى اللّٰهُ فِيْهِ وَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى تَغْيِيْرِهٖ" "مومن کو اس مجلس میں شریک نہیں ہونا چاہئے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور اس مجلس میں اس کا کچھ بس بھی نہ چلتا ہو۔"(۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"مُجَالَسَةُ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ وَ مُجَالَسَةُ الْاَخْيَارِ تُلْحِقُ الْاَشْرَارَ بِالْاَخْيَارِ وَ مُجَالَسَةُ الْاَبْرَارِ لِلْفُجَّارِ تُلْحِقُ الْاَبْرَارَ بِالْفُجَّارِ فَمَنِ اشْتَبَهَ عَلَيْكُمْ اَمْرُهٗ وَ لَمْ تَعْرِفُوْا دِيْنَهٗ فَانْظُرُوْا اِلٰى خُلَطَائِهٖ فَاِنْ كَانُوْا اَهْلَ دِيْنِ اللّٰهِ فَهُوَ عَلٰى دِيْنِ اللّٰهِ وَ اِنْ كَانُوْا عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ فَلَا حَظَّ لَهٗ مِنْ دِيْنِ اللّٰهِ. اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُوَاخِيَنَّ كَافِرًا وَ لَا يُخَالِطَنَّ فَاجِرًا وَ مَنْ آخٰى كَافِرًا اَوْ

---

(۱) اصول کافی ج ۲، ص ۶۴۰، حدیث ۲

(۲) اصول کافی: حدیث ۳

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۸

خالطَ فاجراً کانَ کافراً فاجراً"

''برے لوگوں کے ساتھ اچھے لوگوں کی ہم نشینی سے لوگوں میں نیک افراد کے بارے میں بدظنی پیدا ہو جاتی ہے اور نیک لوگوں کی ہم نشینی کی وجہ سے برے بھی ان سے گھل مل جاتے ہیں اگر کوئی اچھا انسان فاجروں کا ہم نشین ہو جائے تو وہ بھی انہیں فاجروں سے مل جاتا ہے لہٰذا اگر تم یہ نہ سمجھ سکو کہ یہ انسان کیسا ہے تو اس کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کو دیکھو اگر وہ خدا کے دین پر ہوں تو وہ بھی خدا کے دین پر ہے اور اگر وہ خدا کے دین پر نہ ہوں تو وہ بھی خدا کے دین سے دور ہے. رسول اکرمؐ فرماتے ہیں جو شخص خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے کافر کے ساتھ برادرانہ تعلقات نہیں رکھنا چاہئے. نہ ہی فاجر کا ہم نشین اور ساتھی ہونا چاہئے جو کافر کے ساتھ برادرانہ تعلقات یا فاجر کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتا ہے وہ خود کافر و فاجر ہو جاتا ہے۔''(۱)

اسی طرح آنحضرتؐ فرماتے ہیں "ایاکَ وَمُصاحبۃَ الفُسّاق فانَ الشّرَّ بالشّرّ مُلحق" "فاسقوں کی صحبت سے بچو! اس لئے کہ برائی برائی سے مل ہی جاتی ہے؟"(۲)

۵۔ پانچویں وہ لوگ ہیں جن کا دین، اخلاق، کردار اور فہم و شعور زیادہ نہیں ہے اگر چہ وہ فاسق نہ ہوں. جیسے جھوٹا، بے حیا، کنجوس، احمق اور بے وفا یہ سب بھی انہیں میں شامل ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں. "ینبغی للمُسلم ان یجتنب مواخاۃ ثلاثۃ. الماجن و الاحمق و الکذّاب" "مسلمان کو چاہئے کہ تین لوگوں سے بھائی چارہ نہ رکھے، بے حیا، احمق اور جھوٹا۔''(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۱

(۲) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۷۰۷

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۳



امام محمد باقرؑ بھی فرماتے ہیں:

"قَالَ اَبِی عَلِیُّ بنُ الحُسَینِؑ : یَابُنَیَّ اُنظُر خَمسَۃً فلا تُصاحِبهُم وَ لا تُحادِثهُم وَلا تُرافِقهُم مِن طَرِیقٍ. فَقُلتُ: یَااَبَه مَن هُم؟ عَرِّفنِیهِم، قَالَ: اِیَّاکَ وَ مُصاحَبَةَ الکَذّابِ فَاِنَّهُ بِمَنزِلَةِ السَّرابِ یُقَرِّبُ لَکَ البَعِیدَ وَیُبَعِّدُ لَکَ القَرِیبَ وَ اِیَّاکَ وَمُصاحَبَةَ الفَاسِقِ فَاِنَّهُ یَبِیعُکَ بِاُکلَةٍ اَواَقَلَّ مِن ذٰلکَ وَاِیَّاکَ وَمُصاحَبَةَ البَخِیلِ فَاِنَّهُ یَخذُلُکَ فِی مَالِهِ اَحوَجَ مَاتَکُونُ اِلَیهِ وَاِیَّاکَ وَمُصاحَبَةَ الاَحمَقِ فَاِنَّهُ یُرِیدُ اَن یَنفَعَکَ فَیَضُرُّکَ وَاِیَّاکَ وَمُصاحَبَةَ القَاطِعِ لِرَحِمِهِ فَاِنِّی وَجَدتُهُ مَلعُوناً فِی کِتَابِ اللّٰهِ فِی ثَلاثَةِ مَوَاضِع" (۱)

''میرے والد بزرگوار امام زین العابدینؑ نے مجھ سے فرمایا: بیٹا پانچ لوگوں کی صحبت سے بچو. ان سے بات نہ کرو اور کسی راہ میں ان کے ساتھ نہ چلو. میں نے کہا: بابا وہ کون لوگ ہیں؟ مجھے ان کی پہچان بتا دیجئے. آپ نے فرمایا: جھوٹے کی صحبت سے بچو اس لئے کہ وہ سراب کی طرح ہے. وہ تمہیں دور کی چیز کو نزدیک اور نزدیک کو دور کی طرح دکھائے گا. اور فاسق کی صحبت و ہم نشینی سے پرہیز کرو. اس لئے کہ وہ تمہیں ایک لقمہ یا اس سے کم کے بدلے بیچ ڈالے گا. بخیل کی صحبت سے بچو اس لئے کہ وہ تمہاری سخت پریشانی اور مشکل میں بھی تمہیں اپنا مال نہیں دے گا. احمق کی صحبت و ہم نشینی سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ تمہیں فائدہ پہونچانے کی فکر میں نقصان پہونچا دے گا. اسی طرح اس کی صحبت سے بھی بچو جو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے رابطہ ختم کر لیتا ہے اس لئے کہ قرآن میں اس پر تین مقامات پر لعنت کی گئی ہے۔''

پھر امامؑ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی جن میں قاطع رحم پر لعنت کی گئی ہے اور وہ آیتیں یہ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۲۹

ہیں: سورۂ محمد: ۲۲/۲۳ رعد: ۲۵/ بقرہ: ۲۷ (چوتھا درس ملاحظہ کیجئے)

اسی طرح امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "اَرْبَعَةٌ یَذْهَبْنَ ضِیاعاً: مَوَدَّةٌ تَمْنَحُهَا مَنْ لا وفاء لهُ" چار چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، سب سے پہلے وہ دوستی ہے جو بے وفا کے ساتھ کی جائے۔"(۱)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

"لاتُقَارِنْ ولاتُواخِ اَرْبعةً: اَلاحمقَ والبخیلَ والجبانَ وَالْکذّاب، اَمّا الاحمقُ یُریدُ اَنْ ینفعک فیضرّک واَمّا البخیلُ فانّهُ یأخذُ منک ولایُعطیک واَمّا الجبانُ فانّهُ یهربُ عنک وعن والدیه واَمّا الکذّابُ فانّهُ یصدُقُ ولا یُصدّق"

"چار لوگوں کے ساتھ نہ رہنا اور ان سے برادرنہ تعلقات اور ہم نشینی کا رابطہ نہ رکھنا: احمق، کنجوس، بزدل، اور کذاب اس لئے کہ احمق تمہیں فائدہ پہونچانے کے خیال میں نقصان پہونچائے گا اور بخیل تم سے لے گا لیکن تمہیں کچھ دے گا نہیں اور بزدل تم سے اور اپنے والدین سے فرار کر جاتا ہے اور جھوٹا اگر سچ بھی بولتا ہے تب بھی اس کی بات کا کوئی یقین نہیں کرتا ہے۔"(۲)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۲، باب ۱۳، حدیث ۲۱۰

(۲) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۸



## خلاصہ:

قرآن وحدیث میں مومنین کو ایسے لوگوں کی دوستی اور ہم نشینی سے منع کیا گیا ہے جن کے عقائد واخلاق اور کردار وعمل برا اور خراب ہو یا مومنین کے دین اخلاق اور کردار میں ان کی وجہ سے کوئی کمزوری یا برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

## سوالات:

۱۔ ہر کسی سے کیوں دوستی نہیں کی جا سکتی ہے؟

۲۔ جس کے عقائد خراب اور برے ہوں اس کی ہم نشینی میں کیا خرابی ہے؟

۳۔ "عقبہ بن ابی معیط" کے واقعہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

# چوبیسواں سبق

## غیبت (۱)

پچھلے درس میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسلام کا اجتماعی نظام معاشرت اور طرز زندگی کچھ خاص اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ نیک صفات و عادات پر مشتمل ان اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے اور سماجی زندگی میں لوگوں کے ساتھ رہنے کے لئے ان کی پابندی ضروری ہے. مثلاً تواضع، انصاف، خوش اخلاقی، اور وعدہ وفائی وغیرہ۔ جن کی وضاحت ہم پچھلے دروس میں بیان کر چکے ہیں۔

بعض اصول ان صفات و عادات پر مشتمل ہیں کہ جن کی وجہ سے مومنین کے آپسی روابط درہم و برہم ہو جاتے ہیں لہذا ان چیزوں سے گریز بھی اسلام کے اجتماعی آداب میں شامل ہے اور تمام مومنین کا شرعی فریضہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کریں۔ اور اگر مومنین ان اصولوں پر واقعاً عمل پیرا ہو جائیں تو ایک صاف ستھرا سماج وجود میں آجائے گا۔

ان بری صفات اور خصلتوں میں سب سے پہلی خصلت ''غیبت'' ہے. لہذا غیبت سے متعلق مندرجہ ذیل چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔



### ۱۔ غیبت کی تعریف

لغت میں غیبت کے معنی ہیں ''کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا'' لیکن شریعت اور علم اخلاق کی رو سے غیبت سے مراد ہے ''کسی مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے نقائص اور عیوب کو اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ انھیں سن لے تو اسے برا لگے۔'' یہ برائی اور عیب چاہے دینی اور اخلاقی ہو یا اس کے جسم میں کوئی نقص پایا جاتا ہو یہاں تک کہ کسی کے گھر اور اس کے اسباب زندگی کے نقائص کو بیان کرنا بھی غیبت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں. "اَلْغَیْبَةُ ذِکْرُکَ اَخاکَ بِمَایَکْرَهُهُ، قِیلَ لَهُ: اَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ"" غیبت یعنی کسی مومن بھائی کی ایسی بات کو بیان کرنا جو اسے بری لگے'' آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا: کہ اگر اس میں وہ عیب پایا جاتا ہو تب بھی وہ غیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ عیب اس میں پایا جاتا ہو اور تم نے اسے ہی بیان کیا ہے تب ہی تو غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں پایا جاتا اور تم نے اسے اس کی طرف منسوب کر دیا تو یہ اس پر تہمت ہے۔''(۱)

روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے سامنے آپ کے کچھ اصحاب کسی شخص کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ: فلاں شخص کتنا عاجز و مجبور ہے آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تم نے اس کی غیبت کی ہے'' انہوں نے عرض کی: جو اس کے اندر ہے ہم نے وہی بیان کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: '' جو کچھ اس کے اندر نہیں ہے اگر تم وہ بیان کرتے تو یہ اس پر تہمت ہوتی۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۲، ص ۲۲۲

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۶۶، ح ۷

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "اَلغِیبَۃُ اَن تَقُولَ فِی اَخِیکَ ما سَتَرَہُ اللّہُ عَلَیہِ" "غیبت یہ ہے کہ تمہارے مومن بھائی کے جن عیوب کو خداوند عالم نے چھپا رکھا ہے اسے بیان کر دو۔"(۱)

غیبت کی مذکورہ تعریف اور اس سے متعلق روایات کے پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ ہی غیبت ہو سکتی ہے یعنی اگر یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو اسے غیبت کہا جاتا ہے۔

اول: کسی کے پوشیدہ عیوب کو عیاں کرنے کا قصد ہو، ورنہ جو عیوب آشکار ہیں انہیں بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "مَن ذَکَرَ رَجُلاً مِن خَلفِہِ بِما ھُوَ فِیہِ مِمّا عَرَفَہُ النّاسُ لَم یَغتَبہُ وَ مَن ذَکَرَہُ مِن خَلفِہِ بِما ھُوَ فِیہِ مِمّا لا یَعرِفُہُ النّاسُ اغتابَہُ وَ مَن ذَکَرَہُ بِما لَیسَ فِیہِ فَقَد بَہَتَہُ" "اگر کوئی شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کی وہ کمی بیان کرے جس کو سب جانتے ہوں تو یہ غیبت نہیں ہے لیکن اگر اس کا کوئی ایسا عیب جسے لوگ نہ جانتے ہوں بیان کرے تو اس کی غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے اور اسے اس کی طرف نسبت دیدے تو یہ اس پر تہمت لگانا ہے۔"(۲)

دوسرے: جو عیب اور نقائص بیان کئے جا رہے ہیں وہ اس میں موجود ہونا چاہئیں ورنہ غیبت نہیں ہے بلکہ تہمت ہے۔

تیسرے: اس شخص کو تکلیف دینا مقصود ہو، ورنہ اگر کوئی مصلحت ہو تو وہ غیبت نہیں ہوگی۔

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۵، باب۶۶، حدیث۷

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب۶۶، حدیث۶



مثلاً کسی کی بیماری ڈاکٹر کے سامنے بیان کرنا۔

چوتھے: جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ مومن ہو، لہٰذا کافروں اور مشرکوں کی غیبت کی جا سکتی ہے۔

پانچویں: جس شخص کی غیبت کی جا رہی ہے سننے والے اس کو جانتے ہوں، لہٰذا اگر کسی انجان کی کوئی بات بیان کی جائے تو یہ غیبت نہیں ہے۔

چھٹے: جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ کھلے عام گناہ نہ کرتا ہو اس لئے کہ جو شخص کھلے عام گناہ کرتا ہے اسے اپنی آبرو کی پروا نہیں ہوتی یعنی اسے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے عیوب اور گناہ سے باخبر ہیں یا نہیں۔

## ۲۔ غیبت کی حرمت

غیبت کتنا بڑا گناہ اور حرام کام ہے اور شریعت کی نظر میں یہ کس قدر قبیح فعل ہے اس سے واقفیت کے لئے مندرجہ ذیل آیات و روایات ملاحظہ فرمائیں

واضح رہے کہ گناہوں اور بری عادتوں سے خداوند عالم کتنا ناراض اور غضبناک ہوتا ہے اور معصومینؑ کو ان باتوں سے کتنی نفرت ہے اس کا اندازہ ان حضرات کے کلام میں موجود تعبیرات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ﴿وَ لا یَغتَب بَعضُکُم بَعضاً أَیُحِبُّ أَحَدُکُم أَن یَأکُلَ لَحمَ أَخِیہِ مَیتاً فَکَرِھتُمُوہُ﴾ "ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔"(۱)

---

(۱) سورہ حجرات آیت ۱۲

اس آیت میں جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کو مردہ فرض کیا ہے اور غیبت مردہ کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ شاید یہ اس لئے ہو کہ مومن بھائی کی غیبت کرنا گویا اس کو قتل کرنا اور اس کا گوشت کھانا ہے اس لئے کہ غیبت کے نتیجہ میں اس شخص کی عزت و آبرو سب ختم ہو جاتی ہے جس کی تلافی کا کوئی امکان نہیں ہوتا جیسے کہ قتل ہو جانے کے بعد تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ غیبت کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی عزت محفوظ رہے اور جس طرح ایک مسلمان کی جان اور مال قابل احترام ہے اور ان کا تحفظ ضروری ہے اسی طرح اس کی عزت و آبرو بھی قابل احترام ہے ان کا بھی تحفظ واجب و لازم ہے تو جس طرح ایک مسلمان کا قتل گناہ کبیرہ اور حرام ہے اسی طرح اس کی توہین کر کے اسے بے آبرو کرنا بھی گناہ کبیرہ اور حرام ہے پیغمبر اکرمؐ ایک حدیث میں فرماتے ہیں: "كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ، وَ مَالُهُ وَ عِرْضُهُ" "مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔" (۱)

چونکہ غیبت سے دراصل ایک مسلمان کی بے عزتی اور توہین ہوتی ہے لہٰذا ایک مسلمان کی آبرو بچانا اور اس کا دفاع کرنا ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے اور جو اس فریضہ کو اچھی طرح انجام دیتا ہے وہ خدا کی رضا حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جو اس فریضہ کو انجام دے سکتا ہے لیکن اسے انجام نہیں دیتا وہ خداوند عالم کے قہر و غضب کا مستحق ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "مَنْ اُذِلَّ عِنْدَهُ مُؤْمِنٌ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَىٰ اَنْ يَنْتَصِرَ لَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ اَذَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ" "اگر کسی کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا جائے اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہو لیکن مدد نہ کرے تو خداوند عالم اسے قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل کرے گا۔" (۲)

دوسری جانب آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيهِ بِالْغَيْبِ كَانَ حَقّاً

---

(۱) کنز العمال: ج ۱، ص ۱۵۰، حدیث ۷۴۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱



عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْ عِرْضِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "جو اپنے برادر مومن کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے تو خداوند عالم روز قیامت اس کی آبرو کو محفوظ رکھنے کو اپنے اوپر واجب قرار دیتا ہے۔" (۱)

نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيهِ بِالْغَيْبِ كَانَ حَقّاً عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ" "جو اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے خداوند عالم اپنے اوپر یہ واجب قرار دیتا ہے کہ اسے آتش جہنم سے آزاد کر دے۔" (۲)

قرآن کریم نے غیبت کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے غیبت کے اندر موجود برائی کا اندازہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ ایسے الفاظ کسی اور گناہ کے لئے استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔

آیہ شریفہ کے ذیل میں یہ بات بھی قابل توجہ اور لائق ذکر ہے کہ روز قیامت غیبت کرنے والے کو یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "مَنْ اَكَلَ لَحْمَ اَخِيهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ كُلْهُ مَيْتاً كَمَا اَكَلْتَهُ حَيّاً فَيَاكُلُهُ وَ يَكْلَحُ وَ يَضِجُّ" "جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے اسے روز قیامت اس کے پاس لایا جائے گا جس کی اس نے غیبت کی تھی اور پھر اس سے یہ کہا جائے گا کہ: جس طرح اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب یہ مردہ ہے اب پھر اس کا گوشت کھا۔ چنانچہ وہ اسے کھائے گا مگر اس سے کراہت محسوس کرے گا اور فریاد کرے گا۔" (۳)

اسی طرح آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلَىٰ قَوْمٍ يَخْمِشُوْنَ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، ح ۱

(۲) محجة البیضاء: ج ۵، ص ۲۶۱

(۳) فتح الباری: ج ۱۰، ص ۳۹۲

وُجُوهَهُمْ بِاَظَافِيرِهِمْ فَقُلْتُ: يَا جِبْرَئِيلُ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَغْتَابُوْنَ النَّاسَ وَ يَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ" "جس رات مجھے معراج پر لے جایا گیا میرا گذر کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جو اپنے چہروں کو اپنے ناخنوں سے نوچ رہے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کر کے انہیں بے عزت کرتے تھے۔"(۱)

غیبت کے سلسلہ میں جو روایتیں موجود ہیں ان میں سے ایک روایت پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے جس میں آپ نے غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں: "اِيَّاكُمْ وَ الْغِيْبَةَ فَاِنَّ الْغِيْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، اِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِيْ فَيَتُوْبُ، فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُ صَاحِبُهُ" "غیبت سے پرہیز کرو اس لئے کہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ کیونکہ زنا کرنے والا اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر سکتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کی بخشش اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک اس کو راضی نہ کر لے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔"(۲)

پیغمبر اکرمؐ نے ایک دوسری حدیث میں غیبت کو سود سے بدتر بتایا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں: "اِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيْبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ فِي الْخَطِيْئَةِ مِنْ سِتٍّ وَ ثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً يَزْنِيْهَا الرَّجُلُ وَ اِنَّ اَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ" "ایک درہم سود کا گناہ خداوند عالم کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ ہے اور سب سے بڑا سود کسی مسلمان کو بے آبرو کرنا ہے۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۶۶، حدیث۱

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۶۱، حدیث۱



غیبت اس لحاظ سے بھی قابل مذمت ہے کہ یہ برائی کے رواج کا ذریعہ ہے۔ اسلام میں برائی کی ترویج خود ایک گناہ کبیرہ ہے جس کے سلسلہ میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾" جو لوگ مومنین کے درمیان فحشا اور برائیوں کو پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: "مَنْ قَالَ فِيْ مُؤْمِنٍ مَا رَأَتْهُ عَيْنَاهُ وَ سَمِعَتْهُ اُذُنَاهُ فَهُوَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ" "جو شخص کسی مومن کے اس عیب کو بیان کرے جس کو خود اس کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہو تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لئے قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے" یہ وہ لوگ ہیں جو مومنین کے درمیان فحشا اور برائی پھیلانا چاہتے ہیں۔"(۲)

امامؑ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: "آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہو" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ عیب ونقص اس کے لئے اتنا واضح ہو کہ اسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا کانوں سے سنا ہو لیکن دوسرے لوگ اس سے آگاہ نہ ہوں اور وہ اسے ان سے بیان کردے تو یہی غیبت ہے. گویا امام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس نے غیبت کی ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

روایات میں غیبت کو جہنم کے کتوں کی غذا بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "اِجْتَنِبِ الْغِيْبَةَ فَاِنَّهَا اِدَامُ كِلَابِ النَّارِ" "غیبت سے پرہیز کرو اس لئے کہ غیبت جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔"(۳)

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۱۹

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۶۶، حدیث۲

(۳) گذشتہ حوالہ. حدیث ۱۳

امام حسینؑ نے بھی ایک شخص کو غیبت کرتے دیکھا تو فرمایا: "یَا هَذَا کُفَّ عَنِ الْغِیبَةِ فَاِنَّهَا اِدَامُ کِلَابِ النَّارِ" "اے شخص! غیبت نہ کر! اس لئے کہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔" (۱)

امام زین العابدینؑ بھی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "اِیَّاکَ وَ الْغِیبَةَ فَاِنَّهَا اِدَامُ کِلَابِ النَّارِ وَ اعْلَمْ اَنَّ مَنْ اَکْثَرَ مِنْ ذِکْرِ عُیُوْبِ النَّاسِ شَهِدَ عَلَیْهِ الْاِکْثَارُ اَنَّهُ اِنَّمَا یَطْلُبُهَا بِقَدْرِ مَا فِیْهِ" "غیبت سے بچو اس لئے کہ وہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے اور یاد رکھو کہ جو دوسروں کے عیوب کو زیادہ بیان کرتا ہے تو اس کی یہ فضول گوئی اس بات کی دلیل ہے کہ خود اپنے اندر پائی جانے والی برائیوں کو دوسرے لوگوں میں تلاش کرتا ہے۔" (۲)

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جس کے اندر جتنی برائیاں پائی جاتی ہیں اتنا ہی وہ دوسروں کے عیوب کو تلاش کر کے بیان کرتا ہے۔ حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "ذُو الْعُیُوْبِ یُحِبُّوْنَ اِشَاعَةَ مَعَایِبِ النَّاسِ لِیَتَّسِعَ لَهُمُ الْعُذْرُ فِیْ مَعَایِبِهِم" "جن کے اندر عیب اور نقص پایا جاتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے عیوب بھی فاش ہو جائیں تا کہ ان کو اپنے عیوب کے لئے بہانہ مل جائے۔" (۳)

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ غیبت کرنے والے کا دین، ایمان اور اس کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَلْغِیبَةُ حَرَامٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ اِنَّهَا لَتَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" "ہر مسلمان پر غیبت حرام ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۰، حدیث ۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۸

(۳) غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۸



جاتی ہے اسی طرح غیبت انسان کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔" (۱)

ایک دوسری روایت میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ: "اَلْغِیبَةُ اَسْرَعُ فِیْ دِیْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْآکِلَةِ فِیْ جَوْفِهِ" "غیبت کا اثر مسلمان کے دین پر اس سے کہیں جلدی ہوتا ہے جتنا اس کے جسم پر جذام کا اثر ہوتا ہے۔" (۲)

ایک اور روایت میں پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

"یُؤْتَیٰ بِاَحَدٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ یُدْفَعُ اِلَیْهِ کِتَابُهُ فَلَا یَرَیٰ حَسَنَاتِهِ فَیَقُوْلُ: اِلٰهِی لَیْسَ هَذَا کِتَابِی، فَاِنِّی لَا اَرَیٰ فِیْهَا طَاعَتِیْ؟ فَیُقَالُ لَهُ: اِنَّ رَبَّکَ لَا یَضِلُّ وَ لَا یَنْسَیٰ ذَهَبَ عَمَلُکَ بِاغْتِیَابِ النَّاسِ ثُمَّ یُؤْتَیٰ بِآخَرَ وَ یُدْفَعُ اِلَیْهِ کِتَابُهُ فَیَرَیٰ فِیْهَا طَاعَاتٍ کَثِیْرَةٍ فَیَقُوْلُ: اِلٰهِی مَا هَذَا کِتَابِیْ! فَاِنِّی مَا عَمِلْتُ هَذِهِ الطَّاعَاتِ، فَیُقَالُ لَهُ: لِاَنَّ فُلَانًا اِغْتَابَکَ فَدُفِعَتْ حَسَنَاتُهُ اِلَیْکَ"

"قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کا نامۂ اعمال اسے دیا جائے گا جب وہ اپنا نامۂ اعمال دیکھے گا تو وہ اپنی نیکیاں اس میں نہیں پائے گا تو کہے گا: خداوندا! یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں میری نیکیاں ہی نہیں ہیں تو اس سے کہا جائے گا" تمہارا خدا کوئی غلطی یا خطا نہیں کرتا بلکہ تم نے لوگوں کی جو غیبت کی ہے اس کی بنا پر تمہارے اعمال ختم ہو گئے۔ پھر ایک دوسرے شخص کو لایا جائے گا۔ اور اس کا نامۂ اعمال اسے دیا جائے گا۔ تو وہ اس میں بہت سی نیکیاں دیکھے گا تو وہ کہے گا:

خداوندا! یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں جو نیکیاں ہیں یہ تو میں نے نہیں کی

---

(۱) کشف الریبہ: ص ۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

تھیں تو اس سے کہا جائے گا: چونکہ فلاں شخص نے تمہاری غیبت کی تھی اس لئے اس کی نیکیاں تم کو مل گئی ہیں۔"(۱)

کسی بزرگ سے منقول ہے کہ: جب انہیں بتایا گیا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو وہ مسکرائے اور کہا اس کے گھر مٹھائی بھیجو اور کہلا دو کہ "میں نے سنا ہے کہ تم نے کچھ نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں بھیجی ہیں لہٰذا شکریہ کے طور پر یہ مٹھائی میری طرف سے قبول کرلو۔"

---

(۱) بحارالانوار ج۷۵، باب۶۶، حدیث۵۳



## خلاصہ:

غیبت یعنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا شریعت اسلام میں غیبت اس لئے حرام ہے کہ غیبت سے دوسروں کے سامنے ایک مسلمان کی توہین اور بے عزتی ہوتی ہے۔ غیبت سود، زنا اور برائیوں کی ترویج جیسے گناہوں سے بھی بدتر ہے۔

## سوالات:

۱۔ غیبت کی تعریف بیان کیجئے؟

۲۔ غیبت کے شرائط میں سے دو شرطیں بیان کیجئے؟

۳۔ قرآن کریم نے غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے سے کیوں تشبیہ دی ہے؟

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کو کیوں واجب قرار دیا ہے؟

# پچیسواں سبق

## غیبت (۲)

### ۳۔ غیبت کی وجہیں

گذشتہ درس میں ہم نے پڑھا کہ غیبت کتنی بری چیز اور گناہ کبیرہ ہے. اور ہم نے دیکھا کہ اجتماعی زندگی میں اس کا کتنا برا اثر پڑتا ہے اور آخرت میں اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

اس درس میں ہم یہ دیکھیں گے کہ غیبت کے اسباب کیا ہیں تاکہ اس سے بچنے کے طریقوں سے آگاہ ہوسکیں. علمائے اخلاق نے بیان کیا ہے کہ آٹھ وجوہات کی بنا پر انسان کسی کی غیبت کرتا ہے۔

#### ۱۔ تسکین قلب

بہت سے لوگ اس لئے غیبت کرتے ہیں اور لوگوں کے عیوب کو فاش کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں تاکہ خود ان کے عیوب چھپ جائیں یا بالکل معمولی نظر آئیں۔

یہ لوگ جب اپنے نقائص کو دیکھتے ہیں تو انہیں دور کرنے کی کوشش کے بجائے دوسروں کے نقائص اور عیوب کو عیاں کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو بتا سکیں کہ یہ کمی اور عیب صرف میرے ہی اندر نہیں ہے بلکہ فلاں کا عیب مجھ سے زیادہ ہے یعنی میرا عیب اور گناہ تو بہت کم اور معمولی چیز ہے. اس طرح وہ اپنے دل کو مطمئن کرتے ہیں. اگر اس وجہ سے کوئی غیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اپنے گناہوں میں ایک اور بڑے گناہ کا اضافہ کر لیتا ہے. اس لئے کہ ہر انسان خود اپنے عمل اور کردار



کا ذمہ دار ہے. اور اس بہانے سے کہ دوسرا اس سے زیادہ گناہگار ہے توبہ اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتا. اس کے پچھلے گناہ تو اپنی جگہ باقی رہتے ہی ہیں ان پر غیبت جیسے گناہ کبیرہ کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔

#### ۲۔ فخر ومباہات

بعض لوگ دوسروں کے نقائص وعیوب کو لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ ان کی تحقیر کر کے اپنے کو صاحب فضل وکمال ظاہر کر سکیں. مثلاً کہتے ہیں فلاں شخص ایسا، ویسا ہے اور اسے کچھ نہیں آتا. اور سامنے والے کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں یہ مسائل معلوم ہیں اور اس قسم کا نقص ہمارے اندر نہیں پایا جاتا جب کہ بسا اوقات سننے والا اسی بات سے اس کے فضل وکمال کو ماننے کے بجائے یہ جان لیتا ہے کہ یہ انسان ''خود پسند'' اور ''مغرور'' ہے۔

#### ۳۔ توہین

کچھ غیبت کرنے والے صرف دوسروں کے عیوب ونقائص کا مذاق اڑانے کے لئے ان کی غیبت کرتے ہیں. ہم اس بری خصلت کے بارے میں ستائیسویں درس میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

#### ۴۔ حسد

غیبت کی ایک اور وجہ حسد ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا جب خود کو دوسروں کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر محسوس کرتا ہے اور اپنے اندر وہ اچھائیاں نہیں پاتا جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں تو اسے ان سے حسد ہونے لگتا ہے. اور پھر وہ ان کی عیب جوئی اور غیبت کر کے یہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی عزت ووقعت کم ہو جائے تاکہ وہ لوگوں کی نظر میں صاحب عزت بن جائے۔

#### ۵۔ دوسروں کی نقل

اکثر جگہوں پر جب لوگ اپنے دوستوں اور احباب کے ساتھ اکٹھا ہوتے ہیں تو ادھر ادھر کی

باتیں کرتے ہیں اور پھر عام طور سے کسی نہ کسی کی اچھائیاں یا برائیاں بیان ہونے لگتی ہیں اور ہر آدمی اپنی بات کہتا ہے. اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ان کے درمیان گھل مل جانے اور انہیں خوش کرنے کے لئے دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی شروع کر دیتا ہے. ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اس مجمع کے ہمنوا نہ ہوں گے تو یہ لوگ اس سے ناراض ہو جائیں گے. حالانکہ یہ طے ہے کہ دوسروں کی موافقت اور ہمنوائی وہیں تک اچھی بات ہے جہاں تک انسان گناہ اور حرام میں مبتلا نہ ہو. حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں کی رضا کے لئے خدا کو ناراض نہیں کرنا چاہئے. قرآن کریم میں ہے کہ بعض لوگ گناہ گاروں کے ہم نشین ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

﴿فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ، مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ، قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ، وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ﴾.(۱)

"وہ جنتوں میں آپس میں ایک دوسرے سے سوال کررہے ہوں گے مجرمین کے بارے میں، آخر تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہونچا دیا ہے وہ کہیں گے کہ ہم نماز گذار نہیں تھے. اور مسکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے. لوگوں کے برے کاموں میں شامل ہو جایا کرتے تھے۔"

## ۶۔ پیش بندی

دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اگر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ فلاں شخص ہمارے بارے میں کچھ کہہ سکتا ہے تو اس کی بات کو بے اثر کرنے کے لئے وہ پہلے ہی اس کے عیوب اور نقائص کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں تا کہ اگر وہ شخص اس کے بارے میں کچھ کہے بھی تو سننے والوں کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہے۔

---

(۱) سورۂ مدثر. ۴۰/ ۴۵



## ۷۔ اظہار تعجب

جب کسی گناہ یا برائی کی بات آتی ہے تو بعض لوگ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں، "تعجب ہے کہ فلاں آدمی نے ایسا کام کیا؟" یہ اظہار تعجب غیبت کا بہانہ ہوتا ہے. تا کہ اس طرح کسی کا نام لئے بغیر ان کے برے کام اور گناہوں سے نفرت کا اظہار کرے. توجہ رہے کہ جس طرح گناہ اور برائی کا ارتکاب تعجب اور حیرت کا باعث ہے اسی طرح غیبت بھی ایک گناہ کبیرہ ہے جو بعض لوگوں کے لئے تعجب وحیرت کا باعث ہوتی ہے۔

## ۸۔ اظہار ترحم

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب کسی گناہ یا عیب کی بات آتی ہے تو افسوس اور رحم دلی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں "ارے بڑے افسوس کی بات ہے کہ فلاں صاحب سے فلاں گناہ یا غلطی ہوگئی" حالانکہ غیبت کرنے والا اس بات سے غافل ہے کہ اس اظہار افسوس اور رحم کا وہ خود زیادہ مستحق ہے. اس لئے کہ وہ خود عیب اور نقص سے مبرّا نہیں ہے. دوسرے یہ کہ وہ غیبت جیسے گناہ میں مبتلا ہوا ہے. اور تیسرے یہ کہ اس نے ایک اور گناہ کیا ہے اور وہ ہے مومن کی توہین اس لئے کہ اس نے جس انداز سے اس پر رحم کا اظہار کیا ہے اس سے مومن کی تحقیر ہوتی ہے۔

## ۴۔ غیبت کے مستثنیات

اگر چہ غیبت اس قدر بری چیز ہے کہ اسلام نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے لیکن پھر بھی کہیں ایسے مواقع آجاتے ہیں جب غیبت کرنا جائز ہو جاتا ہے. اور ان مواقع پر مومن کے لئے غیبت کی قباحت اور برائی ختم ہو جاتی ہے۔

### ۱۔ انصاف کا مطالبہ

اگر کسی کے اوپر ظلم ہوا ہے اور وہ انصاف کے لئے قاضی کے پاس جائے تو اس پر جو ظلم کیا

گیا ہے اسے بیان کرنا اور یہ بتانا کہ کس نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے اس کی مجبوری ہے اس کے بغیر انصاف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے. لہٰذا مظلوم کو ظالم کی غیبت کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰهُ سَمِیعاً عَلِیماً﴾۔(۱)

''اللہ مظلوم کے علاوہ کسی کی طرف سے بھی علی الاعلان برا کہنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ ہر بات کا سننے والا اور تمام حالات کا جاننے والا ہے۔''

لہٰذا خداوند عالم، مظلوم کے علاوہ کسی سے دوسرے کی کسی برائی کو سننا پسند نہیں کرتا. وہ بھی اس لئے کہ اسلام میں عدالت کی اہمیت ایک ظالم کی عزت و آبرو سے کہیں زیادہ ہے چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو. لہٰذا غیبت ایسے موقع پر نہ ہی بری چیز ہے اور نہ ہی کسی کے حق میں زیادتی شمار ہوتی ہے. اس لئے کہ اگر اس کو غیبت سے الگ نہ کیا گیا ہوتا تو ہر شخص دوسروں کے حقوق پر تجاوز کرتا رہتا اور کوئی مظلوم قاضی کے پاس شکایت نہیں کرسکتا تھا۔

## ۲۔ مشورہ

اکثر لوگ اپنی اجتماعی و انفرادی زندگی میں مشورہ لیتے ہیں. مثلاً شادی کے وقت لڑکی یا لڑکے کے سلسلہ میں معلومات حاصل کرتے ہیں اور ان کے جاننے والوں سے تفصیلات پوچھتے ہیں. یا کوئی ذمہ داری کسی کو دینا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں تحقیقات کی جاتی ہیں ایسے مواقع پر چونکہ ایک اہم مصلحت مدنظر ہوتی ہے اور ممکن ہے غیبت نہ کرنے کا نتیجہ بہت برا ہو. لہٰذا اس شخص کے عیوب و نقائص کو بیان کرنا جس کے سلسلہ میں تحقیق ہو رہی ہے غیبت شمار نہیں ہوگا. اس لئے کہ اجتماعی

---

(۱) سورۂ نساء: ۱۴۸



مصلحت، انفرادی مصلحت سے زیادہ اہم ہوتی ہے اس صورت میں اجتماعی مصلحت کو مقدم رکھا جائے گا۔

## ۳۔ خبردار کرنا

جب یہ محسوس کیا جائے کہ کسی شخص یا گروہ کی حرکتیں سماج کو خراب اور برباد کر رہی ہیں اور اگر ان حرکتوں سے لوگوں کو آگاہ نہ کیا گیا تو اس کے نتائج بہت برے ہو سکتے ہیں اور لوگ ان کی طرف مائل ہو گئے تو بڑا فساد برپا ہو جائے گا تو اس صورت میں ان افراد کی غلط حرکتوں اور نیتوں سے لوگوں کو آگاہ کرسکتے ہیں چاہے ان کی بدگوئی ہی کیوں نہ ہو سماج کے تحفظ کی بنا پر یہ غیبت شمار نہیں کیا جاتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''اَتَرْغَبُونَ عَنْ ذِکْرِ الْفَاجِرِ حَتّیٰ لَا یَعْرِفُهُ النَّاسُ اُذْکُرُوهُ بِمَا فِیهِ یَحْذَرُهُ النَّاسُ'' ''تم فاسق و فاجر کی برائیاں بیان نہیں کرتے تا کہ لوگ اسے پہچان لیں. لوگوں کو اس کی برائیوں سے آگاہ کرو تا کہ لوگ اس سے بچ سکیں۔''(۱)

## ۴۔ برائیوں کا سدباب

کبھی کبھی معاشرہ کے اخلاقی تحفظ اور اسے برائیوں اور مفاسد سے پاک و صاف کرنے کے لئے کسی کی برائیوں سے لوگوں کو یا کم از کم ذمہ دار حضرات کو آگاہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے. تا کہ ان کی مدد سے معاشرہ میں ایسی برائیوں کا سدباب ہو سکے۔

اس موقع پر بھی ان عیوب اور برائیوں کو بیان کرنا اور ان مفاسد سے آگاہ کرنا اجتماعی مصلحت کی وجہ سے غیبت شمار نہیں کیا جاتا ہے چاہے اس میں بدگوئی ہی کیوں نہ ہو۔

## ۵۔ جرح و تعدیل

معاشرہ کی مصلحت کے لئے جن لوگوں کے عیوب و نقائص بیان کئے جاسکتے ہیں ان میں

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

راویان حدیث یا عدالت میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے والے گواہ جیسے افراد شامل ہیں. چونکہ ان لوگوں کی عدالت اوران کا قابل اطمینان ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ان کے حالات اور اخلاقی خصوصیات اور کردار کے بارے میں کافی معلومات موجود ہوں لہٰذا مجبوراً راویوں اور گواہوں کے عیوب ونقائص کا تذکرہ ضروری ہو جاتا ہے۔ چونکہ روایت کی صحت واعتبار اور فیصلہ کی صحت اسی پر موقوف ہے لہٰذا ایسے مواقع پر بھی عیوب کو بیان کرنا غیبت شمار نہیں ہوتا۔

### ۶۔عرفیت

معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی خاص صفت یا نام اور لقب سے مشہور ہو جاتے ہیں کہ جب تک اس لقب یا صفت کو نہ بیان کیا جائے وہ پہچانے نہیں جاتے. مثلاً فلاں کانے یا فلاں لنگڑے وغیرہ...اس سلسلہ میں اگر چہ وہ پہلا شخص جس نے اس کا یہ نام رکھا ہے گناہگار ہے مگر اب جب یہ نام مشہور ہو جائے تو اگر دوسرے اسے اس نام سے پکاریں گے تو یہ غیبت شمار نہیں ہوگا۔

### ۷۔مذہب میں نئی ایجاد کرنے والے

جولوگ دین میں بدعت ایجاد کرتے ہیں اور لوگوں کو دین سے منحرف کرنا چاہتے ہیں ان کو پہچنوانا نہ صرف یہ کہ غیبت نہیں ہے. بلکہ ایک مسلمان کا شرعی فریضہ بھی ہے. مسلمانوں کا فرض ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کام کو روکیں اور دین میں بدعتیں پیدا نہ ہونے دیں. پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث میں ہے کہ: ''جب بھی اہل بدعت کو دیکھو ان سے بیزاری اختیار کرو انہیں برا کہو اور ان کے سلسلہ میں جو بھی جانتے ہو لوگوں سے بیان کرو''

### ۸۔کھلے عام گناہ کرنے والا

روایات کے مطابق لوگوں کے ایک اور گروہ کی غیبت جائز ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کھلے عام گناہ کرتے ہیں. اور انہیں اس بات کی فکر بھی نہیں ہوتی کہ لوگ ان کی حرکت سے آگاہ ہوں گے یا



نہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان افراد کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''ثَلاثَةٌ لا غِیْبَةَ لَهُمْ اَصَاحِبُ الْهَوىٰ، وَالْفَاسِقُ الْمُعْلِنُ بِفِسْقِهِ وَ الْاِمَامُ الْجَائِرُ'' ''تین لوگوں کی غیبت جائز ہے. خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے، وہ لوگ جو کھلے عام گناہ کرتے ہیں، اور ظالم حاکم۔''(۱)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اِذَا جَاهَرَ الْفَاسِقُ بِفِسْقِهِ فَلَا حُرْمَةَ لَهُ وَ لَا غِیْبَةَ'' ''کھلے عام گناہ کرنے والے کا کوئی احترام نہیں ہے اور اس کی غیبت جائز ہے۔''(۲)

### ۵۔غیبت سننا

غیبت کرنا جتنی بری چیز اور گناہ ہے اور جس طرح غیبت کرنے والا خداوند عالم کے قہر وغضب کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح غیبت سننا بھی گناہ کبیرہ ہے. پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''اَلسَّامِعُ لِلْغِیْبَةِ أَحَدُ الْمُغْتَابِیْنَ'' ''غیبت سننے والا بھی غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''اَلْغِیْبَةُ كُفْرٌ وَالْمُسْتَمِعُ لَهَا وَ الرَّاضِی بِهَا مُشْرِكٌ'' ''غیبت کفر ہے اور سننے والا اور اس پر راضی رہنے والا مشرک ہے۔''(۴)

بعض روایات میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر تمہارے سامنے کسی مومن کی غیبت ہو رہی ہے اور تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضروری ہے کہ اس مومن کا دفاع کرو. پیغمبر اکرمؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) در منثور: ج۶، ص۹۷

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۵۷، حدیث ۳۳

(۳) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

(۴) مستدرک: ج۹، باب ۱۳۶، حدیث ۱۰۴۶۲

"مَنْ رَدَّ عَنْ أَخِيهِ غِيبَةً سَمِعَهَا فِي مَجْلِسٍ رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ" "جو اپنے مومن بھائی کی کسی جگہ غیبت سن کر اس کا دفاع کرے تو خداوند عالم ہزار قسم کی برائی دنیا و آخرت میں اس سے دور کرے گا۔"(۱)

واضح رہے کہ اگر دفاع نہیں کر سکتا اور اس غیبت کا جواب نہیں دے سکتا تو اس جگہ سے اٹھ کر چلا جائے تا کہ ان کا شریک نہ کہا جائے۔

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۶۷، حدیث ۳۰



## خلاصہ:

غیبت کی بنیادی اسباب مندرجہ ذیل ہیں: سکون قلب، فخر و مباہات، مسخرہ بازی، دوسروں کی نقل، پیش بندی، اظہار تعجب اور اظہار ترحم۔

غیبت بعض مواقع ، جیسے انصاف طلبی، مشورہ، خبردار کرنا، برائیوں کا سدباب کرنا وغیرہ...، میں نہ صرف یہ کہ حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور اس کی ذمہ داری مومن کی گردن پر نہیں ہوگی ان مواقع کو غیبت کے مستثنیات کہا جاتا ہے. غیبت کا سننا بھی غیبت کرنے ہی کی طرح حرام ہے۔

## سوالات:

۱۔غیبت کے اسباب میں سے کسی دو کی وضاحت کیجئے؟

۲۔انصاف طلبی کے موقع پر غیبت کیوں جائز ہے؟

۳۔اہل بدعت کو پہچنوانا غیبت سے کیوں مستثنیٰ ہے؟

# چھبیسواں سبق

## تہمت و بدگمانی

### تہمت

سماجی زندگی کی بری صفات میں سے ایک تہمت بھی ہے. ہم نے غیبت (۱) کے درس میں یہ پڑھا کہ لوگوں کے پوشیدہ عیوب ونقائص کو ان کی عدم موجودگی میں بیان کرنا غیبت ہے اور کسی کی طرف ان عیوب ونقائص کی نسبت دینا جو اس میں نہ پائے جاتے ہوں تہمت کہلاتا ہے۔

غیبت اور تہمت کے اس فرق سے واضح ہوگیا کہ تہمت اور بہتان غیبت سے زیادہ بڑا گناہ ہے. جسے ہم غیبت کے سلسلہ میں موجود آیات وروایات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:"وَ مَنْ یَکْسِبْ خَطِیْئَةً اَوْ اِثْماً ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْئاً فَقَدْ اِحْتَمَلَ بُهْتَاناً وَ اِثْماً مُبِیْناً"" اور جو شخص غلطی یا گناہ کرکے دوسرے بے گناہ کے سر ڈال دیتا ہے وہ بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:"مَنْ بَهَتَ مُؤمِناً اَوْ مُؤمِنَةً اَوْ قَالَ فِیْهِ مَا لَیْسَ فِیْهِ اَقَامَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلیٰ تَلٍّ مِنْ نَارٍ حَتّیٰ یَخْرُجَ مِمَّا قَالَهُ فِیْهِ"" جو کسی مومن یا مومنہ پر تہمت لگاتا ہے یا اس کی طرف ایسی بات کی نسبت دیتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۱۱۲



خداوند عالم اسے روز قیامت آگ کے ایک ٹیلے کے اوپر روک دے گا تاکہ وہ اپنے کہے کا جواب دے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:"اِذَا اتَّهَمَ الْمُؤمِنُ أخَاهُ انْمَاثَ الْإِیْمَانُ مِنْ قَلْبِهِ کَمَا یَنْمَاثُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ"" جب کوئی اپنے مومن بھائی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کے دل سے ایمان اسی طرح ضائع و برباد ہو جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔"(۲)

کسی انسان پر تین طرح سے تہمت لگائی جاسکتی ہے:

۱۔ کسی کی طرف ایسے عیب کی یقینی طور پر نسبت دینا جو اس میں نہیں ہے صرف یہ سمجھ کر کہ یہ عیب اس میں ہوگا۔

۲۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس شخص میں یہ عیب نہیں ہے پھر بھی اس کی طرف دشمنی کی وجہ سے اس عیب کی نسبت دینا۔

۳۔ اپنے کو بچانے کے لئے اپنے عیب اور گناہ کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا۔

تہمت کی اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تہمت کی تمام قسمیں اگر چہ تہمت شمار ہوتی ہیں اور سب کی سب گناہ بھی ہیں لیکن سب کی برائی ایک جیسی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ دوسروں پر تہمت لگانے سے ہر حال میں بچنا چاہئے تاکہ لوگوں کی شخصیت اور ان کا احترام باقی رہے. اور ہر شخص اپنی شخصیت کو محفوظ سمجھے اور معاشرہ میں ایک دوسرے کے تئیں مثبت رویہ اپنا سکے۔

اگر سماج کے سارے لوگ ایک دوسرے کی اہانت اور بے حرمتی کرنے لگیں تو ہر انسان صرف اس فکر میں رہے گا کہ تہمت وغیبت کا دفاع کس طرح کرے یا اپنا انتقام کس طرح لے. اور پھر معاشرہ میں کسی قسم کا انفرادی یا اجتماعی کمال یا اچھا اخلاق باقی نہ رہ جائے گا۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۹

لوگوں سے میل جول رکھنے میں تہمت سے پرہیز کرنے کے علاوہ سماج کے تمام افراد کا ایک فریضہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ تہمت کی جگہوں سے بھی پرہیز کریں۔ جس طرح کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی پر تہمت لگائے اسی طرح انسان کو چاہئے کہ خود کو تہمت کی جگہوں سے بچائے. یعنی ایسا کام نہ کرے جو دوسروں کی بدظنی اور شک کا باعث ہو۔

پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "اَوْلَی النَّاسِ بِالتُّهَمَةِ مَنْ جَالَسَ اَهْلَ التُّهَمَةِ" "سب سے زیادہ تہمت کا مستحق وہ شخص ہے جو اہل تہمت کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔"(۱)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "مَنْ وَقَفَ مَوْقِفَ التُّهَمَةِ فَلاَ يَلُومَنَّ اِلاَّ نَفْسَهُ" "جو تہمت کی جگہ قیام کرے وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی اور کی مذمت نہ کرے۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ کا بھی ارشاد ہے: "قَالَ اَبِي: يَا بُنَيَّ! مَنْ يَصْحَبْ صَاحِبَ السُّوءِ لاَ يَسْلَمُ وَ مَنْ يَدْخُلْ مَدَاخِلَ السُّوءِ يُتَّهَمُ وَ مَنْ لاَ يَمْلِكُ لِسَانَهُ يَنْدَمُ" "میرے والد نے مجھ سے فرمایا: بیٹا! جو برے لوگوں کا ہم نشین ہوتا ہے وہ سالم نہیں رہتا، جو بری جگہ آتا جاتا ہے اس پر تہمت لگتی ہے، اور جو اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا وہ شرمندہ ہوتا ہے۔"(۳)

## بدگمانی

سماجی زندگی میں پیدا ہونے والی ایک اور بری خصلت "بدگمانی" ہے. بعض لوگ اپنی کج

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۴۶، حدیث ۳

(۲) بحار الانوار ج ۷۲، ص ۹۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۴۶، حدیث ۱



فکری اور بدبینی کی وجہ دوسرے لوگوں کے ہر قول وفعل کو برائی اور فساد پر محمول کرتے ہیں. کہ اگر یہ گمان حقیقت کے برخلاف ہو تو اسے بدظنی اور بدگمانی کہا جاتا ہے. ایک طرف تو ایک بری عادت اور خصلت اور گناہ ہے اور دوسری طرف بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے. قرآن کریم اس سلسلہ میں فرماتا ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَ لاَ تَجَسَّسُوا وَ لاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً﴾

"اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو۔"(۱)

جیسا کہ آپ نے اس آیت میں ملاحظہ فرمایا خداوند عالم نے بعض گمانوں کو گناہ قرار دیا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ممکن ہے کہ ہمارا گمان حقیقت کے مطابق ہو اور ہم نے جیسا گمان کیا ہے صورت حال ویسی ہی ہو تو اس صورت میں یہ گمان باطل اور گناہ نہیں ہے. لیکن چونکہ ہمارے بعض گمان حقیقت کے برخلاف ہوتے ہیں اور ہم جو کچھ سوچتے ہیں ویسا نہیں ہوتا ہے تو یہ گناہ ہے اور اگر ہم اپنی اس بدگمانی کو دور کرنا چاہیں تو مجبوراً دوسروں کے حالات کی جستجو کرنا ہوگی اور کسی کے حالات کی جستجو کرنا بھی ایک گناہ ہے جس کو اسی آیت میں منع کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ لوگوں کو حقیقت حال سے باخبر ہونے کے لئے خواہ مخواہ غیبت میں مبتلا ہونا پڑے گا. اس لئے کہ دوسروں سے پوچھ کر ہی کسی کے حالات سے آگاہی ہو سکتی ہے. لہذا بدظنی اور بدگمانی خود تو گناہ ہے ہی دوسرے گناہ کا سبب بھی ہوتی ہے. لہٰذا خداوند عالم نے ان تمام گناہوں

---

(۱) سورۂ حجرات. آیت ۱۲

سے بچنے کے لئے بہت سے گمانوں سے بچنے کا حکم دیا ہے. اسلام میں بدظنی وبدگمانی کے مقابلہ میں ایک اصول ہے، ''اصالت صحت''، یعنی ہر کام کو صحیح سمجھا جائے تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے سلسلہ میں بدگمانی کا اصول نہ اپنائیں کہ جب گمان کریں تو برا گمان نہ کریں۔ اہل بیتؑ نے حکم دیا ہے کہ اپنے مومن بھائی کے قول وفعل کو صحت پر حمل کریں. یعنی یہ سمجھیں کہ یہ قول وفعل صحیح ہے اس طرح کہ جب کسی مومن بھائی سے کوئی بات سنیں یا ان کا کوئی کام دیکھیں تو اس کو اس کی بہترین شکل قرار دیں. حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''ضَعْ أَمْرَ أَخِيكَ عَلَى أَحْسَنِهِ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ مَا يَغْلِبُكَ مِنْهُ وَ لَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَخِيكَ سُوءً وَ أَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِي الْخَيْرِ مَحْمِلاً''

''اپنے مومن بھائی کے معاملات کو اچھائی پر محمول کرو. مگر یہ کہ اس کے برخلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہو. اور کبھی بھی اپنے مومن بھائی کی سنی ہوئی باتوں کے سلسلہ میں بدگمانی نہ کرو اور جہاں تک ہو سکے اس کی جائز توجیہ وتاویل کرو.''(۱)

## بدگمانی کے اثرات

معصومینؑ کی حدیثوں میں بدگمانی اور بدظنی کے برے اثرات کچھ اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''مَنْ لَمْ يُحْسِنْ ظَنَّهُ اِسْتَوْحَشَ مِنْ كُلِّ أَحَدٍ''

''جو بدگمان ہوتا ہے وہ ہر ایک سے ڈرتا رہتا ہے.''(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۱۳، حدیث ۷

(۲) غرر الحکم: ج۵، ص۴۳۲



یعنی بدگمان انسان چونکہ ہر ایک کے سلسلہ میں بدگمانی کرتا ہے اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عیب اور نقص اپنے ذہن میں تصور کرتا ہے لہٰذا وہ کسی پر اعتماد نہیں کر پاتا اور اسے کسی پر بھروسہ نہیں ہوتا. وہ سب سے ڈرتا ہے اور اس خوف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے کنارہ کش ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے طور پر تنہائی کا احساس کرنے لگتا ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

''سُوءُ الظَّنِّ يُفْسِدُ الْأُمُورَ وَ يَبْعَثُ عَلَى الشُّرُورِ''

''بدگمانی کام خراب کرتی ہے اور لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی ہے.''(۱)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامیابی کا سب سے بڑا راز لوگوں کے درمیان اپنا اعتماد و اطمینان بحال کرنا ہے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے اچھے کاموں سے خوش ہوں اور اس پر اعتماد کریں. اب اگر کسی معاشرہ میں ہر انسان ایک دوسرے کو بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے تو پھر کسی کا اعتماد واعتبار باقی نہیں رہ جائے گا اور کوئی کامیابی کی کوشش نہیں کرے گا. اور حضرت علی علیہ السلام کے قول کے مطابق معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور لوگ برائیوں کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے۔

۳۔ حضرت علیؑ نے ایک حدیث میں بدگمانی کو لوگوں کے درمیان تفرقہ کا باعث قرار دیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ''مَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ سُوءُ الظَّنِّ لَمْ يَتْرُكْ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ خَلِيلٍ صُلْحاً''

''جس پر بدگمانی غالب ہو جاتی ہے وہ اپنے دوستوں سے اچھے تعلقات باقی نہیں رکھ پاتا.''(۲)

۴۔ ایک دوسری روایت میں حضرت علیؑ نے بدگمانی کو عبادتوں کی بربادی کا سبب قرار دیا

---

(۱) غرر الحکم: ج۴، ص۱۳۲

(۲) غرر الحکم ج۵، ص۴۰۶

ہے. "اِیّاکَ اَنْ تُسِیَٔ الظَّنَّ فَاِنَّ سُوْءَ الظَّنِّ یُفْسِدُ الْعِبَادَةَ وَ یُعَظِّمُ الْوِزْرَ" "بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی عبادت کو برباد کردیتی ہے اور گناہ کو رواج دیتی ہے۔"(۱)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں. "لا اِیْمانَ مَعَ سُوْءِ الظَّنِّ" "ایمان بدگمانی کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔"(۲)

بدگمانی اور بدظنی بری چیز ہے اس کے برخلاف مومنین کے سلسلہ میں حسن ظن ایک اچھی عادت نیز قابل تعریف صفت شمار ہوتی ہے. معصومینؑ نے اپنی حدیثوں میں اس کی تاکید بھی فرمائی ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ اَحْسَنِ الشِّیَمِ وَ اَفْضَلِ الْقِسَمِ" "حسن ظن بہترین خصلت اور سب سے زیادہ مفید ہے۔"(۳)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "حُسْنُ الظَّنِّ رَاحَةُ الْقَلْبِ وَ سَلَامَةُ الدِّیْنِ" "حسن ظن، سکون قلب اور دین کی سلامتی کا سبب ہے۔"(۴)

پھر ارشاد فرماتے ہیں: "حُسْنُ الظَّنِّ یُخَفِّفُ الْهَمَّ وَ یُنْجِی مِنْ تَقَلُّدِ الْاِثْمِ" "حسن ظن سے غم دور ہوتا ہے اور یہ گناہ کے طوق سے بچاتا ہے۔"(۵)

نیز آپؑ فرماتے ہیں "مَنْ حَسُنَ ظَنُّهُ بِالنَّاسِ حَازَ مِنْهُمُ الْمَحَبَّةَ" "جو لوگوں کے سلسلہ میں حسن ظن رکھتا ہے وہ لوگوں کی محبت حاصل کرتا ہے۔"(۶)

---

(۱) غرر الحکم ج۲، ص۳۰۸
(۲) غرر الحکم ج۶، ص۳۶۲
(۳) غرر الحکم ج۳، ص۳۸۶
(۴) غرر الحکم: ج۳، ص۳۸۴
(۵) غرر الحکم: ج۳، ص۳۸۵
(۶) غرر الحکم: ج۵، ص۳۷۹



اسی طرح امام جعفر صادقؑ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ. "حُسْنُ الظَّنِّ اَصْلُهُ مِنْ حُسْنِ اِیْمَانِ الْمَرْءِ وَ سَلَامَةِ صَدْرِهِ" "انسان کا حسن ظن اس کے حسن ایمان اور دل کی سلامتی سے پیدا ہوتا ہے۔"(۱)

سینہ سے مراد انسان کا باطن ہے کہ وہ گناہ اور برائیوں سے جتنا پاک وصاف ہوتا ہے اس کا گمان اتنا ہی اچھا ہوتا ہے. اسی طرح پیغمبر اکرمؐ سے منسوب روایت میں وارد ہے کہ:

"اَحْسِنُوْا ظُنُوْنَكُمْ بِاِخْوَانِكُمْ تَغْتَنِمُوْا بِهَا صَفَاءَ الْقَلْبِ وَ نَقَاءَ الطَّبْعِ" "اپنے برادران دینی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھو کہ اس سے پاک دلی اور حسن طبع حاصل ہوتی ہے۔"(۲)

واضح رہے کہ جب بدظنی، حسن ظن میں بدل جائے گی تو دل سے بغض وکینہ نکل جائے گا، انسانوں کے دل روشن اور ان کی عادات واطوار اچھی ہوجائیں گی۔

لہٰذا مومنین کے ساتھ زندگی گذارنے کے بارے میں حسن ظن اور ان کے عمل کو صحیح جاننا بنیادی چیز ہے. لیکن یاد رہے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن کی بھی کچھ حد ہے کہ اگر وہ اس حد سے گذر جائے تو پھر یہ اچھی خصلت و عادت نہیں شمار کی جاتی. لہٰذا یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کن حالات میں اور کن شرائط کے ساتھ حسن ظن صحیح ہے روایات معصومینؑ میں جو معیار بیان کیا گیا ہے وہ سماج میں اصلاح وفساد، اور عدل وظلم ہے. اس طرح کہ معاشرہ میں اصلاح کا سکہ رائج ہو اور ظلم وفساد کے بجائے عدالت کا غلبہ ہو لوگوں کے ساتھ سماجی زندگی میں حسن ظن کو ہی بنیادی اصول ہونا چاہئے لیکن اگر فساد، برائی اور ظلم وستم عام ہوجائے اور نیک لوگوں کی شناخت مشکل ہوجائے تو پھر حسن ظن ایک اچھی خصلت اور اجتماعی روابط کی بنیاد نہیں ہوسکتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج۷۵، باب ۲۷، حدیث ۱۲
(۲) گذشتہ حوالہ

حضرت علیؑ اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اِذا اسْتَولَی الصَّلاحُ عَلیٰ الزَّمانِ و اَھلِہ ثُمّ اَساءَ رَجُلٌ الظَّنَّ بِرَجُلٍ لَمْ تَظْھَرْ مِنْهُ حَوْبَةٌ فَقَدْ ظَلَمَ وَاِذا اسْتَولَی الْفَسادُ عَلی الزَّمانِ و اَھلِہ فَأَحْسَنَ رَجُلٌ الظَّنَّ بِرَجُلٍ فَقَدْ غَرَّرَ" "جب زمانہ اور زمانہ والوں پر نیکی حاکم ہو جائے اور کوئی کسی کے سلسلہ میں بدگمانی کرے حالانکہ اس سے کوئی گناہ آشکار نہ ہوا ہو تو اس پر ظلم ہوا. اور اگر زمانہ اور اہل زمانہ فساد سے بھر جائیں تو کسی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھنے والا دھوکہ کھاتا ہے۔"(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "اذا کانَ الْجَوْرُ اَغْلَبَ مِنَ الْحَقِّ لَمْ یَحِلَّ لِأَحَدٍ اَنْ یَظُنَّ بِاَحَدٍ خَیْراً حَتّی یَعْرِفَ ذلِکَ مِنْهُ" "جب ظلم و ستم حق سے زیادہ رواج پا جائے تو جائز نہیں ہے کہ کوئی کسی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھے مگر یہ کہ اس کی نیکیاں جانتا ہو۔"(۲)

امام علی نقیؑ فرماتے ہیں: "اذا کانَ زَمانُ الْعَدْلُ فِیهِ اَغْلَبَ مِنَ الْجَوْرِ فَحَرامٌ اَنْ یَظُنَّ بِاَحَدٍ سُوءً حَتّی یَعْلَمَ ذلِکَ مِنْهُ و اِذا کانَ زَمانُ الْجَوْرُ اَغْلَبَ فِیهِ مِنَ الْعَدْلِ فَلَیْسَ لِأَحَدٍ اَنْ یَظُنَّ بِاَحَدٍ خَیْراً مَا لَمْ یَعْلَمْ ذلِکَ مِنْهُ" "اگر کوئی زمانہ ایسا ہو کہ عدالت ظلم پر غالب آجائے تو حرام ہے کہ کوئی کسی کے سلسلہ میں بدگمانی کرے مگر یہ کہ اس کی برائی کا اس کو یقین ہو. اور اگر زمانہ ایسا ہو کہ ظلم و ستم عدالت سے زیادہ ہو جائے تو کسی کو کسی کے سلسلہ میں حسن ظن نہیں رکھنا چاہئے مگر یہ کہ اس کی نیکیاں جانتا ہو۔"(۳)

حسن ظن اور اعتماد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے والا خیانت نہ کرے ورنہ اگر کوئی پہلے خیانت کر چکا ہو تو اس کے سلسلہ میں حسن ظن رکھنا اچھا نہیں ہے. امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "لَیْسَ لَکَ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۷۲، حدیث ۱۸

(۲) بحار الانوار: ج ۱۰، باب ۱۶، حدیث ۱۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۷



اَنْ تَأْتَمِنَ مَنْ غَشَّکَ وَ لا تَتَّهِمَ مَنْ ائْتَمَنْتَ" "تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہو اس پر اعتماد کرو اور جو تمہارا امین ہے اس پر تہمت لگاؤ۔"(۱)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۷

## خلاصہ:

کسی کی طرف اس عیب کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو تہمت کہلاتا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے جس سے اسلام نے ہمیں منع کیا ہے۔

مومنین کو اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے پر تہمت نہیں لگانا چاہئے۔ اسی طرح ایک دوسرے کے بارے میں بدظن نہیں ہونا چاہئے۔ ان چیزوں سے پرہیز کر کے مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل ومحبت سے رہ سکتے ہیں۔ البتہ اگر کبھی معاشرہ میں ظلم وجور غالب آجائے تو پھر ایک دوسرے سے حسن ظن غلط ہے۔ مگر یہ کہ اس کی نیکیوں کا اسے یقین ہو۔

## سوالات:

۱۔ آیات وروایات کی روشنی میں تہمت کی تعریف بیان کیجئے؟

۲۔ تہمت کی مختلف صورتوں کو بیان کیجئے؟

۳۔ اصل "اصالت صحت" کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ بدظنی کے برے آثار بیان کیجئے؟

۵۔ کن حالات میں ہمیشہ اور ہر شخص کے سلسلہ میں حسن ظن صحیح ہے؟

# ستائیسواں سبق

## چغلخوری اور استہزاء

چغلخوری ایک ایسی خطرناک اخلاقی بیماری ہے جس سے سماج اور معاشرے کو بے شمار نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں مثلاً ایک دوسرے کے بارے میں سوء ظن اور پھر اس سے بے اعتمادی کی کیفیت یا کینہ اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔

اس لئے چغلخوری کو ان فتنہ انگیز بیماریوں میں قرار دیا گیا ہے جن سے پورا سماج اور معاشرہ فتنہ کی لپیٹ میں آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیات وروایات میں اس کی بیحد مذمت کی گئی ہے اور علماء کرام نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

چغلخوری کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی شخص کسی کی برائی بیان کرے اور وہاں موجود کوئی دوسرا انسان وہ بات جا کر اسے بتادے کہ جس کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے مثلاً اس سے یہ کہے کہ فلاں صاحب آپ کی یہ برائی کررہے تھے۔

چغلخور ایک بیمار انسان ہے جو کبھی بھی اچھی باتیں ایک دوسرے تک نقل نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ایک دوسرے تک ایسی باتیں پہونچاتا ہے جن سے کینہ، دشمنی یا فتنہ اور رنجشیں پیدا ہوں۔

برادران ایمانی اور ان کے احباب کے درمیان کینہ اور دشمنی یا رنجشیں پیدا کرنا ایک ایسا فتنہ ہے جسے قرآن مجید نے بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" "اور فتنہ پردازی تو قتل سے بھی بدتر ہے۔"(۱)

"وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ" "اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔"(۲)

"وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ" "تباہی و بربادی ہے ہر طعنہ زن اور چغلخور کے لئے۔"(۳)

ایک اور مقام پر خداوند عالم نے پیغمبر اکرم ﷺ سے براہ راست خطاب کیا ہے ﴿وَ لَاتُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ "اور خبردار آپ کسی بھی مسلسل قسم کھانے والے ذلیل عیب جو اور اعلیٰ درجہ کے چغلخور... کی اطاعت نہ کریں۔"(۴)

آخری آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چغلخور اخلاقی اعتبار سے بہت پست ہوتا ہے لہٰذا وہ کسی احترام کے لائق نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا: "اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ" کیا تمہیں بتادوں کہ تمہارے درمیان سب سے برا انسان کون ہے؟ سب نے کہا حضور ضرور فرمائیں تو آپ نے فرمایا: "چغلخوری کرنے والے جو دوستوں کے درمیان تفرقہ پیدا کردیتے ہیں اور نیک کردار لوگوں کے اوپر الزام تراشی کرتے ہیں۔"(۵)

"اِنَّ النَّمِيمَةَ وَ الْحِقْدَ فِي النَّارِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ مُسْلِمٍ"

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۱

(۲) سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۷

(۳) سورۂ ھمزہ: آیت ۱

(۴) سورۂ قلم: آیت ۱۰/۱۱

(۵) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۷، حدیث ۱۷



"چغلخوری اور حسد کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ دونوں مسلمان کے دل میں جگہ نہیں پاسکتے ہیں۔"(۱)

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ" "چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔"(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: "اِيَّاكَ وَ النَّمِيمَةَ فَاِنَّهَا تَزْرَعُ الضَّغِينَةَ وَ تُبْعِدُ عَنِ اللّٰهِ وَ عَنِ النَّاسِ" "چغلخوری سے محفوظ رہنا یہ کینہ کے بیج بوتا ہے نیز اللہ اور لوگوں سے دور کردیتا ہے۔"(۳)

## چغلخور کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے

چغلخور کو مومنین کے درمیان فتنہ انگیزی سے روکنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ مندرجہ ذیل رویئے اختیار کئے جائیں۔

۱۔ اس کی بات کی تصدیق نہ کریں کیونکہ وہ فاسق ہے اور فاسق کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ: ﴿اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ "اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرو۔"(۴)

۲۔ کیونکہ چغلخوری ایک برا عمل ہے لہٰذا اسے اس سے منع کیا جائے کیونکہ خداوند عالم نے ہر مسلمان کو نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے ﴿وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "نیک باتوں کا حکم دیجئے اور بری باتوں سے منع کیجئے۔"(۵)

---

(۱) کنز العمال ج ۱۶، ص ۲۳ ح ۴۳۷۶۸

(۲) بحار الانوار: ج ۶۸، باب ۱۵، حدیث ۲۱

(۳) غرر الحکم ج ۲، ص ۲۹۶

(۴) سورۂ حجرات: آیت ۶

(۵) سورۂ لقمان: آیت ۱۷

۳۔ہم اس کو اپنا دشمن سمجھیں کیونکہ وہ خدا کا دشمن ہے اور خدا کے دشمن سے دشمنی رکھنا واجب ہے

۴۔چغلخوری یعنی کسی بری بات یا برے خیال کی خبر دینا.اور خداوند عالم نے اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''ایمان والو! اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔''(۱)

۵۔چغلی سننے کے بعد اس کی بات اور اس شخص کے بارے میں تحقیق نہ کی جائے جس کی طرف سے اس نے یہ چغلخوری کی ہے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجَسَّسُوْا ...﴾ ''اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو۔''(۲)

۶۔چغلخور کے عمل کی خود تکرار نہ کی جائے کہ اس بات کو دوسروں سے نقل کرنے لگے ورنہ خود بھی چغلخور بن جائے گا۔

ایک عالم دین کے حالات زندگی میں ملتا ہے کہ ایک بار جب وہ کسی سفر سے واپس آئے تو ان کا دوست ان سے ملاقات کے لئے آیا اور گفتگو کے دوران ان سے کسی کی چغلخوری کی کہ فلاں صاحب نے آپ کی یہ برائی بیان کی ہے تو اس عالم دین کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے اس دوست سے کہا کہ تم اتنے دن دور رہنے کے بعد میرے پاس تین خیانتوں کے ساتھ آئے ہو۔

۱۔تم نے اس کے بارے میں میرے اندر سوء ظن پیدا کر کے ہمارے درمیان عداوت کا بیج بودیا۔

۲۔تم نے میرے دل و دماغ میں ایک فکر پیدا کر دی جب کہ اب تک میں بالکل بے فکر تھا۔

۳۔تم پر مجھے اعتماد تھا وہ اعتماد تم نے ختم کر دیا اب تم میری نظر میں خائن کی مانند ہو۔

لہٰذا ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ چغلخور کو جھٹلا دے اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دے

---

(۱)سورۂ حجرات: آیت ۱۲

(۲)گذشتہ حوالہ



ہمیشہ یہی خیال رکھنا چاہئے کہ چغلخور جس طرح دوسروں کی باتیں ہمارے سامنے بیان کرتا ہے اسی طرح ہماری باتیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا لہٰذا کبھی اسکی بات پر دھیان نہیں دینا چاہئے بلکہ دوٹوک الفاظ میں اسکی تکذیب وتردید کر دینا چاہئے اس دوٹوک جواب سے چغلخور کو تین فائدے پہونچ سکتے ہیں۔

۱۔چغلخور اپنی بات پر شرمندگی کا احساس کرے گا۔

۲۔وہ پھر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

۳۔مومنین کے درمیان محبت اور بھائی چارہ باقی رہے گا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک صحابی جناب محمد بن فضیل نے ایک دن آپ کی خدمت میں عرض کیا میری جان آپ پر فدا ہو، میں نے اپنے ایک برادر ایمانی کے بارے میں دوسروں سے وہ بات سنی ہے جو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے اور وہ اس نے میرے بارے میں کہی ہے مگر جب میں نے خود اس سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا ہے جب کہ مجھ سے معتبر لوگوں نے یہ بات بیان کی تھی تو امامؑ نے فرمایا:

''يَا مُحَمَّدُ كَذِّبْ سَمْعَكَ وَ بَصَرَكَ عَنْ اَخِيْكَ فَاِنْ شَهِدَ عِنْدَكَ خَمْسُوْنَ قَسَامَةً فَقَالَ لَكَ قَوْلاً فَصَدِّقْهُ وَ كَذِّبْهُمْ وَ لاَ تُذِيْعَنَّ عَلَيْهِ شَيْئًا تَشِيْنُهُ بِهِ وَ تَهْدِمُ مُرُوَّتَهُ فَتَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ : اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' ''اے محمد اپنے برادر مومن سے سوءظن کے بارے میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کو جھٹلا دو اور اگر تمہارے سامنے پچاس آدمی قسم کھا کر کوئی بات کہیں تو اسی کی تصدیق کرنا اور ان سب کو جھٹلا دینا۔ اور اس کے بارے میں کوئی ایسی بات مشہور نہ کرنا جس سے اس کی بدنامی ہو اور اس کی آبرو ختم ہو جائے ورنہ تم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جن کے بارے میں

خداوندعالم نے یہ فرمایا ہے کہ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔"(۱)

تاریخ میں ہے کہ ایک دن امیر المومنینؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کسی کی چغلخوری شروع کردی تو مولائے کائناتؑ نے فرمایا! "اے بھائی تونے جو کچھ کہا ہے ہم اس کے بارے میں تحقیق کریں گے۔ اگر تونے سچ کہا ہے تو تجھ سے ناراض ہوجائیں گے اور اگر تونے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو تجھے سزادی جائے گی اور اگر تو چاہے تو میں تجھے ابھی معاف کردوں؟ تو اس نے کہا اے امیر المومنینؑ مجھے معاف فرمادیں۔"(۲)

## تمسخر، استہزاء

ہنسنے ہنسانے کے لئے کسی شخص کا مذاق اڑانا یا اس کی اخلاقی اور جسمانی صفت کی نقل کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے اس کی توہین ہوتی ہے اور اس کی شخصیت اور عزت پر برا اثر پڑتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں ایک مرد مومن کا مکمل احترام ضروری ہے لہٰذا کسی شخص کے لئے کسی مرد مومن کی توہین، بے عزتی، یا اس کی شخصیت سے کھلواڑ جائز نہیں ہے جیسا کہ خداوندعالم کا ارشاد ہے: ﴿وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهِ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ "ساری عزت اللہ، اس کے رسول اور صاحبان ایمان کے لئے ہے"۔(۳)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ اُوْلٰئِکَ هُمْ

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۵، باب ۶۵، حدیث ۱۱

(۲) بحارالانوار: ج۷۵، باب ۶۷، حدیث ۱۹

(۳) سورۂ منافقون: آیت ۸



خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾ "اور بیشک جولوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں۔"(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ یَقُوْلُ" "وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ مِنْ خَلْقِیْ خَلْقاً اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ" "خداوندعالم ارشاد فرماتا ہے: "میری عزت وجلال کی قسم میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی ہے جو مجھے میرے بندہ مومن سے زیادہ محبوب ہو۔"(۲)

جناب جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے کعبہ کی طرف دیکھ کر اس سے فرمایا: "مَرْحَباً بِکَ مِنْ بَیْتٍ مَا اَعْظَمَکَ وَ اَعْظَمَ حُرْمَتَکَ عَلَی اللّٰهِ وَ اللّٰهِ لَلْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً مِنْکَ لِاَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنْکَ وَاحِدَةً وَ مِنَ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثَةً: مَالَهُ وَ دَمَهُ وَ اَنْ یُظَنَّ بِهِ ظَنُّ السُّوْءِ" "اے بیت مرحبا تیرا کیا کہنا تو کتنا عظیم ہے اور خدا کے نزدیک تیرا کیا مقام ومرتبہ ہے لیکن خدا کی قسم مومن کی حرمت اور احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ خداوندعالم نے تجھے تو صرف ایک لحاظ سے محترم قرار دیا ہے اور مومن کو تین اعتبار سے محترم بنایا ہے۔
۱۔مال ۲۔جان ۳۔اور یہ کہ کوئی شخص اس کے بارے میں سوء ظن رکھے۔"(۳)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَعْطَی الْمُؤْمِنَ ثَلَاثَ خِصَالٍ: اَلْعِزَّ فِی الدُّنْیَا وَ الدِّیْنِ وَ الْفَلْحَ فِی الْآخِرَةِ وَ الْمَهَابَةَ فِیْ صُدُوْرِ الْعَالَمِیْنَ" "پروردگار عالم نے مومن کو تین نعمتوں سے نوازا ہے دین و دنیا میں عزت، آخرت میں فلاح وکامیابی اور دنیا والوں کے

---

(۱) سورۂ بینہ: آیت ۷

(۲) بحارالانوار: ج۶۷، باب ۶۳، حدیث ۷۵

(۳) بحارالانوار: ج۶۷، باب ۱، حدیث ۳۹

دلوں میں رعب وہیبت۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "اَلْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً مِنَ الْكَعْبَةِ" "مومن کی حرمت احترام کعبہ سے کہیں زیادہ ہے۔"(۲)

آپؑ ہی سے یہ روایت بھی ہے: "قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِيَاذَنْ بِحَرْبٍ مِنِّي مَنْ اَذَلَّ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنَ وَ لِيَاْمَنْ مِنْ غَضَبِي مَنْ اَكْرَمَ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنَ"

"جس نے میرے کسی مومن بندے کی توہین کر کے اسے ذلیل کیا ہے وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور جس نے میرے کسی مومن بندے کی عزت اور اس کا احترام کیا ہے وہ میرے غضب سے امان میں ہے"۔(۳)

مومن کی عزت واحترام کے بارے میں آیات وروایات میں جو تاکیدات موجود ہیں ان سے کسی مرد مومن کا استہزاء (مذاق اڑانے) اور اس کی توہین کرنے کی قباحت اور مذمت بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں پروردگار عالم کا یہ ارشاد ہے: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ اَنْ يَكُوْنُوْا خَيْراً مِنْهُمْ وَ لَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ اَنْ يَكُنَّ خَيْراً مِنْهُنَّ﴾

"اے ایمان والو! خبردار ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ ان سے بہتر ہو اور عورتوں کی بھی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہی عورتیں ان سے بہتر ہوں۔"(۴)

دوسری آیۂ کریمہ میں مومنین کے استہزاء کو منافقین کا طریقۂ کار بتایا گیا ہے ﴿وَ اِذَا لَقُوْا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلَىٰ شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُوْنَ﴾

---

(۱) بحار الانوار ج ۶۸، باب ۱۵، حدیث ۲۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۶، حدیث ۱۶

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۶، حدیث ۱۲

(۴) سورۂ حجرات: آیت ۱۱



"جب یہ صاحبان ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیاطین کی خلوتوں میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہاری ہی پارٹی میں ہیں ہم تو صرف صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں۔"(۱)

جو لوگ صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے انہیں ایسی ہی صورت حال سے روبرو ہونے کی دھمکی دی ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کا اعلان کیا ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

"جو لوگ صدقات میں فراخدلی سے حصہ لینے والے مومنین اور ان غریبوں پر جن کے پاس ان کی محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے الزام لگاتے ہیں اور پھر ان کا مذاق اڑاتے ہیں خدا ان کا بھی مذاق بنا دے گا اور اس کے پاس بڑا اور دردناک عذاب ہے۔"(۲)

---

(۱) سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۴

(۲) سورۂ توبہ۔ آیت ۷۹

## خلاصہ:

مومنین پر الزام تراشی، اور ایک دوسرے کی چغلخوری اور ان کے درمیان فتنہ انگیزی ایک حقیر فعل، گناہ کبیرہ، اور خداوند عالم کی معصیت ہے جس سے پروردگار عالم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں مومن ہر اعتبار سے قابل احترام ہے اور اس کی توہین وتحقیر جائز نہیں ہے۔

## سوالات:

۱۔ اسلام نے چغلخوری کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

۲۔ چغلخور کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہئے؟

۳۔ مومن کی عزت کے بارے میں امام موسیٰ کاظمؑ کی ایک روایت بیان کیجئے۔

۴۔ چغلخوری اور تمسخر کے خطرناک نتائج کیا ہیں؟

# اٹھائیسواں سبق

## حسد

حسد بھی گناہ کبیرہ اور مذموم صفت ہے جس سے لوگوں کے آپسی روابط اور تعلقات پر برا اثر پڑتا ہے چنانچہ جو شخص حسد میں مبتلا ہو جائے وہ ترقی اور کمال کی منزلیں طے نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حسد سے ان لوگوں کی ترقی پر بھی منفی اثر پڑتا ہے جن سے حسد کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید نے یہ قصہ بار بار بیان کیا ہے کہ جب جناب آدمؑ سے شیطان نے حسد کیا تو پروردگار عالم نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا چنانچہ اسی حسد کی وجہ سے اس کا دل جناب آدمؑ وحوا کے کینہ سے بھر گیا جس کے بعد اس نے ان سے بدلہ لینے کی ٹھان لی اور اس کی بنا پر پروردگار عالم نے انہیں جنت سے زمین پر بھیج دیا۔

اسی طرح قابیل نے اپنے بھائی جناب ہابیلؑ سے حسد کیا اور اس کے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کر دیا چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا اس طرح اگر تاریخ انسانیت کا جائزہ لیا جائے تو ہر کینہ اور دشمنی وعداوت کے پیچھے ہمیں حسد کی کار فرمائیاں ہی نظر آئیں گی۔

### حسد کی تعریف اور مراتب

"دوسرے کی مادی یا معنوی نعمت کے زائل ہو جانے کی تمنا اور آرزو کرنے کو حسد کہا جاتا ہے اور اس تمنا کے علاوہ بسا اوقات حاسد اپنے اس مقصد تک پہونچنے کے لئے عملی کوشش بھی کرتا ہے۔

## حسد کے چار مراتب ہیں

۱۔حاسد دوسرے کی نعمت چھن جانے کی آرزو تو کرتا ہو مگر اسے خود اپنے لئے اس نعمت کی خواہش نہ ہو۔

۲۔حاسد یہ خواہش کرے کہ دوسرے کے پاس جو نعمت ہے وہی نعمت اس کو مل جائے۔

۳۔اپنے لئے خود اس چیز کی تمنا نہ کرے بلکہ وہ یہ چاہے کہ اس کی جیسی نعمت اسے بھی مل جائے اور اگر اسے نہ مل سکے تو پھر یہ تمنا کرے کہ دوسرے سے بھی چھن جائے۔

۴۔اپنے لئے اس جیسی نعمت کا خواہشمند ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے بقاء نعمت کی تمنا بھی کرے۔

آخری قسم کو حسد نہیں کہا جاتا ہے اور نہ یہ کوئی بری صفت ہے بلکہ اس کا نام غبطہ ہے اور حسد کے برخلاف یہ ایک اچھی صفت ہے جس سے انسان ترقی اور کمال کی منزلیں طے کرسکتا ہے۔اس لئے کہ اس صورت میں ایسا شخص دوسرے کو نقصان پہونچانے کے بغیر خود اس نعمت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔اس لئے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:''اِنَّ الْمُؤمِنَ يَغْبِطُ وَ لاٰ يَحْسُدُ وَ الْمُنَافِقُ يَحْسُدُ وَ لاٰ يَغْبِطُ'' ''مومن غبطہ کرتا ہے نہ کہ حسد اور منافق حسد کرتا ہے غبطہ نہیں کرتا ہے۔''(۱)

## حسد قرآن مجید کی روشنی میں

۱۔خداوند عالم نے حسد کو شیطان کے تباہ کن و مہلک وسوسوں کے برابر قرار دیا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے:﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ ''اے رسول کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ چاہتا ہوں،تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری

---

(۱)بحار الانوار:ج ۷۳،باب ۱۳۱،حدیث ۷



رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے''(۱)

اسی طرح خداوند عالم نے دوسروں کی نعمتوں کی تمنا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہر ایک کا حصہ مخصوص ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:﴿لاٰتَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَ اسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً﴾ ''اور خبردار جو خدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنا اور آرزو نہ کرنا مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو کہ وہ بیشک ہر شے کا جاننے والا ہے''(۲)

یا دوسرے مقام پر خدا نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں خطاب فرمایا ہے.﴿لاٰتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجاً مِنْهُمْ﴾ ''لہٰذا آپ ان کفار میں بعض افراد کو ہم نے جو کچھ نعمات دنیا عطا کردی ہیں ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔''(۳)

ایک اور آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حسد کی بنا پر ہی اہل کتاب مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں دوبارہ کافر بنا دیں جیسا کہ ارشاد ہے:﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ ''بہت سے اہل کتاب

---

(۱)سورۂ فلق:آیات ۱ تا ۵

(۲)سورۂ نساء:آیت ۳۲

(۳)سورۂ طٰہٰ:آیت ۱۳۱،سورۂ حجر،آیت ۸۸

یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی ایمان کے بعد کافر بنالیں وہ تم سے حسد رکھتے ہیں ورنہ حق ان پر بالکل واضح ہے۔"(۱)

## حاسد اور حسد روایات کی روشنی میں

پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰ سے فرمایا: "اے ابن عمران، لوگوں کو جو نعمتیں میں نے اپنے فضل و کرم سے دی ہیں ان پر ان سے حسد نہ کرنا اور اپنی نگاہیں ان پر نہ جمائے رہنا اور اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا دینا کیونکہ حاسد میری نعمتوں سے ناراض ہے اور میں نے جو کچھ اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کیا ہے اس سے روکنے والا ہے۔"(۲)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا: "أَلا لَا تُعَادُوا نِعَمَ اللّٰهِ" "یاد رکھو خدا کی نعمتوں سے دشمنی نہ رکھنا؟ عرض کیا گیا "مَنِ الَّذِي يُعَادِي نِعَمَ اللّٰهِ؟" یا رسول اللہ بھلا کوئی خدا کی نعمتوں کا بھی دشمن ہو سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلَّذِينَ يَحْسُدُونَ" کہ ہاں حسد کرنے والے۔"(۳)

حسد کے بارے میں حضرت علیؑ کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ "اَلْحَسَدُ مَرَضٌ لَا يُؤْسَى" "حسد وہ بیماری ہے جس میں تسکین ناممکن ہے۔"(۴)

۲۔ "اَلْحَسَدُ حَبْسُ الرُّوحِ" "حسد روح کا قید خانہ ہے۔"(۵)

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۹
(۲) بحارالانوار ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۶
(۳) بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۲
(۴) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۳۰۱
(۵) غررالحکم ج ۱، ص ۰۰



۳۔ "اَلْحَسَدُ شَرُّ الْاَمْرَاضِ" "حسد سب سے بھیانک بیماری ہے۔"(۱)

۴۔ "رَأْسُ الرَّذَائِلِ الْحَسَدُ" "برائیوں کا سرچشمہ، حسد ہے۔"(۲)

۵۔ "اَلْحَسَدُ مَطِيَّةُ التَّعَبِ" "حسد، رنج و مشکلات کی سواری ہے۔"(۳)

۶۔ "ثَمَرَةُ الْحَسَدِ شَقَاءُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ" "حسد کا ثمر دنیا و آخرت کی شقاوت ہے۔"(۴)

حاسد کے بارے میں بھی مولائے کائناتؑ کے بہت بیش قیمت ارشادات ہیں:

"مَنْ تَرَكَ الْحَسَدَ كَانَتْ لَهُ الْمَحَبَّةُ عِنْدَ النَّاسِ" "جو حسد کو ترک کر دے گا وہ لوگوں کے دلوں میں محبوب بن جائے گا۔"(۵)

"اَلْحَسُودُ كَثِيرُ الْحَسَرَاتِ مُتَضَاعِفُ السَّيِّئَاتِ" "زیادہ حسد کرنے والے کی حسرتیں زیادہ اور برائیاں کئی گنا ہو جاتی ہیں۔"(۶)

"اَلْحَسُودُ لَا يَسُودُ" "حاسد کبھی سکھ نہیں پا سکتا۔"(۷)

"اَلْحَاسِدُ لَا يَشْفِيهِ اِلَّا زَوَالُ النِّعْمَةِ" "حاسد کو زوال نعمت کے بغیر چین نہیں ملتا ہے۔"(۸)

---

(۱) غررالحکم: ج ۱، ص ۹۱
(۲) غررالحکم: ج ۳، ص ۵۰
(۳) بحارالانوار: ج ۷۸، ص ۱۵، حدیث ۷۱
(۴) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۳۰۱
(۵) بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۹، حدیث ۱
(۶) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۳۰۱
(۷) بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۴
(۸) مستدرک ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۴۰۱

"اَلْحَاسِدُ يَفْرَحُ بِالشَّرِّ وَ يَغْتَمُّ بِالسُّرُوْرِ" "حاسد دوسروں کی برائی سے خوش ہوتا ہے اور ان کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے۔"(۱)

"اَلْحَاسِدُ يَرىٰ اَنَّ زَوَالَ النِّعْمَةِ عَمَّنْ يَحْسُدُهُ نِعْمَةٌ عَلَيْهِ" "حاسد یہ خیال کرتا ہے کہ جس سے اسے حسد ہے اس کی نعمت چھن جانا ہی اس حاسد کے لئے ایک نعمت ہے۔"(۲)

"اَلْحَاسِدُ يُظْهِرُ وُدَّهُ فِي اَقْوَالِهِ وَ يُخْفِي بُغْضَهُ فِي اَفْعَالِهِ فَلَهُ اسْمُ الصَّدِيْقِ وَ صِفَةُ الْعَدُوِّ" "حاسد زبان سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے اور اپنے کرتوت کے ذریعہ اپنا بغض چھپائے رکھتا ہے اس کا نام تو دوستوں میں ہوتا ہے مگر عادتیں دشمنوں والی ہوتی ہیں۔"(۳)

"بِئْسَ الرَّفِيْقُ الْحَسُوْدُ" "سب سے برا دوست، بہت زیادہ حسد کرنے والا ہے۔"(۴)

"لَاتَحَاسَدُوْا فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْاِيْمَانَ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" "حسد نہ کرو کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔"(۵)

"اَلْحَسَدُ يُمِيْتُ الْاِيْمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُمِيْتُ الْمَاءُ الثَّلْجَ" "حسد، دل سے ایمان کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی برف کو ختم کر دیتا ہے۔"(۶)

امام جعفر صادق ؑ نے حسد کے متعلق یہ فرمایا ہے: "لَيْسَتْ لِلْبَخِيْلِ رَاحَةٌ وَ لَا لِلْحَسُوْدِ لَذَّةٌ" "بخیل کے لئے کوئی راحت اور حاسد کے لئے کوئی لذت نہیں ہے۔"(۷)

---

(۱) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۳۰۱

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) غرر الحکم: ج ۲، ص ۱۳۹

(۴) غرر الحکم: ج ۳، ص ۲۵۳

(۵) بحار الانوار: ج ۷۷، حدیث ۲۹۱۴

(۶) مستدرک وسائل: ج ۱۲، ص ۱۸

(۷) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۱۰، حدیث ۱۳



"اَلْحَاسِدُ مُضِرٌّ بِنَفْسِهِ قَبْلَ اَنْ يَضُرَّ بِالْمَحْسُوْدِ كَاِبْلِيْسَ اَوْرَثَ بِحَسَدِهِ لِنَفْسِهِ اللَّعْنَةَ وَ لِآدَمَ الْاِجْتِبَاءَ" "حاسد دوسرے کو ضرر پہونچانے سے پہلے اپنے کو نقصان پہونچاتا ہے جیسے ابلیس نے اپنے حسد کی بنا پر اپنے لئے لعنت کا انتظام کر لیا اور جناب آدم کے لئے پیغمبری کا راستہ فراہم کر دیا۔"(۱)

"اُصُوْلُ الْكُفْرِ ثَلَاثَةٌ: اَلْحِرْصُ وَ الْاِسْتِكْبَارُ وَ الْحَسَدُ" "کفر کی بنیاد تین ہیں:
۱۔ حرص ۲۔ تکبر ۳۔ حسد۔"(۲)

"اَلْحَسَدُ اَصْلُهُ مِنْ عَمَى الْقَلْبِ وَ الْجُحُوْدِ لِفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَ هُمَا جَنَاحَانِ لِلْكُفْرِ. وَ بِالْحَسَدِ وَقَعَ ابْنُ آدَمَ فِي حَسْرَةِ الْاَبَدِ وَ هَلَكَ مَهْلَكاً لَا يَنْجُوْ مِنْهُ اَبَداً" "حسد کی شروعات دل کی تاریکی اور فضل الٰہی کے انکار سے ہوتی ہے اور یہ دونوں کفر کے دو بازو ہیں اور حسد کے ذریعے فرزند آدم دائمی حسرت کا شکار ہوتا ہے اور وہ ایسی ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے کبھی بھی نجات ممکن نہیں ہے۔"(۳)

امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد ہے:

"آفَةُ الدِّيْنِ اَلْحَسَدُ وَ الْعُجْبُ وَ الْفَخْرُ" "دین کی آفتیں حسد، خود پسندی، اور فخر و مباہات کرنا ہیں۔"(۴)

پیغمبر اکرم ﷺ نے حسد کو ایک ایسی بیماری قرار دیا ہے جو دین کو نیست و نابود کر دیتی ہے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ہے "اَلَا اِنَّهُ قَدْ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ مِنْ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۴۳

(۲) بحار الانوار: ج ۷۲، باب ۹۹، حدیث ۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱

(۴) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱ حدیث ۵

"قَبلِكُم وَ هُوَ الحَسَدُ، لَيسَ بِحالِقِ الشَّعرِ لكِنَّهُ حالِقُ الدِّينِ" "یادرکھو گذشتہ امتوں کا مرض تمہارے اندر بھی سرایت کر گیا ہے اور وہ حسد ہے جو تمہارے بالوں کو نہیں ختم کرتا بلکہ تمہارے دین کا سر مونڈ ڈالتا ہے۔"(١)

حسد سے انسان کے جسم میں پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے میں مولائے کائنات نے فرمایا ہے:

"اَلحَسُودُ عَلِيلٌ اَبَداً" "زیادہ حسد کرنے والا ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔"(٢)

"اَلحَسَدُ يُذِيبُ الجَسَدَ" "حسد جسم کو پگھلا دیتا ہے۔"(٣)

"اَلعَجَبُ لِغَفلَةِ الحُسّادِ عَن سَلامَةِ الاَجسادِ" "تعجب ہے کہ حسد کرنے والے اپنے جسم کی صحت سے کیوں غافل ہیں۔"(٤)

"صِحَّةُ الجَسَدِ مِن قِلَّةِ الحَسَدِ" "حسد کی قلت میں ہی بدن کی صحت ہے۔"(٥)

## حسد کے اسباب

ہماری ذاتی اور سماجی زندگی میں حسد کے مہلک اثرات سے واقفیت کے بعد اس خطرناک بیماری کے علاج کی خاطر ان اسباب کو جاننا بھی ضروری ہے جن کی بنا پر یہ بیماری پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب تک مرض کی صحیح تشخیص نہ ہو جائے تب تک صحیح دوا اور طریقہ علاج تلاش کرنا بھی ممکن نہیں ہے علماء اخلاق نے حسد کے سات اسباب بیان کئے ہیں:

---

(١) بحارالانوار: ج٧٣، باب١٣١، حدیث٢٣
(٢) مستدرک: ج١٢، باب٥٥، حدیث١٣٣٠١
(٣) غررالحکم: ج١، ص٢٣١
(٤) بحارالانوار: ج٧٣، باب١٣١، حدیث٢٨
(٥) بحارالانوار: ج٧٣، باب١٤١، حدیث٢٨



١۔ خباثت: بے شمار حاسدین کے حسد کی بنیاد خباثت نفس، اور اخلاقی پستی ہوتی ہے کیونکہ چاہے انہیں کسی سے دشمنی نہ بھی ہو تب بھی وہ دوسروں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور کوئی خوشحال نظر آئے تو انہیں دکھ ہوتا ہے مختصر یہ کہ ایسے لوگ کسی کی کامیابی اور خوشحالی کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

٢۔ جس سے وہ حسد کر رہا ہے اگر اس سے کسی رنجش یا دشمنی کی بنا پر کوئی کینہ پیدا ہو گیا تو اس کینہ سے بھی حسد پیدا ہوتا ہے چنانچہ اگر حاسد اپنے دشمن کو کسی مصیبت میں گھرا دیکھتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی مشکلات میں اور اضافہ ہو جائے اور اگر صورتحال اس کے برعکس ہو جائے اس کے یہاں ترقی اور کامیابی دکھائی دے تو اسے حزن وملال ہوتا ہے اور وہ حسرت کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔

٣۔ عہدہ اور دولت کی محبت: بہت سے حاسدوں کو عہدہ یا دولت کی ہوس ہوتی ہے اور وہ اسے صرف اپنے لئے پسند کرتے ہیں لہٰذا جب یہ چیزیں اپنے کسی رقیب کے پاس دیکھتے ہیں تو اس سے حسد کرنے لگتے ہیں مثلاً کوئی بہترین کھلاڑی، یا کامیاب تاجر یا دولت مند انسان جب کسی دوسرے کو اپنے سے زیادہ ترقی کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا ان کا نام اور احترام اس سے زیادہ ہونے لگتا ہے تو وہ ان سے حسد کرنے لگتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح ناکام اور ذلیل ہو جائیں۔

٤۔ رقابت: یہ جذبہ اکثر ان لوگوں کے اندر پیدا ہوتا ہے جو کسی ایک عہدے یا انعام کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کے لئے میدان میں اترتے ہیں اور کیونکہ ایسے مقابلوں میں صرف ایک ہی آدمی پہلے نمبر پر آسکتا ہے لہٰذا بقیہ افراد جو اپنے کو بزعم خود اس کا مستحق سمجھتے ہیں وہ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

٥۔ تکبر: بعض حاسدوں کے اندر کیونکہ تکبر اور اپنی بڑائی کا مادہ پایا جاتا ہے لہٰذا انہیں دوسروں کی ترقی پسند نہیں ہوتی اور کسی دوسرے کی ترقی وہ برداشت نہیں کر پاتے کیونکہ ہر متکبر یہی چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ اس سے کمتر ہی رہیں تا کہ وہ ان پر فخر ومباہات کر سکے اور وہ اس کے سامنے تواضع وانکساری سے پیش آئیں ورنہ اگر وہ پیشرفت کر لیں گے تو اس کی پیروی نہیں کریں

گے۔ لہٰذا وہ ہر ایک کی ترقی سے حسد کرنے لگتا ہے۔

۶۔ حب ذات: بعض حاسدین کے اندر کیونکہ حب ذات کا مادہ پایا جاتا ہے یعنی وہ اپنی ذات سے محبت کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنی ذات سے محبت کے باعث دوسروں کی ترقی سے ڈرتے ہیں کہ اگر وہ ترقی کر گئے تو اس کی توہین ہوگی۔

البتہ متکبر اور ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ متکبر کے اندر دوسروں پر برتری کا جذبہ ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کی برتری پسند نہیں کرتے ہیں اور خود بھی ترقی کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

۷۔ تعجب: بعض حاسد کسی سے صرف اس لئے حسد کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں دوسرے کو جو نعمت ملی ہے وہ اس کا مستحق اور حقدار نہیں تھا لہٰذا اس سے انہیں تعجب ہوتا ہے کہ یہ نعمت اسے کیسے مل گئی لہٰذا ان کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ اس سے محروم ہو جائے۔



## خلاصہ:

حسد ایک بری صفت ہے جس کا مطلب ہے دوسرے سے نعمت چھن جانے کی تمنا کرنا۔

حاسد جس سے حسد کرتا ہے کبھی کبھی وہ اس کی نعمت چھن جانے کے لئے عملی قدم بھی اٹھاتا ہے اس طریقۂ کار سے حاسد ہی کو نقصان ہوتا ہے اور کبھی کبھی اسے بھی نقصان پہونچ سکتا ہے جس سے حسد کیا جا رہا ہے۔

## سوالات:

۱۔ حسد کی تعریف کیجئے؟

۲۔ حسد کے مراحل بتائیے؟

۳۔ غبطہ کسے کہتے ہیں؟

۴۔ روایات میں حسد کو منافقین کا عمل کیوں قرار دیا گیا ہے؟

۵۔ ایمان پر حسد کا کیا اثر ہوتا ہے؟

۶۔ حسد کے اسباب کیا ہیں؟

# انتیسواں سبق

## جھوٹ

جھوٹ بدترین گناہ کبیرہ ہے اور پست ترین اخلاقی صفت ہے۔جھوٹ سے آپسی تعلقات تباہ وبرباد ہوکر رہ جاتے ہیں۔جس شخص کے اندر صداقت کی کمی ہوتی ہے لوگوں کے درمیان اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی،لہذا اگر خدانخواستہ کسی معاشرے میں جھوٹ جیسی بری صفت رواج پا جائے تو وہ معاشرہ کھوکھلا ہوکر رہ جاتا ہے اور ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرنا وبال جان بن جاتا ہے۔

جھوٹ کے نقصانات کی طرف قرآن مجید اور روایات معصومینؑ میں خاص توجہ دلائی گئی ہے اور انسانی زندگی پر مختلف جہات سے اس کے منفی اور تباہ کن اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔

اور کیونکہ جھوٹ بولنے میں انسان کو کوئی زحمت نہیں ہوتی لہٰذا بہت سارے لوگ اس راستے سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے بڑی آسانی سے جھوٹ بول دیتے ہیں۔

اور یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر لوگ عام طور سے کسی عمل (چاہے وہ حلال ہو یا حرام) کو انجام دینے کے لئے یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کس قدر زحمت درکار ہے یا اس سے فائدہ کتنا ہوگا۔ان کی نگاہ میں وہی عمل بہتر ہے جس میں کم سے کم محنت اور زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور ایسے افراد کم نظر آئیں گے جو کام کے نتائج پر بھی نگاہ رکھتے ہوں بلکہ عموماً افراد وقتی اور دنیاوی فائدہ کے پیش نظر کوئی کام انجام دے لیتے ہیں



جھوٹ بھی ایسا ہی فعل ہے کہ اکثر و بیشتر افراد اس گناہ کے عذاب اور اسکے دوررس نتائج کے بارے میں سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتے اس لئے کبھی بھی جھوٹ کا سہارا لے کر انسان بہت جلد اپنے مقصد تک پہونچ جاتا ہے لہٰذا اس شارٹ کٹ کے باعث اسکے نتائج کے بارے میں سوچنے کا خیال نہیں آتا۔

## جھوٹ کی تعریف

''جھوٹ اپنے عقیدہ اور واقعیت کے برخلاف اظہار کرنا''

اس طرح جھوٹ کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ یہ کہ زبان سے جو بات کہے یا اعضاء و جوارح سے جس چیز کا اظہار کرے وہ حقیقت کے برخلاف ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خلاف واقعہ کہنے والے کو اس کے غلط ہونے کا علم ہو۔لہٰذا اگر کوئی شخص خلاف واقعہ بات بیان کرے لیکن اسے خود اس کے خلاف واقع ہونے کا علم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے تو ایسا شخص کاذب اور جھوٹا نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کبھی جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے اور کبھی عملی ہوتا ہے مثلا انسان اپنے رویہ سے یہ ظاہر کرے کہ وہ بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے اور واقعاً ایسا کچھ نہ ہو تو یہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹ ''خلاف واقعہ چیز کے اظہار'' کو کہا جاتا ہے۔اور یہ تعریف قول و فعل دونوں کو شامل ہے۔

## جھوٹ! قرآن کریم کی روشنی میں:

قرآن کریم میں جھوٹ اور جھوٹوں سے متعلق متعدد آیات کریمہ موجود ہیں اور مختلف جہات سے جھوٹ کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی ہے ہم یہاں بعض آیات کا تذکرہ کر رہے ہیں:

۱۔ ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ ''لہٰذا تم ناپاک

بتوں سے پرہیز کرتے رہو اور لغو اور مہمل باتوں سے اجتناب کرتے رہو۔"(۱)

۲۔ ﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ "یقیناً غلط الزام لگانے والے صرف وہی افراد ہوتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور وہی جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔"(۲)

۳۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ "اللہ کسی بھی جھوٹے اور ناشکری کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔"(۳)

۴۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ "بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی راہنمائی نہیں کرتا۔"(۴)

۵۔ ﴿فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ "اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔"(۵)

۶۔ ﴿أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ "کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان پر خدا کی لعنت ہے۔"(۶)

ان آیات کریمہ سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم نے جھوٹ کو بتوں کی عبادت کے برابر قرار دیا ہے یا جھوٹ کے بعد ایمان دل سے ختم ہو جاتا ہے۔ اور جھوٹا انسان توفیق ہدایت

---

(۱) سورۂ حج، آیت ۳۰
(۲) سورۂ نحل، آیت ۱۰۵
(۳) سورۂ زمر، آیت ۳
(۴) سورۂ غافر، آیت ۲۸
(۵) سورۂ آل عمران، آیت ۶۱
(۶) سورۂ نور، آیت ۷



کے لائق نہیں رہ جاتا اس کی راہنمائی کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی ہدایت کے امکانات معدوم ہو جائیں ایسا شخص گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کی عاقبت بخیر نہیں ہو سکتی۔

## جھوٹ! روایات معصومینؑ کی روشنی میں

پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومینؑ نے بھی وقتاً فوقتاً لوگوں کو جھوٹ کے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "كَثْرَةُ الْكِذْبِ يَمْحُو الْإِيمَانَ" "جھوٹ کی کثرت ایمان کو ختم کر دیتی ہے۔"

آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے: "إِيَّاكُمْ وَ الْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ مُجَانِبٌ لِلْإِيمَانِ" "جھوٹ سے دور رہو کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور کر دیتا ہے۔"(۱)

۲۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "جَانِبُوا الْكِذْبَ فَإِنَّهُ مُجَانِبٌ لِلْإِيمَانِ وَ إِنَّ الصَّادِقَ عَلَى شَرَفِ مَنْجَاةٍ وَ كَرَامَةٍ وَ الْكَاذِبَ عَلَى شَفَا مَهْوَاةٍ وَ هَلَكَةٍ" "جھوٹ سے دور رہو کیونکہ یہ ایمان سے دور کر دیتا ہے اور بیشک سچا انسان نجات اور عزت و شرافت کے ساحل پر کھڑا ہوتا ہے اور جھوٹا ذلت و ہلاکت کے دھانے پر ہوتا ہے۔"(۲)

۳۔ امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "إِنَّ الْكِذْبَ هُوَ خَرَابُ الْإِيمَانِ" "جھوٹ ایمان کی بربادی ہے۔"(۳)

گویا کہ جھوٹ ایمان کی ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن عام طور سے جھوٹ نہیں بولتا اور اگر

---

(۱) کنز العمال: ج ۳، ص ۶۲۰، حدیث ۸۲۰۶
(۲) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۱۴، حدیث ۲
(۳) اصول کافی: ج ۳، ص ۳۳۹، حدیث ۴

کبھی اس سے غلط بیانی ہو بھی جاتی ہے تو وہ اس پر نادم ہوتا ہے۔لہٰذا جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور غلط بیانی سے کام لیتا ہے اسے اپنے ایمان کے بارے میں تجدید نظر کرنا چاہئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب حسن بن محبوب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟۔آپ نے فرمایا: ''ہاں میں نے عرض کی تو کیا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ ہی خائن ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا: کہ مومن کے اندر ہر صفت ممکن ہے مگر خیانت اور جھوٹ کا امکان نہیں ہے۔''(۱)

بعض روایات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کی گمراہی اور پستی کا آغاز جھوٹ سے ہی ہوتا ہے اس سلسلے میں دو روایات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ الْکِذْبَ یَهْدِی اِلیَ الْفُجُوْرِ وَ الْفُجُوْرُ یَهْدِی اِلیَ النَّارِ'' ''جھوٹ برائیوں کی طرف لیجاتا ہے اور برائیاں جہنم تک پہونچا دیتی ہیں۔''(۲)

۲۔امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''جُعِلَتِ الْخَبَائِثُ کُلُّهَا فِی بَیْتٍ وَ جُعِلَ مِفْتَاحُهَا الْکِذْبُ'' ''تمام خباثتیں ایک گھر میں رکھی گئی ہیں اور اس کی کنجی جھوٹ کو قرار دیا گیا ہے۔''(۳)

کچھ احادیث کے اندر جھوٹ کو سب سے پست اور بری اخلاقی صفت قرار دیا گیا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆''تَحَفَّظُوْا مِنَ الْکِذْبِ فَاِنَّهُ مِنْ اَدْنَی الْاَخْلَاقِ قَدْراً وَ هُوَ نَوْعٌ مِنَ

---

(۱)بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۱۱
(۲)بحار الانوار ج ۷۲، باب ۱۱۴، حدیث ۳۴
(۳)بحار الانوار: ج ۷۲، باب ۱۱۴ حدیث ۴۸



الْفُحْشِ وَ ضَرْبٌ مِنَ الدَّنَاءَةِ'' ''اپنے کو جھوٹ سے محفوظ رکھو کیونکہ یہ سب سے پست، بداخلاقی ہے اور ایک قسم کی فحش نیز پستی کی ایک قسم ہے۔''(۱)

☆''شَرُّ الْاَخْلَاقِ الْکِذْبُ وَ النِّفَاقُ'' ''سب سے بڑی بداخلاقی جھوٹ اور نفاق ہیں۔''(۲)

☆''لَا سَیِّئَةَ اَقْبَحُ مِنَ الْکِذْبِ'' ''جھوٹ سے بری کوئی صفت نہیں ہے۔''(۳)

☆''اَلصِّدْقُ اَمَانَةٌ وَ الْکِذْبُ خِیَانَةٌ'' ''سچائی امانت اور جھوٹ خیانت ہے۔''(۴)

☆''شَرُّ الْقَوْلِ الْکِذْبُ'' ''سب سے بدتر بات جھوٹ ہے۔''(۵)

☆''عَلَامَةُ الْاِیْمَانِ اَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَیْثُ یَضُرُّکَ عَلَی الْکِذْبِ حَیْثُ یَنْفَعُکَ'' ''ایمان کی پہچان یہ ہے کہ جہاں تمہیں سچ بولنے سے نقصان اور جھوٹ بولنے سے فائدہ ہو وہاں سچائی کو جھوٹ پر ترجیح دو۔''(۶)

اور پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''کَبُرَتْ خِیَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثاً هُوَ لَکَ مُصَدِّقٌ وَ اَنْتَ بِهِ کَاذِبٌ'' ''یہ ایک بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو تو وہ تمہاری تصدیق کرے اور تم اس کے ساتھ غلط بیانی سے کام لو۔''(۷)

---

(۱)بحار الانوار ج ۷۸، باب ۱۶، حدیث ۱۵۷
(۲)غرر الحکم: ج ۴، ص ۱۶۶
(۳)غرر الحکم: ج ۶، ص ۳۸۰
(۴)بحار الانوار: ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۳۵
(۵)نہج البلاغہ خطبہ ۸۴
(۶)نہج البلاغہ کلمات قصار ۴۵۸
(۷)کنز العمال: ج ۳، ص ۶۲۰، حدیث ۸۲۱۰

یا آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے: "أعظمُ الخطایا اللِّسانُ الکذبُ" "سب سے بڑی غلطی جھوٹی زبان ہے۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے "إنّ العاقلَ لایکذبُ و ان کان فیہِ ھواہُ" "عاقل کبھی جھوٹ نہیں بولتا چاہے اس میں اس کا نفع ہی کیوں نہ ہو۔"(۲)

## سچ قرآن اور احادیث کی روشنی میں

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جھوٹ کتنی بری چیز ہے اور سماج میں اس کے کیا تباہ کن اثرات ہوتے ہیں لہٰذا اب ہم آپ کو اس کی ضد یعنی سچائی کی عظمت وفضیلت کے بارے میں اسلامی نظریات سے آگاہ کر رہے ہیں۔

خداوند عالم نے اپنے بندوں کو صادقین کی ہمراہی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿یا أیُّها الَّذینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ و کُونُوا مَعَ الصّادِقینَ﴾ "ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"(۳)

دوسری آیت میں خداوند عالم نے اپنے صادق بندوں کو یہ بشارت دی ہے: ﴿قالَ اللّٰهُ هٰذا یَومُ یَنفَعُ الصّادِقینَ صِدقُهُم لَهُم جَنّاتٌ تَجری مِن تَحتِهَا الأنهارُ خالِدینَ فیها أبَداً رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُم وَ رَضُوا عَنهُ ذٰلِکَ الفَوزُ العَظیمُ﴾ "اللہ نے کہا کہ یہ اللہ نے کہا کہ یہ قیامت کا دن ہے جب صادقین کو ان کا سچ فائدہ پہونچائے گا کہ ان کے لئے باغات ہونگے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے

---

(۱) بحار الانوار: ج۲۱، ص۲۱۰، باب ۲۹

(۲) اصول کافی: ج۱، ص۱۷

(۳) سورۂ توبہ: آیت ۱۱۹



اور یہی ایک عظیم کامیابی ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "أقربُکُم منّی غداً فی المَوقفِ أصدقُکُم لِلحدیثِ" "تم میں سے روز محشر مجھ سے سب سے زیادہ قریب تر وہ شخص ہوگا جو تمہارے درمیان سب سے زیادہ سچا ہوگا۔"(۲)

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا: "اَلصِّدقُ عِزَّةٌ" "سچائی عزت ہے۔"

نیز یہ بھی فرمایا: "اَلصِّدقُ أخو العَدلِ" "سچ عدالت کا بھائی ہے۔"(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "إنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَم یَبعَث نَبیّاً إلّا بِصِدقِ الحَدیثِ و أداءِ الأمانَةِ" "پروردگار عالم نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر سچائی اور امانت داری کے ساتھ۔"(۴)

## جائز غلط بیانی

اگر چہ غلط بیانی ایک بری صفت اور پست وحقیر کام ہے لیکن اگر کوئی اہم ضرورت یا مصلحت پیش آجائے تو ایسے مواقع پر اسلام نے غلط بیانی کی اجازت دی ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ مجبوری: جب انسان کی زندگی کا دارومدار اسی غلط بیانی پر ہو جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿...إلّا مَن أُکرِهَ وَ قَلبُهُ مُطمَئِنٌّ بِالإیمانِ﴾ "جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے۔ علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔"(۵)

---

(۱) سورۂ مائدہ۔ آیت ۱۱۹

(۲) بحار الانوار: ج۷۳، باب ۷، ص۱۵۲

(۳) غرر الحکم: ص۲۱۷

(۴) اصول کافی: ج۲، ص۱۰۴

(۵) سورۂ نحل: آیت ۱۰۶

یہ آیۂ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابی جناب عمار یاسرؓ کو کفار قریش نے سخت سزائیں دیں اور آپ نے اپنی جان کی حفاظت کی خاطر مجبور ہوکر اپنی زبان سے کلمہ کفر جاری کر دیا تھا۔کیونکہ مجبوری اور اضطرار سے حرام چیزیں بھی جائز ہوجاتی ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:"لَیسَ شَیْءٌ مِمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ اِلاَّ وَ قَدْ اَحَلَّهُ اللّٰهُ لِمَنِ اضْطُرَّ اِلَیْهِ" "خداوند عالم کی کوئی حرام چیز ایسی نہیں ہے جس کو اللہ تعالی نے مضطر شخص کے لئے حلال نہ کردیا ہو اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ مجبوریاں حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔"(۱)

نوٹ: البتہ یہ واضح رہے کہ وہی مجبوری اور اضطرار حرام کو حلال کرتا ہے جسے شریعت کی نگاہ میں مجبوری کہا جائے۔مترجم

لہٰذا جب کسی انسان کی جان، مال اور عزت وآبرو کو سچائی کی بنا پر ایسے نقصان کا خطرہ ہو جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو تو وہ اس نقصان سے بچنے کے لئے غلط بیانی کر سکتا ہے۔

۲۔صلح: اگر لوگوں کے درمیان اختلافات دور کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا پڑے تو وہ بھی جائز ہے بلکہ اگر سچائی سے دشمنی میں اور اضافہ ہوجائے تو وہ حرام ہے۔لہٰذا یہ مصالحت اور صلح وصفائی جھوٹ کو جائز اور سچائی کو حرام بنا دیتی ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا:"یَا عَلِیُّ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْکَذِبَ فِی الْاِصْلاحِ وَ یُبْغِضُ الصِّدْقَ فِی الْفَسَادِ...." "اے علی لوگوں کی اصلاح کے لئے جو غلط بیانی کی جائے خدا کو وہی پسند ہے اور جس سچائی سے فساد پیدا ہو خدا اس سے نفرت رکھتا ہے۔"(۲)

---

(۱)فصول المہمہ،ص۴۰۸

(۲)بحار الانوار: ج۷۸،ص۳۵۶،باب۱۰



۳۔جنگی حیلہ: جنگی حیلوں میں سے ایک حیلہ جس کی اسلام نے بھی تائید کی ہے وہ دشمن کو فریب دینا ہے لہٰذا دشمن کے فوجی نظم وضبط یا حوصلوں کو ختم کر کے اس کی طاقت کو کمزور بنانے کے لئے غلط بیانی سے کام لیا جاسکتا ہے۔پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے اسی بارے میں فرمایا تھا کہ: اَلْمَکِیْدَةُ فِی الْحَرْبِ... "جنگ میں فریب جائز ہے۔"(۱)

## ہنسی مذاق کے لئے جھوٹ بولنا

بے شمار لوگ ہنسی اور مذاق میں جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور اگر ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ جھوٹ کیوں بول رہے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔لہٰذا ایسے افراد کو دھیان رکھنا چاہئے کہ سنجیدگی یا ہنسی اور مذاق سے جھوٹ کی برائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:"اِنَّ الْکَذِبَ لاَیَصْلُحُ مِنْهُ جِدٌّ وَلاَهَزْلٌ" "جھوٹ نہ سنجیدگی میں بہتر ہے اور نہ ہنسی مذاق میں۔"(۲)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:"وَیْلٌ لِلَّذِی یُحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ وَیْلٌ لَهُ وَیْلٌ لَهُ" "اس کے لئے ویل ہے جو گفتگو کے دوران صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔اس کے لئے ویل ہے اس کے لئے ویل ہے۔"(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم مسلسل یہ فرمایا کرتے تھے:"اِتَّقُوا الْکَذِبَ الصَّغِیْرَ مِنْهُ وَ الْکَبِیْرَ فِی کُلِّ جِدٍّ وَ هَزْلٍ" "ہر چھوٹے بڑے جھوٹ سے پرہیز کرو چاہے وہ سنجیدگی میں ہو یا ہنسی مذاق میں۔"(۴)

---

(۱)بحار الانوار: ج۶۸،ص۸،باب۶۰

(۲)بحار الانوار، ج۶۹،ص۲۵۹،باب۱۱۴

(۳)بحار الانوار: ج۶۹،ص۲۳۵،باب۱۱۴

(۴)گذشتہ حوالہ

## توریہ

توریہ اس بات کو کہا جاتا ہے جس کے دو معنی ہوں جس میں بولنے والا پہلے معنی مراد لے اور سننے والا اس کے دوسرے معنی سمجھے، توریہ درحقیقت جھوٹ نہیں ہے بلکہ سننے والا اس کے غلط معنی سمجھ لیتا ہے۔ لہٰذا ایسے مقامات پر کہ جہاں انسان سچ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کہنے سے بھی بچنا چاہتا ہے تو وہاں توریہ کا سہارا لیتا ہے۔

جیسے کوئی شخص ہم سے کسی شخص کے بارے میں پوچھے اور ہم سچ نہ بولنا چاہیں اور جھوٹ سے بھی پرہیز کرنے کا ارادہ ہو تو اسے یہ جواب دیدیں کہ میں نے اسے مسجد میں دیکھا تھا جس سے سننے والا یہ سمجھے کہ ہم نے اسے ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا تھا جب کہ ہمارا مقصد ایک ہفتہ پہلے دیکھنے کا ہو۔ چنانچہ سننے والا ہماری یہ بات سن کر اسے مسجد میں تلاش کرنے چلا جائے۔

(توریہ اگرچہ جائز ہے مگر روایات میں اس سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مترجم)



## خلاصہ:

جھوٹ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ اور کیونکہ جھوٹ بولنے میں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوتی ہے لہٰذا لوگ عام طور سے اس برائی میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

جھوٹ سماج کے اندر بہت خطرناک اثرات چھوڑتا ہے کیونکہ اس سے بے اعتمادی اور سوء ظن کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اسی لئے اسلام نے اس کو انسانی زندگی کی بدترین اخلاقی برائی قرار دیا ہے۔

## سوالات:

۱۔ جھوٹ کی تعریف کیجئے؟

۲۔ کس وجہ سے جھوٹ ایک حساس مسئلہ بن گیا ہے؟

۳۔ جھوٹوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

۴۔ احادیث میں جھوٹ کو کیا کہا گیا ہے؟

۵۔ کن مواقع پر غلط بیانی جائز قرار دی گئی ہے؟

۶۔ کیا مذاق میں جھوٹ بولا جا سکتا ہے؟

۷۔ توریہ کے کیا معنی ہیں۔ ایک مثال بیان کیجئے؟

# تیسواں سبق

## خاتمہ سخن

### ہماری گفتگو کا خلاصہ

گذشتہ ۲۹ دروس کے اندر آپ یہ بخوبی جان چکے ہیں کہ اسلام نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ جس انسان کو بھی کمال وسعادت تک پہونچنا ہو اس کے لئے یہ بیحد ضروری ہے کہ وہ سماج اور معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق کو بخوبی ادا کرے۔ جن کی ادائیگی کے لئے اس نے انہیں ان کے آداب اور مذہبی طور طریقوں سے بخوبی آگاہ کردیا ہے۔

کسی نہ کسی اعتبار سے ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی انسان خطا ولغزش سے محفوظ نہیں ہے اور ہر ایک کے اندر کوئی کمی یا نقص ضرور موجود ہے لہٰذا مادی یا روحانی ترقی وکمال کی کسی بھی منزل تک پہونچنے کے لئے اسے دوسروں کی ضرورت بہر حال درکار ہے اور وہ ہر کام تنہا انجام نہیں دے سکتا ہے اور فکری یا علمی اعتبار سے اسے دوسروں کا سہارا ضرور لینا پڑے گا تبھی وہ کسی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک طرف تو انسان کو اپنے مادی ضروریات زندگی کے لئے مال و دولت کی ضرورت ہے جس کے لئے وہ محنت مشقت کرنے پر مجبور ہے اور دوسری جانب اسے دوسروں کی دلی ہمدردی اور محبت کی ضرورت بھی ہے اور ان چیزوں کو تنہا حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔



اور اگر دنیا کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو چاروں طرف سے مسلمانوں کے اوپر دشمنوں کی یلغار ہے اور وہ انہیں ہر قسم کی ترقی سے روکنے پر تلے ہوئے ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ آپسی اتحاد اور بھائی چارگی کو مضبوط سے مضبوط تر کریں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار بن کر ان کا منھ توڑ جواب دیں۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: " اَلْمُسْلِمُوْنَ يَدٌ وَاحِدَةٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ "(۱) ''مسلمان اپنے ہر دشمن کے مقابلہ میں ایک طاقت ہیں'' کیونکہ یہ طے ہے کہ اگر بہت سارے لوگ ایک آواز ہو جائیں تو وہ ایک بڑی طاقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن اگر ان کے درمیان انتشار وافتراق پیدا ہو جائے تو ان کی قدرت ہوا ہو جاتی ہے۔

اسی لئے خداوند عالم نے مسلمانوں کو افتراق ودشمنی اور آپسی رنجشوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ "اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے اور صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"(۲)

اسی لئے دنیا کے سرکش لوگ کسی ایک بڑی جماعت پر حکومت کرنے کے لئے اس کے اندر پھوٹ ڈال کر اس میں گروہ بازی پیدا کر دیتے ہیں جس کی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ کیا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۵۸ ص ۱۵۰

(۲) سورۂ انفال آیت ۴۶

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْأَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعاً لِيَسْتَضْعِفَ طَائِفَةً مِنْهُمْ﴾
" فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہل زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا کہ ایک گروہ نے دوسرے کو بالکل کمزور بنا دیا۔"(۱)

اور جب کسی ایک قوم کے اندر پھوٹ پڑ جاتی ہے اور اس کے لوگ گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں تو ان کی آواز خود بخود کمزور پڑ جاتی ہے اور ان کو کچلنا یا ان کے اوپر حکومت کرنا بہت آسان ہے. اسی لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کو لڑائی جھگڑے اور آپسی اختلافات سے منع کیا ہے۔ اور اسے شیطانی کاروبار قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ﴾ " شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کر دے..."(۲)

لیکن وحدت، اتحاد اور قرابت کی بنا پر ہر قوم ایک طاقت بن کر ابھرتی ہے جیسا کہ مولائے کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّهُ لَمْ يَجْتَمِعْ قَوْمٌ قَطُّ عَلٰى اَمْرٍ وَاحِدٍ اِلَّا اشْتَدَّ اَمْرُهُمْ وَ اسْتَحْكَمَتْ عُقْدَتُهُمْ"" کبھی بھی کوئی قوم کسی ایک آواز پر جمع نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کے معاملات اور بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔"(۳)

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے مشہور و معروف خطبۂ قاصعہ میں گذشتہ امتوں کی تاریخ میں غور و فکر کر کے ان سے تجربات اور عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے. مزید وضاحت کے لئے امام کا وہ خطبہ مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) سورۂ قصص: آیت ۴

(۲) سورۂ مائدہ: آیت ۹۱

(۳) بحار الانوار ج ۳۲، ص ۴۰۳



"وَاحْذَرُوْا مَا نَزَلَ بِالْاُمَمِ قَبْلَكُمْ مِنَ الْمَثُلَاتِ بِسُوْءِ الْاَفْعَالِ وَ ذَمِيْمِ الْاَعْمَالِ. فَتَذَكَّرُوْا فِی الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ اَحْوَالَهُمْ، وَاحْذَرُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا اَمْثَالَهُمْ. فَاِذَا تَفَكَّرْتُمْ فِی تَفَاوُتِ حَالَيْهِمْ فَالْزَمُوْا كُلَّ اَمْرٍ لَزِمَتِ الْعِزَّةُ بِهِ شَاْنَهُمْ، وَ زَاحَتِ الْاَعْدَاءُ لَهُ عَنْهُمْ، وَ مُدَّتِ الْعَافِيَةُ بِهِ عَلَيْهِمْ، وَ انْقَادَتِ النِّعْمَةُ لَهُ مَعَهُمْ، وَ وَصَلَتِ الْكَرَامَةُ عَلَيْهِ حَبْلَهُمْ مِنَ الْاِجْتِنَابِ لِلْفُرْقَةِ وَ اللُّزُوْمِ لِلْاُلْفَةِ، وَ التَّحَاضِّ عَلَيْهَا وَ التَّوَاصِی بِهَا، وَ اجْتَنِبُوْا كُلَّ اَمْرٍ كَسَرَ فِقْرَتَهُمْ وَ اَوْهَنَ مُنَّتَهُمْ. مِنْ تَضَاغُنِ الْقُلُوْبِ، وَ تَشَاحُنِ الصُّدُوْرِ، وَ تَدَابُرِ النُّفُوْسِ، وَ تَخَاذُلِ الْاَيْدِی، وَ تَدَبَّرُوْا اَحْوَالَ الْمَاضِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَبْلَكُمْ كَيْفَ كَانُوْا فِی حَالِ التَّمْحِيْصِ وَ الْبَلَاءِ: اَلَمْ يَكُوْنُوْا اَثْقَلَ الْخَلَائِقِ اَعْبَاءً وَ اَجْهَدَ الْعِبَادِ بَلَاءً، وَ اَضْيَقَ اَهْلِ الدُّنْيَا حَالاً، اِتَّخَذَتْهُمُ الْفَرَاعِنَةُ عَبِيْداً فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ، وَ جَرَّعُوْهُمُ الْمُرَارَ فَلَمْ تَبْرَحِ الْحَالُ بِهِمْ فِی ذُلِّ الْهَلَكَةِ وَ قَهْرِ الْغَلَبَةِ. لَا يَجِدُوْنَ حِيْلَةً فِی امْتِنَاعٍ، وَ لَا سَبِيْلاً اِلٰى دِفَاعٍ. حَتّٰى اِذَا رَاَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ جِدَّ الصَّبْرِ مِنْهُمْ عَلَى الْاَذٰى فِی مَحَبَّتِهِ، وَ الْاِحْتِمَالَ لِلْمَكْرُوْهِ مِنْ خَوْفِهِ جَعَلَ لَهُمْ مِنْ مَضَايِقِ الْبَلَاءِ فَرَجاً، فَاَبْدَلَهُمُ الْعِزَّ مَكَانَ الذُّلِّ، وَ الْاَمْنَ مَكَانَ الْخَوْفِ فَصَارُوْا مُلُوْكاً حُكَّاماً، وَ اَئِمَّةً اَعْلَاماً، وَ قَدْ بَلَغَتِ الْكَرَامَةُ مِنَ اللّٰهِ لَهُمْ مَا لَمْ تَذْهَبِ الْآمَالُ اِلَيْهِ بِهِمْ"

"فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانُوْا حَيْثُ كَانَتِ الْاَمْلَاءُ مُجْتَمِعَةً وَ الْاَهْوَاءُ مُؤْتَلِفَةً، وَ الْقُلُوْبُ مُعْتَدِلَةً، وَ الْاَيْدِی مُتَرَادِفَةً، وَ السُّيُوْفُ مُتَنَاصِرَةً، وَ الْبَصَائِرُ نَافِذَةً، وَ الْعَزَائِمُ وَاحِدَةً، اَلَمْ يَكُوْنُوْا اَرْبَاباً فِی اَقْطَارِ الْاَرَضِيْنَ، وَ مُلُوْكاً عَلٰى رِقَابِ الْعَالَمِيْنَ. فَانْظُرُوْا اِلٰى مَا صَارُوْا اِلَيْهِ فِی آخِرِ اُمُوْرِهِمْ حِيْنَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ، وَ تَشَتَّتَتِ الْاُلْفَةُ وَ

اخْتَلَفَتِ الْكَلِمَةُ وَ الْأَفْئِدَةُ، وَ تَشَعَّبُوا مُخْتَلِفِينَ، وَ تَفَرَّقُوا مُتَحَازِبِينَ قَدْ خَلَعَ اللهُ عَنْهُمْ لِبَاسَ كَرَامَتِهِ، وَ سَلَبَهُمْ غَضَارَةَ نِعْمَتِهِ وَ بَقِيَ قَصَصُ أَخْبَارِهِمْ فِيكُمْ عِبَراً لِلْمُعْتَبِرِينَ"

''بدترین اعمال کی بنا پر گذشتہ امتوں پر نازل ہونے والے عذاب سے اپنے کو محفوظ رکھو خیر وشر ہر حال میں ان لوگوں کو یاد رکھو۔ اور خبر دار ان کے جیسے بدکردار نہ ہو جانا۔

اگر تم نے ان کے اچھے، برے حالات پر غور کر لیا تو اب ایسے معاملات کو اختیار کرو جن کی بنا پر عزت ہمیشہ ان کے ساتھ رہی دشمن ان سے دور دور رہے عافیت کا دامن ان کی طرف پھیلا دیا گیا نعمتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوئیں اور کرامت وشرافت نے ان سے اپنا رشتہ جوڑ لیا کہ وہ افتراق سے بچے۔ محبت کے ساتھ۔ اس پر دوسروں کو آمادہ کرتے رہے اور اسی کی آپس میں وصیت ونصیحت کرتے رہے۔

اور دیکھو ہر اس چیز سے پرہیز کرو جس نے ان کی کمر کو توڑ دیا ہے۔ ان کی طاقت کو کمزور بنا دیا۔ یعنی آپس کا کینہ۔ دلوں کی عداوت، نفوس کا ایک دوسرے سے منھ پھیر لینا اور ہاتھوں کا ایک دوسرے کی امداد سے رک جانا۔

ذرا اپنے سے پہلے والے صاحبان ایمان کے حالات پر بھی غور کرو کہ وہ کس طرح بلاء اور آزمائش کی منزلوں میں تھے۔ کیا وہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بوجھ کے متحمل اور تمام بندوں میں سب سے زیادہ مصائب میں مبتلا نہیں تھے۔

اور تمام اہل دنیا میں سب سے زیادہ تنگی میں بسر نہیں کر رہے تھے؟ فراعنہ نے انہیں غلام بنا لیا تھا اور طرح طرح کے بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے انہیں تلخ گھونٹ پلا رہے تھے اور وہ انہیں حالات میں زندگی گذار رہے تھے کہ ہلاکت کی ذلت بھی تھی اور مغلوب ہونے کی قہر سامانی



بھی۔ نہ بچاؤ کا کوئی راستہ تھا اور نہ دفاع کی کوئی سبیل۔

یہاں تک کہ جب پروردگار نے یہ دیکھ لیا کہ انہوں نے اس کی محبت میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کر لی ہیں اور اس کے خوف سے ہر ناگوار حالت کا سامنا کر لیا ہے تو ان کے لئے ان تنگیوں میں وسعت کا سامان فراہم کر دیا اور ان کی ذلت کو عزت میں تبدیل کر دیا۔ خوف کے بدلے امن وامان عطا فرما دیا اور وہ زمین کے حاکم اور بادشاہ۔ قائد اور نمایاں افراد بن گئے الٰہی کرامت نے انہیں ان منزلوں تک پہونچا دیا جہاں تک جانے کا انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

دیکھو جب تک اجتماعات یکجا رہے ان کے خواہشات میں اتفاق رہا ان کے دل معتدل رہے ان کے ہاتھ ایک دوسرے کی امداد کرتے رہے ان کی تلواریں ایک دوسرے کے کام آتی رہیں ان کی بصیرتیں نافذ رہیں اور ان کے عزائم میں اتحاد رہا وہ کس طرح باعزت رہے کیا وہ تمام اطراف زمین کے ارباب اور تمام لوگوں کی گردنوں کے حکام نہیں تھے۔

لیکن پھر آخر کار ان کا کیا انجام ہوا؟ جب ان کے درمیان افتراق پیدا ہو گیا اور محبتوں میں انتشار پیدا ہو گیا باتوں اور دلوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور سب مختلف جماعتوں اور متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گئے تو پروردگار نے ان کے بدن سے کرامت کا لباس اتار لیا اور ان سے نعمتوں کی شادابی کو سلب کر لیا اور اب ان کے قصے صرف عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے سامان عبرت بن کر رہ گئے ہیں۔'' (۱)

امیر المومنین علیہ السلام کے اس فصیح وبلیغ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قوم وملت کی ترقی کا راز دراصل اس کی وحدت اور اتحاد میں پوشیدہ ہے اور اس کی تنزلی، پستی اور بربادی کی اصل وجہ اس کی نااتفاقی تفرقہ اور آپسی لڑائی جھگڑا ہی ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ: خطبہ قاصعہ

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے دور میں کیونکہ مسلمان اسلامی آداب کے پابند اور اخلاقی بلندیوں پر فائز تھے اسی لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے بہترین دوست، رحم دل اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار تھے۔

اس وقت اسلامی سماج اور معاشرہ، سماجی اور انسانی کمالات کی بلندترین منزلوں پر پہونچنے کی بنا پر دوسری قوموں کے لئے نمونہ عمل بنا ہوا تھا۔ جس کی طرف خداوند عالم نے مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ "اور تحویل قبلہ کی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو اور پیغمبر تمہارے اعمال کے گواہ رہیں۔"(۱)

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔"(۲)

بلند و بالا آداب و اطوار اور ارفع و اعلیٰ کردار نیز بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے بعد ہی کوئی قوم دوسری قوموں کے لئے نمونہ عمل قرار پا سکتی ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے: "كُونُوا دُعَاةَ النَّاسِ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ" "لوگوں کو زبان کے بجائے اپنے عمل کے ذریعے دعوت دینے والے بنو۔"(۳)

کیونکہ جب تک عمل موجود نہ ہو صرف زبان کی کوئی قدر و قیمت اور تاثیر نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلامی پرچم سربلند نظر آئے اور خدا کا دین ہر جگہ عام ہو جائے تو پھر

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۱۴۳

(۲) سورۂ آل عمران: آیت ۱۱۰

(۳) بحار الانوار: ج ۶۷، ص ۳۰۹



ہمارے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ ہم اسلامی آداب و احکام اور طور طریقوں کے زیور سے اپنے کو آراستہ کریں اور ہمارا اخلاق و کردار خاص اسلامی اور الٰہی روح اور پیکر میں ڈھلا ہوا ہو۔ چنانچہ اسی وقت ہم دوسری قوموں کے لئے نمونہ عمل بن سکتے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف راغب کر کے اس کا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔

لہٰذا آج ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی آداب کی مکمل پابندی کرے تاکہ اسلام ہر جگہ باعزت اور سربلند نظر آئے اور اس کے دشمنوں پر اس کی ہیبت قائم رہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے ہمیں وحدت و اتحاد اور ایک ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور نا اتفاقی اور لڑائی جھگڑے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا مذکورہ تمام گفتگوؤں کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام اسلامی آداب کے تین بنیادی مقاصد ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں اتحاد اور بھائی چارگی پیدا کر کے مسلمانوں کی عزت و سربلندی میں اضافہ کرنا۔

۲۔ دوسری قوموں کے لئے عملی نمونہ پیش کر کے انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا۔

۳۔ مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں ترقی و کمال اور ابدی سعادت تک پہونچانے کے لئے ایک دوسرے کا تعاون اور امداد کرنا۔

اور یہ تمام مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کا دور دورہ ہو اور وہ ایک دوسرے کی ہر خوشی اور غم میں برابر کے شریک رہیں۔

**TANZEEMUL MAKATIB**
Golaganj, Lucknow-18 India
Phone:2615115 Fax:2628923
E-mail: makatib@makatib.net

# آداب اسلامی

۲

ناشر

تنظیم المکاتب

# آداب اسلامی

(۲)

مترجم

مولانا سید کمیل اصغر زیدی صاحب

ناشر

**تنظیم المکاتب**

گولہ گنج، لکھنؤ-۱۸ (ہندوستان)

فون 0522-2615115 فیکس: 0522-2628923

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | آداب اسلامی (۲) |
| تالیف | : | نصاب تعلیم کمیٹی |
| مترجم | : | سید کمیل اصغر زیدی |
| کمپوزنگ | : | ابوزینب |
| سنہ طباعت | : | مارچ ۲۰۰۶ء |
| تعداد | : | ایک ہزار |
| ناشر | : | تنظیم المکاتب، گولہ گنج، لکھنؤ (ہندوستان) |
| قیمت | : | Rs. 90/- |


# فہرست


| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| عرض تنظیم | ۱۹ |
| مقدمہ | ۲۱ |
| **پہلا سبق** | |
| علم اور عالم کی فضیلت (۱) | ۲۷ |
| الف۔ علم اور عالم کی اہمیت قرآن کی نگاہ میں | ۲۷ |
| ب۔ احادیث پیغمبر اکرم ﷺ میں علم اور عالم کا مرتبہ | ۲۹ |
| ج۔ احادیث پیغمبر اکرم ﷺ میں طالب علم اور علم حاصل کرنے کی اہمیت | ۳۲ |
| خلاصہ | ۳۵ |
| سوالات | ۳۵ |
| **دوسرا سبق** | |
| علم اور عالم کی فضیلت (۲) | ۳۷ |
| د۔ احادیث اہلبیتؑ میں علم اور عالم کی فضیلت | ۳۷ |
| ھ۔ جاہل پر عالم کی فضیلت اور برتری | ۴۱ |
| و۔ صحیح تعلیم کا انتخاب | ۴۳ |

خلاصہ ...... ۴۶
سوالات ...... ۴۶

## تیسرا سبق

استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب (۱) ...... ۴۷
۱۔خلوص نیت ...... ۴۷
خلوص نیت کیسے حاصل ہو؟ ...... ۵۰
خلاصہ ...... ۵۵
سوالات ...... ۵۵

## چوتھا سبق

استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب (۲) ...... ۵۷
۲۔علم اور عمل ...... ۵۷
خلاصہ ...... ۶۶
سوالات ...... ۶۶

## پانچواں سبق

استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض (۳) ...... ۶۷
۳۔غرور سے پرہیز ...... ۶۷
۴۔توکل ...... ۶۸
۵۔تقویٰ اور اصلاح نفس ...... ۷۰
۶۔نیک اخلاق ...... ۷۱



۷۔عزت نفس ...... ۷۲
۸۔دینی اقدار کی حفاظت ...... ۷۳
خلاصہ ...... ۷۵
سوالات ...... ۷۵

## چھٹا سبق

استاد کے فرائض (۱) ...... ۷۷
۱۔اپنے بارے میں استاد کے فرائض ...... ۷۷
خلاصہ ...... ۸۴
سوالات ...... ۸۴

## ساتواں سبق

استاد کے فرائض (۲) ...... ۸۵
۲۔شاگردوں سے متعلق استاد کے فرائض ...... ۸۵
خلاصہ ...... ۹۱
سوالات ...... ۹۱

## آٹھواں سبق

استاد کے فرائض (۳) ...... ۹۲
۳۔کلاس میں استاد کے فرائض ...... ۹۲
خلاصہ ...... ۹۹

سوالات ۹۹

## نواں سبق

طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں (۱) ۱۰۱

۱۔ اپنے بارے میں طالب علم کے فرائض اور ذمہ داریاں ۱۰۱

۲۔ استاد سے متعلق طلاب کے فرائض ۱۰۴

خلاصہ ۱۰۸

سوالات ۱۰۸

## دسواں سبق

طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں (۲) ۱۰۹

۳۔ کلاس میں طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں ۱۰۹

دارالاقامہ (ہوسٹل) میں رہنے کے آداب ۱۱۲

خلاصہ ۱۱۵

سوالات ۱۱۵

## گیارہواں سبق

شادی ۱۱۷

شادی کی اہمیت (قدر و قیمت) ۱۱۷

شادی کے فوائد ۱۲۰

خلاصہ ۱۲۵



سوالات ۱۲۵

## بارہواں سبق

شوہر اور زوجہ کے حقوق ۱۲۷

بیوی کے اوپر شوہر کے حقوق ۱۲۷

شوہر کی گردن پر زوجہ کے حقوق ۱۳۱

خلاصہ ۱۳۵

سوالات ۱۳۵

## تیرہواں سبق

محنت و مشقت کی قدر و قیمت ۱۳۷

دو قسم کی روایتیں ۱۳۷

خلاصہ ۱۴۶

سوالات ۱۴۶

## چودہواں سبق

کسب معاش اور تجارت کے آداب ۱۴۷

۱۔ مسائل تجارت سے واقفیت ۱۴۷

۲۔ ذخیرہ اندوزی سے پرہیز ۱۴۸

۳۔ دعا ۱۵۰

۴۔ قسم سے پرہیز ۱۵۱

۵۔ برائیوں کا تذکرہ ........ ۱۵۲
۶۔ انصاف ........ ۱۵۳
۷۔ غرباء کے ساتھ نرم رویہ ........ ۱۵۴
۸۔ ملاوٹ سے پرہیز ........ ۱۵۵
خلاصہ ........ ۱۵۶
سوالات ........ ۱۵۶

## پندرھواں سبق

نظافت و آرائش (۱) ........ ۱۵۷
۱۔ بدن کی صفائی ........ ۱۵۹
۲۔ حمام کے آداب ........ ۱۶۰
۳۔ لباس کی صفائی ........ ۱۶۲
خلاصہ ........ ۱۶۶
سوالات ........ ۱۶۶

## سولہواں سبق

نظافت و آرائش (۲) ........ ۱۶۷
۴۔ مسواک ........ ۱۶۷
مسواک کے فائدے ........ ۱۶۹
مسواک کا طریقہ ........ ۱۷۰



۵۔ بال کٹوانا ........ ۱۷۱
۶۔ ناخن کاٹنا ........ ۱۷۳
خلاصہ ........ ۱۷۶
سوالات ........ ۱۷۶

## سترھواں سبق

نظافت و آرائش (۳) ........ ۱۷۷
۷۔ عطریات اور خوشبو کا استعمال ........ ۱۷۷
۸۔ گھر اور اس کے اطراف کی صفائی ........ ۱۸۰
ماحولیاتی صفائی ........ ۱۸۳
خلاصہ ........ ۱۸۶
سوالات ........ ۱۸۶

## اٹھارھواں سبق

بیت الخلاء کے آداب ........ ۱۸۷
۱۔ لوگوں کی نگاہوں سے دور ........ ۱۸۷
۲۔ شرمگاہ چھپانا ........ ۱۸۸
۳۔ قبلہ کی سمت سے بچنا ........ ۱۹۰
۴۔ خاموش رہنا ........ ۱۹۱
۵۔ بقیہ آداب ........ ۱۹۲
خلاصہ ........ ۱۹۳

سوالات ...... ۱۹۳

## انیسواں سبق

کھانے کے آداب (۱) ...... ۱۹۵
۱۔حلال اور پاک غذا ...... ۱۹۵
۲۔ہاتھ دھونا ...... ۱۹۶
۳۔دسترخوان پر بیٹھنے کا طریقہ ...... ۱۹۸
۴۔کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا ...... ۱۹۹
۵۔نیت ...... ۲۰۰
۶۔کھانا شروع کرنے کا طریقہ ...... ۲۰۱
خلاصہ ...... ۲۰۲
سوالات ...... ۲۰۲

## بیسواں سبق

کھانے پینے کے آداب (۲) ...... ۲۰۳
۷۔کھانے کا طریقہ ...... ۲۰۳
۸۔پرخوری سے پرہیز ...... ۲۰۶
۹۔ایک ساتھ کھانا کھانا ...... ۲۰۹
۱۰۔ایک ساتھ کھانا کھانے کے آداب ...... ۲۰۹
خلاصہ ...... ۲۱۲



سوالات ...... ۲۱۲

## اکیسواں سبق

عبادت ...... ۲۱۳
۱۔عبادت -- مقصد خلقت و بعثت ...... ۲۱۴
۲۔عبادت کی فضیلت ...... ۲۱۵
۳۔عبادت و بندگی کی حقیقت ...... ۲۱۶
۴۔بامعرفت عبادت ...... ۲۱۷
۵۔عبادت کے اسباب ...... ۲۱۸
۶۔عبادت کی قسمیں ...... ۲۱۹
خلاصہ ...... ۲۲۲
سوالات ...... ۲۲۲

## بائیسواں سبق

نماز کی فضیلت ...... ۲۲۳
۱۔نماز کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں ...... ۲۲۳
۲۔احادیث پیغمبرؐ میں نماز کی اہمیت ...... ۲۲۵
۳۔احادیث ائمہ طاہرینؑ میں نماز کی عظمت ...... ۲۲۸
خلاصہ ...... ۲۳۱
سوالات ...... ۲۳۱

## تیئیسواں سبق

آداب نماز ..... ۲۳۳
۱۔اجزاء وشرائط کا خیال ..... ۲۳۳
۲۔بارگاہ الٰہی میں حضور ..... ۲۳۳
۳۔نشاط وولولہ ..... ۲۳۵
۴۔خضوع وخشوع ..... ۲۳۶
۵۔حضور قلب ..... ۲۳۷
۶۔نماز کا احترام ..... ۲۳۸
۷۔اول وقت کا خیال ..... ۲۳۹
۸۔زینت و آرائش ..... ۲۴۰
۹۔نماز جماعت ..... ۲۴۱
خلاصہ ..... ۲۴۲
سوالات ..... ۲۴۲

## چوبیسواں سبق

روزہ کی اہمیت ..... ۲۴۳
۱۔روزہ میرے لئے ہے ..... ۲۴۳
۲۔روزہ سپر ہے ..... ۲۴۵
۳۔روزہ کے اسباب ..... ۲۴۶



۴۔روزہ کے معنوی اثرات ..... ۲۴۸
۵۔روزہ کی حد ..... ۲۴۹
خلاصہ ..... ۲۵۰
سوالات ..... ۲۵۰

## پچیسواں سبق

قرآن مجید کی فضیلت ..... ۲۵۱
۱۔قرآن مجید کی فضیلت ..... ۲۵۱
۲۔تلاوت قرآن کی فضیلت ..... ۲۵۲
۳۔قرآن مجید کی تعلیم کی فضیلت ..... ۲۵۴
۴۔حفظ اور فہم قرآن کی فضیلت ..... ۲۵۶
۵۔قرآن مجید کی تلاوت سننا ..... ۲۵۸
خلاصہ ..... ۲۵۹
سوالات ..... ۲۵۹

## چھبیسواں سبق

تلاوت کے آداب ..... ۲۶۱
۱۔ظاہری آداب ..... ۲۶۱
۲۔قرائت قرآن کی جگہ ..... ۲۶۲
۳۔تلاوت کی مقدار ..... ۲۶۳

۴/۵۔ استعاذہ اور تسمیہ (اعوذ باللہ اور بسم اللہ کہنا) ........ ۲۶۴
۶۔ ترتیل ........ ۲۶۵
۷۔ دلنشین آواز ........ ۲۶۵
۸۔ حزن اور خشوع ........ ۲۶۶
۹۔ تدبر ........ ۲۶۶
۱۰۔ قرآن مجید میں دیکھ کر تلاوت کرنا ........ ۲۶۷
خلاصہ ........ ۲۶۹
سوالات ........ ۲۶۹

## ستائیسواں سبق

دعا و زیارت کی اہمیت ........ ۲۷۱
۱۔ دعا کی منزلت ........ ۲۷۱
۲۔ دعا کی قدر و منزلت اور اس کے آثار ........ ۲۷۴
۳۔ زیارت اولیاء ........ ۲۷۵
خلاصہ ........ ۲۷۸
سوالات ........ ۲۷۸

## اٹھائیسواں سبق

دعا و زیارت کے کچھ آداب اور شرائط ........ ۲۷۹



الف۔ آداب دعا ........ ۲۷۹
۱۔ معرفت پروردگار ........ ۲۷۹
۲۔ امید و رجاء ........ ۲۸۰
۳۔ غیر اللہ سے قطع امید ........ ۲۸۰
۴۔ حضور قلب ........ ۲۸۱
۵۔ تضرع اور رقت قلب ........ ۲۸۱
۶۔ بسم اللہ سے ابتداء کرنا ........ ۲۸۱
۷۔ حمد و ثنائے الٰہی ........ ۲۸۲
۸۔ نبیؐ و آل نبیؐ پر درود و سلام ........ ۲۸۲
۹۔ نبیؐ و آل نبیؐ سے توسل ........ ۲۸۲
۱۰۔ اعتراف گناہ ........ ۲۸۳
۱۱۔ پاک اور حلال غذا ........ ۲۸۳
۱۲۔ دعا پر اصرار ........ ۲۸۳
۱۳۔ اجتماعی شکل میں دعا ........ ۲۸۴
۱۴۔ دعا کے ساتھ عمل بھی ........ ۲۸۴
۱۵۔ بارگاہ الٰہی میں حاجات پیش کرنا ........ ۲۸۵
ب۔ آداب زیارت ........ ۲۸۵

ا۔غسل اور صفائی ........ ۲۸۵

۲۔روبقبلہ ہونا ........ ۲۸۵

۳۔باادب رہنا ........ ۲۸۵

۴۔ماثور زیارت پڑھنا ........ ۲۸۵

۵۔نماز زیارت ........ ۲۸۶

۶۔تلاوت قرآن ........ ۲۸۶

خلاصہ ........ ۲۸۷

سوالات ........ ۲۸۷


## انتیسواں سبق


سفر کے مقاصد اور فوائد ........ ۲۸۹

سفر کے جائز مقصد ........ ۲۹۰

ا۔حصول علم ومعرفت ........ ۲۹۰

۲۔دین کی حفاظت ........ ۲۹۲

۳۔حج وزیارت ........ ۲۹۲

۴۔لقمۂ حلال کی تلاش ........ ۲۹۳

سفر کے فوائد ........ ۲۹۳

خلاصہ ........ ۲۹۵





سوالات ........ ۲۹۵


## تیسواں سبق


سفر کے آداب ........ ۲۹۶

ا۔رفیق سفر کا انتخاب ........ ۲۹۶

۲۔حقوق کی ادائیگی ........ ۲۹۷

۳۔لوازمات سفر ........ ۲۹۸

۴۔دعاوذکر خدا ........ ۲۹۹

۵۔صدقہ ........ ۳۰۰

۶۔مروت ........ ۳۰۰

۷۔تحفہ وتحائف ........ ۳۰۲

خلاصہ ........ ۳۰۴

سوالات ........ ۳۰۴

# عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگر چہ اپنی توجہ ''قیام مکاتب'' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی تعلیم کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اسی لیے آپ نے روز اول مکاتب کے ساتھ تعلیم بالغان اور مراسلاتی کورس کو بھی تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا اور آپ کی زندگی میں یہ شعبے کم وبیش فعال بھی ہو گئے تھے مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی جس کا اہم سبب مناسب نصاب کا فقدان تھا۔

مکاتب کے ساتھ اسکول، جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکولوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ہی قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ وسیرت اور اخلاق وحدیث پر مشتمل متوسط سطح کے ایسے نصاب کی ضرورت کا مزید احساس ہوا جس سے نوجوانوں میں دینی شعور پیدا ہو سکے۔ تربیت مدرسین کے علاوہ ادھر کچھ عرصہ سے نوجوانوں کے لیے دینی تعلیمی تربیتی کیمپ، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ جیسے سلسلے شروع کیے گئے جن کے لیے بھی کتب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔

نصاب کی تیاری ایک مشکل کام ہے اس کے لیے مختلف نمونوں، کتب اور مواد کے علاوہ صاحبان علم ہی نہیں بلکہ ماہرین فن کی ایسی تجربہ کار جماعت درکار ہوتی ہے جو یکسوئی کے ساتھ یہ کام انجام دے سکے اس راہ میں جن دشوار گذار اور صبر آزما مراحل سے گذرنا ہوتا ہے اس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسے مشاغل سے سروکار رکھتے ہیں۔

موجودہ صورتحال میں مناسب محسوس ہوا کہ از سر نو نصاب ترتیب دینے اور تجربہ کرنے کے بجائے مختلف ممالک اور زبانوں میں نوجوانوں کی تربیت کے لیے رائج نصاب سے استفادہ کیا جائے۔

چنانچہ طلاب کی سطح کے اعتبار سے تلاش شروع کی گئی مگر کسی ایک مرکز سے کوئی ایک ایسا جامع نصاب نہ مل سکا جو ہمارے ملک کی نسل نو کے دینی ضروریات کو پورا کر سکے لہٰذا مختلف تعلیمی مراکز میں رائج نصاب سے انتخاب کیا گیا جس کے باعث اسلوب نگارش، انداز بیان اور سطح فکر میں اختلاف ناگزیر ہے۔

کتب کا اردو میں ترجمہ بھی ایک مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں حوزۂ علمیہ قم میں زیر تعلیم اہل علم اور خوش استعداد صاحبان قلم خصوصاً جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے افاضل سے مدد لی گئی۔ اس طرح الحمد للہ اب قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ وسیرت اور اخلاق وحدیث پر مشتمل نصاب مرتب ہو کر اشاعت کی منزل میں ہے۔ فی الحال ان موضوعات سے روشناس کرانا مقصود ہے۔ آئندہ تجربہ کی روشنی میں کتب یا ان کے مشمولات میں تبدیلی کا امکان ہے جس کے لیے ہم اہل نظر اور ارباب بصیرت کی مثبت آراء اور تنقید کے منتظر ہیں۔

زیر نظر کتاب ''آداب اسلامی'' جلد (۲) بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکرگذار ہیں۔ مترجم کتاب جناب مولانا سید کمیل اصغر زیدی صاحب فاضل جامعہ امامیہ اور سازمان مدارس وحوزات علمیہ ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں اور عنایتوں سے زیر نظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔

والسلام

سید صفی حیدر

سکریٹری

۲۶ ذی الحجہ الحرام ۱۴۲۶ھ

# مقدمہ

اسلامی ادب میں ''تعلیم'' اور ''تربیت'' عموماً ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں لیکن علماء واساتذۂ کرام تعلیم سے زیادہ تربیت کی اہمیت کے قائل ہیں۔

قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واہل بیت علیہم السلام کی روایات میں تربیت اور تزکیۂ نفس کے مسئلہ پر بہت زور دیا گیا ہے، اس سلسلہ میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ ''تربیت'' کے بغیر ''علم'' ''سراج منیر'' کے بجائے ''حجاب'' بن جاتا ہے اور ترقی وتکامل کی راہ میں مانع قرار پاتا ہے۔

اسی لئے ''اسلامی آداب'' اور ''تربیت وتزکیہ نفس'' کو نظام تعلیم میں بنیادی رکن کی حیثیت حاصل ہے اور انہیں نظر انداز کر دینے کی وجہ سے معاشرہ میں بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

لفظ ''آداب'' اور ''اخلاق'' جب ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو عموماً ان سے ایک ہی معنی مراد لئے جاتے ہیں البتہ کبھی کبھی ان کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک کے معنی دوسرے لفظ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

استعمال کے لحاظ سے یوں تو آداب اسلامی ''کسی راستہ پر پوچھتے ہوئے چلتے چلے جانا'' ''اخلاق حسنہ'' اور ''اعلیٰ صفت واقدار'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن ان موارد کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم ''ثقافت'' اور ''تہذیب وتمدن'' جیسے وسیع مفہوم تک پہونچ جاتے ہیں کیونکہ ثقافت کا مفہوم دینی احکام

وتعلیمات سے وسیع ہے۔ تہذیب وثقافت میں معاشرہ کے وہ آداب ورسوم اور عادات واطوار بھی شامل ہوتے ہیں جو کسی تہذیب اور کلچر کی شناخت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اسلام نے اپنے آفاقی پیغام کے تحت اقوام عالم کو جن آداب کی تعلیم دی ہے وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں کسی بھی معاشرہ میں پائے جانے والے آداب ورسوم کو دین اسلام صرف اسی صورت میں کالعدم قرار دیتا ہے جب وہ روح اسلام سے متصادم ہوں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اعلان بعثت کے بعد اس دور میں رائج بہت سے رسم ورواج کو باقی رکھا اور اسی کے ساتھ آنحضرتؐ نے یہ اعلان بھی فرمایا: ''میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں''

معاشرہ کے لئے تہذیب وثقافت یا کلچر کی وہی حیثیت ہے جو بدن کے اندر خون کی ہوتی ہے جس طرح خون، دماغ کی رگوں سے لے کر پیر کی انگلیوں کے سروں تک جسم کے تمام حصوں میں دوڑتا رہتا ہے اسی طرح تہذیب وکلچر کا اثر زمانہ کے ایک عالم جلیل اور مفکر سے لے کر کارخانوں کے مزدور تک معاشرہ کے تمام افراد کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوتا ہے۔

جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور جزیرہ نمائے عرب اس کے نور سے جگمگا اٹھا تو دنیا میں ایک جدید معاشرہ وجود میں آیا۔ آپسی ہمدردی وانس ومحبت کا جذبہ اس معاشرہ کی امتیازی خصوصیت تھی جس کی ترجمانی قرآن مجید نے ان الفاظ میں کی ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ



لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾(۱)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں تم انہیں دیکھو گے کہ بارگاہ احدیت میں سرخم کئے ہوئے، سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار سے فضل وکرم اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، کثرت سجود کی بنا پر ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات پائے جاتے ہیں، یہی ان کی مثال توریت میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے جیسے کوئی کھیتی ہو جو پہلے سوئی نکالے پھر اسے مضبوط بنائے پھر وہ موٹی ہو جائے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے لگے تاکہ ان کے ذریعہ کفار کو جلایا جائے اور اللہ نے صاحبان ایمان وعمل صالح سے مغفرت اور عظیم اجر کا وعدہ کیا ہے''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾(۲)

''اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی ہے کہ اگر آپ ساری دنیا خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں باہمی الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن خدا نے یہ الفت ومحبت پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر شے پر غالب اور صاحب حکمت ہے''

جس وقت لوگ پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کا کلمہ پڑھ کر گروہ در گروہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے یہی وہ وقت تھا جب ایک جانب آنحضرتؐ نئی ''اسلامی ثقافت'' کی بنیاد رکھ رہے تھے اور

---

(۱) سورۂ فتح آیت ۲۹

(۲) سورۂ انفال آیت ۶۳

دوسری جانب آپ ان آداب ورسوم کے خلاف جہاد کررہے تھے جو انسانی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے تھے چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے نماز جمعہ وجماعت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا حکم دیا، افراد معاشرہ کے درمیان اخوت ومحبت، والدین کے ساتھ حسن سلوک، دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور انصاف کی ترویج کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک صحیح معاشرہ کی تشکیل کے لئے شرح صدر، مزاح، یتیموں کی کفالت، مریضوں کی عیادت اور دوسروں کی خوشی اور غم میں شرکت، مہمانوں کی ضیافت اور امانتداری جیسی باتوں کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ ان کے اصول بھی معین فرمادیئے اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیت اطہارؑ کی سیرت طیبہ کے ذریعہ دین اسلام نے انسانی عظمت کے منافی اعمال مثلاً غیبت، چغل خوری، بہتان والزام تراشی، حسد' استہزا اور جھوٹ جیسے منفی اور معاشرہ کے لئے نقصان دہ رسم ورواج اور آداب واطوار کا خاتمہ بھی کیا۔

اسلام نے ان آداب کو فضا میں معلق قوانین کی شکل میں پیش نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نظام اور وسائل تربیت کے ذریعہ ان کی جڑیں معاشرہ اور انسانی وجود میں بہت گہرائی تک پیوست کردی ہیں۔

اسلام نے اپنے نظام میں دنیوی واخروی ثواب وعقاب کا تصور پیش کیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی حیات کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے دنیا فقط گذرگاہ اور آخرت کے لئے کاشت کا مقام ہے اس دنیا میں انسان جو بوئے گا کل اسی کو کاٹے گا اس کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کے ذریعہ بھی اسلام اجتماعی زندگی کو صحیح جہت عطا کرتا ہے۔

اسلامی ثقافت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس ثقافت میں انفرادی عمل، اجتماعی امور کی ضمانت بھی ہوتا ہے مثلاً جب کوئی مسلمان رضائے الٰہی، ثواب، جنت کے حصول اور اپنی حسن عاقبت کے



لئے کسی یتیم کی کفالت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل محض ذاتی اور انفرادی فائدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے بچہ کو محفوظ اور آبرومندانہ زندگی میسر ہوجاتی ہے اور اس طرح بے سرپرست بچہ کے بجائے ایک صالح بچہ معاشرہ کا جزء بنتا ہے اور اس کے خدمات قوم وملت کے کام آتے ہیں۔ اس طرح اسلامی آداب اور تہذیب وثقافت میں اخلاقیات کے انفرادی واجتماعی معاملات کسی ٹکراؤ کے بغیر آگے بڑھتے رہتے ہیں جس سے معاشرہ پر امن وآسائش اور سعادت وخوش بختی کا دوردورہ، سایہ فگن رہتا ہے

آپ کے مبارک ہاتھوں میں اس وقت جو کتاب ہے یہ ''سازمان مدارس وحوزات علمیہ'' کے نصاب تعلیم کا حصہ ہے جسے اس ادارہ کی نصاب تعلیم کمیٹی نے حوزات علمیہ کے ابتدائی درجات کے لئے تدوین کیا ہے۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں جنہوں نے اس کی تالیف وترتیب میں ہمارا تعاون کیا ہے خاص طور سے مولانا سید کمیل اصغر زیدی کے مشکور ہیں جنہوں نے اس کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری ادا کی ہے۔

خدائے کریم سے دعا ہے کہ ان تمام حضرات کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

شعبۂ تدوین نصاب

۲۰۰۴

# پہلا سبق

## علم اور عالم کی فضیلت (۱)

مذہب اسلام میں زندگی کے دیگر معاملات کی طرح تعلیم حاصل کرنے اور دوسروں کو تعلیم دینے کے بارے میں مخصوص آداب اور قوانین موجود ہیں جن میں سے بعض کی رعایت استاد یا مدرس کے لئے ضروری ہے جب کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا خیال رکھنا طالب علم اور بچوں کے اوپر لازم ہے اس سلسلہ میں اسلام نے جو آداب بیان کئے ہیں آئندہ دروس میں آپ ان سے واقف ہوں گے لیکن پہلے علم اور عالم کی اہمیت اور ان کے مقام و مرتبہ کو جاننا ضروری ہے۔

### الف۔ علم اور عالم کی اہمیت قرآن مجید کی نگاہ میں

۱۔ پیغمبر اکرمؐ پر جو آیات کریمہ سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں ان میں انسان کی خلقت کے بعد سب سے پہلے جس نعمت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ نعمت علم ہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِيْ خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ☆ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾(۱) ''اس خدا کا نام لیکر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بہت کریم ہے جس نے

---

(۱) سورہ علق آیت ۱ تا ۵

قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ بتادیا ہے جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

۲۔ جاہلوں پر اہل علم کی فضیلت ﴿... يرفعِ اللّٰهُ الَّذينَ آمنُوا منكُمْ والَّذين اُوتُوا العلْمَ درجاتٍ﴾(۱) "کہ خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے۔"

۳۔ بے شمار خیر ان کو نصیب ہوگا جنہیں حکمت کا سرچشمہ مل گیا ہے ﴿وَ مَنْ يُؤْتَ الحِكْمَةَ فَقَدْ اُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً﴾(۲) "اور جسے حکمت عطا کردی جائے اسے گویا خیر کثیر عطا کردیا گیا" اور حکمت تک پہونچنے کا ایک راستہ علم ہے۔

۴۔ قرآن مجید کے مطابق اہل علم میں پانچ خصوصیات پائے جاتے ہیں:

۱۔ ایمان. ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي العِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ...﴾(۳) "اور جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔"

۲۔ توحید. ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالمَلائِكَةُ وَاُولُوا العِلْمِ﴾(۴) "اور اللہ خود گواہ ہے کہ اسکے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور ملائکہ وصاحبان علم گواہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔"

۳۔ خوف خدا سے غمگین رہنا. ﴿اِنَّ الَّذِينَ اُوتُوا العِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ اِذا يُتْلىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّداً ☆ يَبْكُونَ وَ يَزِيدُهُمْ خُشُوعاً﴾(۵)

---

(۱) سورۂ مجادلہ: آیت ۱۱
(۲) سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۹
(۳) سورۂ آل عمران: آیت ۷
(۴) سورۂ آل عمران: آیت ۱۸
(۵) سورۂ اسراء آیت: ۱۰۷/۱۰۹



"جن کو اس سے پہلے علم دے دیا گیا ہے ان پر تلاوت ہوتی ہے تو منہ کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں اور وہ قرآن ان کے خشوع میں اضافہ کردیتا ہے۔"

۴۔ خشوع جیسا کہ مذکورہ آیت میں ذکر ہے۔

۵۔ خشیت. ﴿اِنَّما يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبادِهِ العُلَماءُ ..﴾(۱) "لیکن اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبان معرفت ہیں۔"

## ب۔ احادیث پیغمبر اکرمؐ میں علم اور عالم کا مرتبہ

☆ "مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ" خداوند عالم جس کے لئے بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کا ادراک عطا کردیتا ہے۔(۲)

☆ "عُلَماءُ اُمَّتِي كَاَنْبِياءِ بَنِي اِسْرائِيلَ" میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔(۳)

☆ "اَلْعُلَماءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِياءِ" اہل علم انبیاء کے وارث ہیں۔(۴)

☆ "يَسْتَغْفِرُ لِلْعالِمِ ما فِي السَّماواتِ وَ الْاَرْضِ" "زمین وآسمان کی ہر مخلوق عالم کے لئے استغفار کرتی ہے۔"(۵)

☆ "اَقْرَبُ النّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ اَهْلُ العِلْمِ وَ الجِهادِ. اَمّا اَهْلُ العِلْمِ

---

(۱) سورۂ فاطر: آیت ۲۸
(۲) صحیح بخاری کتاب علم ح ۷۰
(۳) بحار الانوار: ج ۲، ص ۲۲، باب ۸
(۴) سنن ابن ماجہ: ج ۱ باب ۱۷ ص ۲۲۳
(۵) سنن ابی داؤد: ج ۲ ص ۲۸۵

فـلُوا النَّاس عَلٰى مَا جَاءَ تْ بِهِ الرُّسُلُ، و أَمَّا أَهْلُ الْجِهَادِ فَجَاهَدُوْا بِأَسْيَافِهِمْ عَلٰى مَاجَاءَ تْ بِهِ الرُّسُلُ'' ''اہل علم اور مجاہدین درجہ نبوت سے سب سے زیادہ نزدیک ہیں علماء اس لئے نزدیک ہیں کیونکہ انہوں نے پیغمبروں کے پیش کردہ احکام کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی ہے اور مجاہدین اس لئے نزدیک ہیں کہ انہوں نے اپنی تلواروں سے پیغمبروں کے پیغام کے لئے جہاد کیا ہے۔''(۱)

☆ ''یُوزَنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ بِدِمَاءِ الشُّهَدَاءِ'' ''روز قیامت علماء کی روشنائی خون شہداء کے ہم وزن ہوگی۔''(۲)

☆ ''اِنَّ مثل الْعُلَمَاءِ فِی الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ يُهْتَدىٰ بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ فَإِذَا انْطَمَسَتْ أَوْشَکَ أَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ'' ''روئے زمین پر علماء کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آسمانوں پر ستارے چمکتے ہیں کہ ان کے ذریعہ خشکی اور سمندروں میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ڈوب جاتا ہے تو ہدایت پانے والوں کے لئے گمراہی کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔''(۳)

☆ پروردگار نے جناب ابراہیم کی طرف یہ وحی فرمائی: ''یا ابراهیمُ اِنّي علیمٌ و اُحِبُّ كُلَّ عَلیمٍ'' ''میں صاحب علم ہوں اور ہر صاحب علم سے محبت کرتا ہوں۔''(۴)

☆ ''مَوْتُ قَبِيْلَةٍ أَيْسَرُ مِنْ مَوْتِ الْعَالِمِ'' ''ایک پورے قبیلہ کی موت (کا غم) ایک عالم کی

(۱) احیاء العلوم غزالی: کتاب العلم
(۲) گذشتہ حوالہ
(۳) کنز العمال: حدیث ۲۸۷۶۹
(۴) احیاء العلوم غزالی: کتاب العلم



موت سے زیادہ سہل ہے۔''(۱)

☆ ''مَنْ تفقه في دِيْنِ اللّٰهِ كفاهُ اللّٰهُ هَمَّهُ وَ رَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ'' ''جو دین کی راہ میں غور وفکر کے لئے کوشش کرے گا تو خداوند عالم اس کے ہر ہم وغم کے لئے کافی ہے اور جس جگہ کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا اسے وہاں سے روزی فراہم کرتا ہے۔''(۲)

☆ ''يشفعُ يومَ القيامة ثلاثةٌ: الأنبياءُ، ثُمَّ العُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ'' ''روز قیامت تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے۔ انبیاء علماء اور شہداء۔''(۳)

☆ ''أفضلُ الصَّدقةِ أنْ يَعْلَمَ المرءُ عِلْماً ثُمَّ يُعَلِّمَهُ أخاهُ'' ''سب سے بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان خود تعلیم حاصل کرے اور پھر اپنے بھائیوں کو اس کی تعلیم دے۔''(۴)

☆ ''إنَّ اللّٰهَ و ملائكتَهُ حتّى النَّمْلَةِ فِي جُحْرِهَا وَ حَتَّى الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ يُصَلُّوْنَ عَلىٰ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ'' ''پروردگار عالم اور اس کے ملائکہ حتی کہ اپنے سوراخوں میں چیونٹیاں اور سمندروں کی مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔''(۵)

☆ ''النَّظَرُ اِلَى وَجْهِ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ'' ''عالم کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے''(۶)

☆ ''مَوْتُ الْعَالِمِ ثُلْمَةٌ فِي الْإِسْلَامِ لَا تُسَدُّ مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ'' ''عالم کی موت اسلام کے اندر ایک ایسا شگاف ہے جس کی بھرپائی شب و روز کے دائمی سلسلہ سے بھی نہیں ہو سکتی۔''(۷)

(۱) احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
(۲) احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
(۳) سنن ابن ماجہ۔ حدیث ۴۳۰۹
(۴) سنن ابن ماجہ۔ باب ۲۰ ج ۲۴۳
(۵) کنز العمال حدیث ۲۸۷۳۶
(۶) بحار الانوار: ج ۱ کتاب علم
(۷) کنز العمال: حدیث ۲۸۷۶۱

## ج۔ احادیث پیغمبر اکرمؐ میں طالب علم اور علم حاصل کرنے کی اہمیت

☆ ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ علی كُلِّ مُسْلِمٍ'' '' تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔''(۱)

☆ ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ و لَوْ بِالصِّيْنِ فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ'' ''تعلیم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے، کیونکہ تعلیم حاصل کرنا ہر مسمان پر فرض ہے۔''(۲)

☆ ''مَنْ طَلَبَ عِلْماً فَأَدْرَكَهُ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ كِفْلَيْنِ مِنَ الْأَجْرِ وَ مَن طَلَبَ عِلْماً فَلَمْ يُدْرِكْهُ كَتَبَ اللهُ لَهُ كِفْلاً من الْأَجْرِ'' ''جو شخص کوئی علم سیکھنا شروع کرے اور اس کے حصول میں کامیاب ہو جائے تو خداوند عالم اس کے لئے دوہرا اجر عطا کرتا ہے اور جو شخص تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرے مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو خداوند عالم اس کے لئے ایک اجر عطا کرے گا۔''(۳)

☆ '' مَنْ احبَّ أَنْ يَنْظُرَ الى عُتَقَاءِ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ اِلى الْمُتَعَلِّمِيْنَ فوالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا مِنْ مُتَعلِّمٍ يَخْتَلِفُ اِلَى بَابِ الْعَالِمِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ عبادةَ سنةٍ و بنى اللّٰهُ لهُ بكُلِّ قَدَمٍ مَدِينَةً فِي الْجَنَّةِ وَ يَمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ وَ هِيَ تَسْتَغْفِرُ لَهُ وَ يُمسِيْ وَ يُصبِحُ مَغْفُوراً لَهُ وَ شَهِدَتِ الْمَلائِكَةُ أَنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ'' ''جو شخص جہنم سے آزاد ہونے والے بندگان خدا کو دیکھنا چاہے تو تعلیم حاصل کرنے والوں کو دیکھ لے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب بھی کوئی طالب علم کسی عالم کے دروازے پر رفت و آمد کرتا ہے تو خداوند عالم اس کے ہر قدم پر ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا کرتا ہے اور ہر قدم پر جنت میں اس کے لئے ایک گھر بناتا ہے اور وہ جس زمین پر چلتا ہے وہ زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور صبح و شام اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور ملائکہ ان کے بارے یہ گواہی دیتے ہیں کہ انہیں خدا نے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔''(۱)

☆ ''مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِلّٰهِ فَهُوَ كَالصَّائِمِ نَهَارُهُ الْقَائِمِ لَيْلُهُ وَاِنَّ بَاباً مِّنَ الْعِلْمِ يتعلّمهُ الرَّجُلُ خيرٌ مِنْ اَنْ يَّكُوْن لهُ أَبُوْ قُبَيْسَ ذَهَباً فَأَنْفَقَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' ''علم حاصل کرنے والا انسان اس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہو اور پوری رات نماز پڑھ کر گذار دیتا ہو اور اگر وہ علم کا ایک باب حاصل کر لے تو وہ اس کے لئے راہ خدا میں کوہ ابوقبیس کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔''(۲)

☆ ''مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ العِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ'' ''علم کی راہ میں گھر سے نکلنے والا جب تک واپس نہ آ جائے راہ خدا میں رہتا ہے۔''(۳)

☆ ''طَالِبُ الْعِلْمِ بَيْنَ الْجُهَّالِ كَالحَيِّ بَيْنَ الْأَمْوَاتِ'' '' جاہلوں کے درمیان طالب علم ایسا ہی ہے جیسے مردوں کے درمیان زندہ شخص ہوتا ہے۔''(۴)

☆ ''إذا جَاء الْمَوْتُ لِطالِبِ الْعِلْمِ وَ هُوَ عَلٰى هٰذِهِ الْحَالَةِ مَاتَ وَهُوَ شَهِيْدٌ'' ''تعلیم کے دوران اگر کسی طالب علم کو موت آ جائے تو وہ شہید ہے۔''(۵)

---

(۱) سنن ابن ماجہ۔ ج ۱ باب ۱۷ حدیث ۲۲۴

(۲) بحار الانوار۔ ج ۱ ص ۱۸۰ باب ۱

(۳) الترغیب والترہیب: ج ۱ ص ۹۶



(۱) تفسیر فخر رازی: ج ۲ ص ۱۸۰

(۲) تفسیر فخر رازی ج ۲ ص ۱۸۰

(۳) سنن ترمذی: حدیث ۲۶۴۷

(۴) کنز العمال: حدیث ۲۸۷۲۶

(۵) ترغیب و ترہیب: ج ۱ ص ۹۷

☆ ''مَنْ طَلَبَ باباً مِنَ الْعِلْمِ لِيُحْيِيَ بِهِ الإِسْلامَ كانَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ درجةٌ فِي الْجَنَّةِ'' ''جوشخص اسلام کوزندہ کرنے کے لئے علم حاصل کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔''(۱)

☆ ''طَالِبُ الْعِلْمِ تَبْسُطُ لَهُ الملائِكَةُ أَجْنِحَتَهَا رِضىً بِمَا يَطْلُبُ'''' طالب علم جو علم حاصل کرتا ہے اس سے خوش ہوکر ملائکہ اپنے پروں کواس کے پیروں کے نیچے پھیلا دیتے ہیں۔''(۲)

☆ ''مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَطْلُبُ فِيهِ عِلْماً سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيْقاً مِنْ طُرُقِ الْجنة'' ''جوشخص علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا خداوند عالم اس کے ذریعہ اسے جنت کی راہ پر لگادے گا۔''(۳)

☆ روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ایک روز مسجد میں داخل ہوئے اور چاروں طرف ایک نظر ڈالی تو دیکھا بعض لوگ دعا و عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول ہیں اور کچھ لوگ تعلیم میں سرگرم ہیں تو آپ نے فرمایا: ''كِلا الْمَجْلِسَيْنِ إِلى خَيْرٍ أَمَّا هؤُلاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَ أَمَّا هؤُلاءِ فيَتَعَلَّمُوْن و يُفَقِّهُوْنَ الْجَاهِلَ هؤُلاءِ أَفْضَلُ، بِالتَّعْلِيْمِ أُرْسِلْتُ'''' یہ دونوں ہی لوگ خیر پر ہیں لیکن جو لوگ عبادت خدا اور راز و نیاز میں مشغول ہیں ان سے وہ لوگ افضل ہیں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا جاہلوں کو تعلیم دے رہے ہیں کیونکہ مجھے تعلیم دینے کے لئے ہی بھیجا گیا ہے. پھر پیغمبر اکرمؐ انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔''(۴)

........................................

(۱) کنزالعمال: حدیث ۲۸۸۳۳

(۲) کنزالعمال حدیث ۲۸۷۴۶

(۳) گذشتہ حوالہ

(۴) سنن ابن ماجہ: حدیث ۲۲۹، کنزالعمال: حدیث ۲۸۷۰۱و۲۸۸۷۳ معمولی اختلاف کے ساتھ۔



## سبق کا خلاصہ:

اسلام علم اور تعلیم کی اہمیت کا بہت زیادہ قائل ہے یہاں تک کہ قرآن مجید نے سب سے پہلے جس نعمت کا تذکرہ کیا ہے وہ نعمت علم ہے اسی طرح اسلام اور معصومینؑ کی نگاہ میں عالم اور طالب علم کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

## سوالات:

۱۔ قرآن مجید میں اہل علم کی جو خصوصیات بیان کئے گئے ہیں انھیں بیان کیجئے اور ان سے متعلق آیات سنائیے؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ نے عالم کا کیا مرتبہ بیان فرمایا ہے؟

۳۔ حدیث پیغمبر اکرمؐ میں کن لوگوں کو جہنم سے آزاد قرار دیا گیا ہے؟

۴۔ حدیث پیغمبر اکرمؐ کے مطابق عابد پر عالم کو برتری کیوں حاصل ہے؟

# دوسرا سبق

# علم اور عالم کی فضیلت (۲)

## د۔ احادیث اہل بیتؑ میں علم اور عالم کی فضیلت

۱۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: "أَيُّهَا النَّاسُ اِعْلَمُوا أَنَّ كَمَالَ الدِّيْنِ طَلَبُ الْعِلْمِ وَالْعَمَلُ بِهِ، أَلَا وَ إِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ أَوْجَبُ عَلَيْكُمْ مِنْ طَلَبِ الْمَالِ، إِنَّ الْمَالَ مَقْسُوْمٌ مَضْمُوْنٌ لَكُمْ، قَدْ قَسَّمَهُ عَادِلٌ بَيْنَكُمْ وَ قَدْ ضَمِنَهُ وَ سَيَفِيْ لَكُمْ وَ الْعِلْمُ مَخْزُوْنٌ عِنْدَ أَهْلِهِ وَقَدْ أُمِرْتُمْ بِطَلَبِهِ مِنْ أَهْلِهِ فَاطْلُبُوْهُ" "اے لوگو! یاد رکھو کہ دین کی تکمیل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے تعلیم حاصل کرو اور پھر اس پر عمل کرو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تعلیم حاصل کرنا تمہارے لئے مال حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ مال تمہارے درمیان تقسیم شدہ ہے اور اس کی ضمانت بھی موجود ہے خدائے عادل نے اس کو تمہارے درمیان خود تقسیم فرمایا ہے اور اسی نے اس کی ضمانت بھی لی ہے اور وہ اسے ضرور وفا کرے گا. جبکہ علم کا خزانہ اہل علم کے پاس رکھا گیا ہے اور تمہیں اس کے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اہل علم کے پاس جاکر علم حاصل کرو۔"(۱)

..............................................

(۱) اصول کافی ج ۱، ص ۳۰

۲۔ اسی طرح مولائے کائناتؑ نے فرمایا: "اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ مِنَ الْمَالِ بِسَبْعَةٍ" "مال کے مقابل علم سات چیزوں کے باعث افضل ہے۔"

۱۔"اَنَّهُ مِیْرَاثُ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمَالُ مِیْرَاثُ الْفَرَاعِنَةِ" "علم انبیاء کی میراث ہے جبکہ مال فرعون صفت افراد کی میراث ہے۔"

۲۔"اَلْعِلْمُ لَایَنْقُصُ بِالنَّفَقَةِ وَ الْمَالُ یَنْقُصُ بِهَا" "علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور مال خرچ کرنے سے کم ہوجاتا ہے۔"

۳۔"یَحْتَاجُ الْمَالُ اِلَی الْحَافِظِ وَ الْعِلْمُ یَحْفَظُ صَاحِبَهُ" "مال کے لئے محافظ کی ضرورت ہے اور علم خود صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔"

۴۔"اَلْعِلْمُ یَدْخُلُ فِی الْکَفَنِ وَ یَبْقَی الْمَالُ" "علم آدمی کے کفن میں بھی ساتھ رہتا ہے (بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کے لائق ہے) جبکہ مال اسی دنیا میں چھوٹ جاتا ہے۔"

۵۔"اَلْمَالُ یَحْصُلُ لِلْمُؤْمِنِ وَ الْکَافِرِ وَ الْعِلْمُ لَا یَحْصُلُ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ خَاصَّةً" "مال مومن اور کافر سب کو مل جاتا ہے لیکن علم صرف اور صرف مومن کو نصیب ہوتا ہے۔"

۶۔"جَمِیْعُ النَّاسِ یَحْتَاجُوْنَ اِلٰی صَاحِبِ الْعِلْمِ فِیْ اَمْرِ دِیْنِهِمْ وَ لَایَحْتَاجُوْنَ اِلٰی صَاحِبِ الْمَالِ" "دین کے معاملات میں تمام لوگوں کو اہل علم کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اہل مال کی نہیں۔"

۷۔"اَلْعِلْمُ یَقْوَیِ الرَّجُلَ عَلَی الْمُرُوْرِ وَعَلَی الصِّرَاطِ وَ الْمَالُ یَمْنَعُهُ" "علم انسان کو صراط مستقیم سے گزرنے کی طاقت فراہم کرتا ہے جبکہ مال اس سے مانع ہوتا ہے(۱)"

---

(۱) بحار الانوار: ج۱، ص۱۸۵



۳۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "رَأْسُ الْفَضَائِلِ الْعِلْمُ غَایَةُ الْفَضَائِلِ اَلْعِلْمُ" "ہر فضیلت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کی انتہا کا نام علم ہے۔(۱)

۴۔آپؑ ہی کا ارشاد ہے: "اَلْعِلْمُ وِرَاثَةٌ کَرِیْمَةٌ" "علم نیک میراث ہے۔"(۲)

۵۔آپؑ کا یہ ارشاد بھی ہے: "اَلْعِلْمُ حِجَابٌ مِنَ الْآفَاتِ" "علم آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔"(۳)

اسی طرح آپؑ نے فرمایا: "اَلْعِلْمُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ" "علم مومن کی متاع گمشدہ ہے۔"(۴)

۶۔ حضرت امام زین العابدینؑ اسی سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: "لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوْهُ وَ لَوْ بِسَفْکِ الْمُهَجِ وَ خَوْضِ اللُّجَجِ، اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلٰی دَانْیَالَ: اِنَّ اَمْقَتَ عِبَادِیْ اِلَیَّ الْجَاهِلُ الْمُسْتَخِفُّ بِحَقِّ اَهْلِ الْعِلْمِ التَّارِکُ لِلْاِقْتِدَاءِ بِهِمْ وَ اِنَّ اَحَبَّ عَبِیْدِیْ اِلَیَّ التَّقِیُّ الطَّالِبُ لِلثَّوَابِ الْجَزِیْلِ اللَّازِمُ لِلْعُلَمَاءِ التَّابِعُ لِلْحُکَمَاءِ الْقَابِلُ عَنِ الْحُکَمَاءِ" "اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ تعلیم کے اندر کیا کچھ موجود ہے تو وہ اسے خون جگر بہا کر اور دریاؤں کی تہوں میں غوطہ لگا کر حاصل کرتے۔ خداوند عالم نے جناب دانیالؑ نبی پر یہ وحی نازل فرمائی کہ میرے نزدیک سب سے برا انسان وہ جاہل شخص ہے جو اہل علم کے مرتبہ کو معمولی سمجھے اور ان کی پیروی نہ کرے اور مجھے اپنا وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو متقی و پرہیزگار اور بے شمار ثواب کا طالب ہو اور مسلسل علماء کے ساتھ رہتا ہو اور حکماء کا تابع اور ان کے احکام پر عمل پیرا ہو۔"(۵)

---

(۱) غرر الحکم ص۳۱، ۱۶

(۲) نہج البلاغہ حکمت ۵

(۳) غرر الحکم ص۷۴، ۹۳۷

(۴) بحار الانوار ج۱، ص۱۶۸، باب۱

(۵) اصول کافی ج۱، ص۳۵

۷۔ امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "مَنْ عَلَّمَ بَابَ هُدًى فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ وَلَا يَنْقُصُ أُولٰئِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئاً وَ مَنْ عَلَّمَ بَابَ ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهِ وَ لَا يَنْقُصُ أُولٰئِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئاً" "جو شخص ہدایت کے کسی ایک باب کی تعلیم دے اس کو اس پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملتا ہے اور ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی اور جو شخص گمراہی کی تعلیم دے گا اس کو اس بات پر عمل کرنے والوں کے برابر عذاب ملے گا اور ان کی سزا میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"(۱)

۸۔ آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے: "إِنَّ الَّذِي يُعَلِّمُ الْعِلْمَ مِنْكُمْ لَهُ أَجْرُ الْمُتَعَلِّمِ وَلَهُ الْفَضْلُ عَلَيْهِ، فَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ مِنْ حَمَلَةِ الْعِلْمِ وَ عَلِّمُوهُ إِخْوَانَكُمْ كَمَا عَلَّمَكُمُوهُ الْعُلَمَاءُ" "جو شخص کسی کو تعلیم دیتا ہے اس کے لئے تعلیم حاصل کرنے والے کا اجر بھی ہے البتہ استاد اس سے افضل ہے لہٰذا اہل علم سے علم حاصل کرلو اور پھر اپنے بھائیوں کو اسی طرح تعلیم دو جس طرح علماء نے تمہیں تعلیم دی ہے۔"(۲)

۹۔ ابوبصیر کی روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "مَنْ عَلَّمَ خَيْراً فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ قُلْتُ: فَإِنْ عَلَّمَهُ غَيْرَهُ يَجْرِي ذٰلِكَ لَهُ؟ قَالَ: إِنْ عَلَّمَهُ النَّاسَ كُلَّهُمْ جَرَىٰ لَهُ قُلْتُ: فَإِنْ مَاتَ؟ قَالَ: وَإِنْ مَاتَ" "کسی کار خیر کی تعلیم دینے والے کا اجر اس پر عمل کرنے والے کے برابر ہے! میں نے عرض کی کہ اگر کسی دوسرے کو بھی وہی تعلیم دیدے تب بھی وہی اجر ہوگا؟ آپ نے فرمایا اگر تمام لوگوں کو تعلیم دیدے تب بھی وہی اجر ملتا رہے گا میں نے پھر عرض کی، اور اگر مرجائے تب بھی آپ نے فرمایا: کہ اگر مر بھی جائے تب بھی وہی اجر ملتا رہے گا۔"(۳)

---

(۱) اصول کافی ج۱، ص۳۵
(۲) اصول کافی ج۱، ص۳۵
(۳) اصول کافی ج۱، ص۳۵



۱۰۔ آپؑ ہی سے روایت ہے: "مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَمِلَ بِهِ وَ عَلَّمَ لِلّٰهِ دُعِيَ فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوَاتِ عَظِيماً، فَقِيلَ: تَعَلَّمَ لِلّٰهِ وَعَمِلَ لِلّٰهِ وَعَلَّمَ لِلّٰهِ" "جو شخص کسی کار خیر کی تعلیم حاصل کر کے اس پر عمل بھی کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے تو آسمانوں پر اس کا بڑا عظیم مرتبہ ہے اور اس کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے خدا کے لئے تعلیم حاصل کی خدا کی خاطر عمل کیا اور اسی کی رضا کے لئے تعلیم دی ہے۔"(۱)

## ۵۔ جاہل پر عالم کی فضیلت اور برتری

پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی روایات میں علم کو عبادت سے اور عالم کو عابد سے افضل قرار دیا گیا ہے۔
پیغمبر اکرمؐ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

☆ "الْعِلْمُ أَفْضَلُ مِنَ الْعِبَادَةِ" "علم عبادت سے بہتر ہے۔"(۲)

☆ "مَنْ خَرَجَ يَطْلُبُ بَاباً مِنْ عِلْمٍ لِيَرُدَّ بِهِ بَاطِلاً إِلَى حَقٍّ أَوْ ضَلَالَةً إِلَى هُدًى كَانَ عَمَلُهُ ذٰلِكَ كَعِبَادَةِ مُتَعَبِّدٍ أَرْبَعِينَ عَاماً" "جو شخص اس نیت سے علم حاصل کرنے نکلے کہ اس کے ذریعہ باطل کی جگہ حق اور گمراہی کی جگہ ہدایت کو رواج دے گا تو اس کا یہ عمل عابد کی چالیس سالہ عبادت کے برابر ہے۔"(۳)

☆ "نَوْمٌ مَعَ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ صَلَاةٍ مَعَ جَهْلٍ" "علم کے ساتھ سونا جہالت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی ج۱، ص۳۵
(۲) کنز العمال حدیث ۲۸۵۷
(۳) کنز العمال حدیث ۲۸۸۳۵
(۴) کنز العمال حدیث ۲۸۷۱۱

☆ "طَلَبُ الْعِلْمِ أَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الصَّلَاةِ وَ الصِّيَامِ وَ الْحَجِّ وَ الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" "علم حاصل کرنا خداوند عالم کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔"(۱)

☆ "فضلُ العالم علی العابد کفضل القمر علیٰ سائر النُّجوم لیلة البدر" "عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو چودہویں کی چاند کو ستاروں پر ہوتی ہے۔"(۲)

☆ "فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعُونَ دَرَجَةً بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ حَضْرُ الْفَرَسِ سَبْعِينَ عَاماً وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيلُهَا وَ الْعَابِدُ يُقْبِلُ عَلَى عِبَادَتِهِ" "عالم کا مرتبہ عابد سے ستر درجہ بلند ہے، جن میں سے دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا ایک تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں دوڑتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شیطان لوگوں کے درمیان بدعتیں رائج کرتا ہے تو عالم ان بدعتوں کو دیکھ کر انہیں ختم کر دیتا ہے جبکہ عابد صرف اپنی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔"(۳)

☆ "فَقِيهٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ" "شیطان کے مقابلہ میں ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔"(۴)

☆ "رَكْعَةٌ مِنْ عَالِمٍ بِاللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ رَكْعَةٍ مِنْ مُتَجَاهِلٍ بِاللّٰهِ" "خدا کی معرفت رکھنے والے عالم کی ایک رکعت جاہل کی ہزار رکعتوں سے بہتر ہے۔"(۵)

(۱) کنز العمال: حدیث ۲۸۶۵۵
(۲) بحار الانوار: ج ۱، ص ۱۲۳، باب ۴
(۳) الترغیب والترہیب: ج ۱، ص ۱۰۲، حدیث ۳۶
(۴) احیاء العلوم: کتاب العلم
(۵) کنز العمال حدیث ۲۸۷۸۶



امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے: "اَلْكَلِمَةُ مِنَ الْحِكْمَةِ يَسْمَعُهَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ أَوْ يَعْمَلُ بِهَا، خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ" "اگر کوئی شخص کوئی حکمت آمیز بات سنے اور پھر اس کو دوسروں کے سامنے دہرائے یا اس پر عمل کرے تو اس کا یہ عمل ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"(۱)

حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد گرامی ہے: "تَذَكُّرُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ" "علمی مذاکرہ میں ایک ساعت گذار دینا پوری رات قیام سے بہتر ہے۔"(۲)

آپ ہی نے یہ بھی فرمایا: "عَالِمٌ يُنْتَفَعُ بِعِلْمِهِ، أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِينَ أَلْفَ عَابِدٍ" "جس عالم کے علم سے فائدہ پہونچ رہا ہو وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔"(۳)

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "عَالِمٌ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَ مِنْ أَلْفِ زَاهِدٍ" "ایک عالم ہزار عابد اور ہزار زاہدوں سے بہتر ہے۔"(۴)

## و: صحیح تعلیم کا انتخاب

گذشتہ دو سبق کے دوران پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اقوال و احادیث کی روشنی میں آپ علم اور عالم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیا کے تعلیم یافتہ ہر شخص کی یہی اہمیت ہے اور اس کو بھی دوسروں پر وہی فضیلت حاصل ہے جس کا تذکرہ مذکورہ روایات میں کیا گیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علم حاصل کرنا ایک بہترین کار خیر ہے اور جس علم کی بھی معاشرہ

(۱) بحار الانوار: ج ۱، ۱۸۳، ح ۹۳
(۲) بحار الانوار: ج ۱، ص ۲۰۴، باب ۴
(۳) بحار الانوار ج ۲، ص ۱۸، باب ۸
(۴) بحار الانوار ج ۲، ص ۱۹، باب ۸

اور سماج کو ضرورت ہو اسے حاصل کرنا لازم ہے اور ایسے علوم کو اسلام میں واجب کفائی قرار دیا گیا ہے لیکن مذکورہ روایات میں علماء کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ فضیلت صرف علماء دین سے مخصوص ہے۔ دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "مَوْتُ الْعَالِمِ ثُلْمَةٌ فِي الْإِسْلَامِ لَا تُسَدُّ مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ" "عالم کی موت سے اسلام کے اندر ایک ایسا شگاف پیدا ہو جاتا ہے جس کو دن رات کی دائمی گردش بھی نہیں بھر سکتی ہیں۔" (۱)

۲۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا ہے: "وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَعَالِمٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى اِبْلِيْسَ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ، لِأَنَّ الْعَابِدَ لِنَفْسِهِ وَ الْعَالِمَ لِغَيْرِهِ" "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے ایک عالم کا وجود ابلیس کے لئے ہزار عابدوں پر بھاری ہے کیونکہ عابد صرف اپنی فکر میں رہتا ہے اور عالم کو دوسروں کی فکر رہتی ہے۔" (۲)

۳۔ روایت میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کو گھیرے بیٹھے ہیں آپ نے سوال کیا: یہ کون ہے؟ اصحاب نے عرض کی یہ "علامہ" ہے. فرمایا: کس چیز کا عالم ہے؟ تو جواب دیا کہ عربوں کے انساب، واقعات اور دور جاہلیت کے اشعار کا عالم ہے تو آپ نے فرمایا: "ذَاکَ عِلْمٌ لَا يَضُرُّ مَنْ جَهِلَهُ وَ لَا يَنْفَعُ مَنْ عَلِمَهُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ وَ مَا خَلَاهُنَّ فَهُوَ فَضْلٌ" "یہ تو ایک ایسا علم ہے کہ اگر کوئی اس سے جاہل ہو تو اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا اور جو جانتا ہے اس کو اس سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے علم صرف تین طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) کنز العمال حدیث ۲۸۷۶۰

(۲) کنز العمال: حدیث ۲۸۹۰۸



آیۂ محکمہ (عقائد) یا متعادل فرائض (اخلاقیات) یا پائیدار سنت (علم احکام شریعت) ان کے علاوہ باقی سب اضافی چیزیں ہیں۔

۴۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَماً وَ لَا دِيْنَاراً وَ اِنَّمَا وَرَّثُوْا أَحَادِيْثَ مِنْ أَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ أَخَذَ حَظّاً وَافِراً فَانْظُرُوْا عِلْمَكُمْ هَذَا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَهُ فَإِنَّ فِيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فِيْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلاً يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَ تَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ" "بیشک علماء، انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کو اپنا وارث نہیں بناتے بلکہ ان کے اقوال و گفتار ہی ان کی میراث ہیں لہذا جو شخص ان میں سے کچھ حاصل کرلے گا تو گویا اس کو بہت بڑا حصہ مل گیا لہذا یہ دھیان رکھو کہ تم اسے کس سے حاصل کر رہے ہو کیونکہ ہم اہل بیتؑ کی ہر نسل میں کچھ نہ کچھ ایسے عادل علماء ضرور پائے جاتے ہیں جو غلو کرنے والوں کی تحریفات، اہل باطل کے اتہامات اور جاہلوں کی تاویلات سے اسلام کو محفوظ رکھتے ہیں۔" (۱)

(۱) اصول کافی ج۱، ص۳۲، ح۲

## سبق کا خلاصہ:

اہل بیت علیہم السلام نے علم اور عالم کا عظیم مرتبہ بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اتنی تاکید کی ہے کہ اسے مال و دولت حاصل کرنے سے زیادہ واجب قرار دیا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں علم کا مرتبہ عبادت اور عالم کا مرتبہ عابد سے زیادہ ہے۔

اسلام نے تمام علوم کے درمیان سب سے زیادہ دینی تعلیم کو اہمیت دی ہے۔

## سوالات:

۱۔ مولائے کائنات کی نظر میں علم حاصل کرنا دولت کمانے سے زیادہ واجب کیوں ہے؟

۲۔ حضرت علی کی نظر میں دولت اور علم کے درمیان کیا فرق پایا جاتا ہے؟

۳۔ گذشتہ اسباق میں مذکور کی روایات کی روشنی میں بیان کیجئے کہ عالم کو عابد پر فضیلت کیوں حاصل ہے؟

۴۔ کیا اسلام کی نگاہ میں تمام علوم کی اہمیت ایک جیسی ہے؟

# تیسرا سبق

## استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب (۱)

علم اور تعلیم کی فضیلت سے بخوبی آگاہی کے بعد مناسب ہے کہ تعلیم کے دوران جن آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے ان کو بھی بیان کر دیا جائے چنانچہ شہید ثانیؒ نے ان آداب اور فرائض کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ استاد اور شاگرد کے مشترکہ آداب و فرائض

۲۔ استاد کے خصوصی آداب و فرائض

۳۔ شاگرد (طالب علم) کے خصوصی آداب و فرائض

### مشترکہ فرائض اور آداب

تعلیم و تدریس کے دوران استاد اور شاگرد کے لئے مندرجہ ذیل چھ چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

### ۱۔ خلوص نیت

اسلام نے مسلمان کو زندگی کا ہر نیک کام خلوص نیت اور قربۃً الی اللہ انجام دینے کی تاکید کی ہے کیونکہ صرف نیت کی بنا پر بڑے سے بڑا عمل معمولی اور حقیر ہو جاتا ہے اور نیت ہی کی تبدیلی سے

معمولی عمل بیحد عظیم بن جاتا ہے اور اگر نیت واقعاً خالص ہو اور عمل صرف خدا کے لئے ہو تو عمل اور عمل کا اثر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَ مَا عِندَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾(۱) ''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا لیکن جو خداوند عالم کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔''

لہذا قربۃً الی اللہ کوئی کام انجام دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اللہ کے نزدیک اس عمل کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور اسی سے اس کی جزا کی امید رکھیں اور اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے عمل انجام دیا جائے تو چونکہ اس کے علاوہ ہر چیز ایک دن فنا ہونے والی ہے لہذا اس عمل کا اثر اور اجر بھی ختم ہو جائے گا اسی لئے قرآن کریم نے ایسے افراد کو گھاٹا اٹھانے والوں میں شمار کیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً ☆ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً﴾(۲) ''اے پیغمبر کیا ہم آپ کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع دیں جو اپنے اعمال میں بدترین خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش زندگانی دنیا میں بہک گئی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔''

اسی طرح قرآن مجید نے یہ یاددہانی کرائی ہے کہ جو لوگ آخرت اور جنت کی دائمی نعمتوں کے خواہشمند ہیں وہ انہیں نصیب ہو جائیں گی لیکن جو لوگ دنیا کی فکر میں رہتے ہیں انہیں آخرت میں کچھ بھی ملنے والا نہیں ہے اور وہاں وہ گھاٹا اٹھائیں گے۔

(۱) سورۂ نحل آیت ۹۶

(۲) سورۂ کہف: آیت ۱۰۳/۱۰۴



سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَ مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ﴾(۱) ''جو انسان آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لئے اضافہ کر دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہے اسے اس میں سے عطا کر دیتے ہیں اور پھر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُوماً مَّدْحُوراً﴾(۲) ''جو شخص بھی دنیا کا طلبگار ہے ہم اس کے لئے جلد ہی جو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں پھر اس کے بعد اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا۔''

انسان کے اعمال پر اس کی نیت کے کیا اثرات ہوتے ہیں اس بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے یوں وضاحت فرمائی ہے۔ "اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ وَ مَن كَانَ هِجْرَتُهُ اِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ"(۳) ''تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے لہذا ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا جو شخص خدا اور رسول کی طرف قدم بڑھائے گا تو اس کی یہ ہجرت خدا اور رسول کی جانب لے جائے گی۔ لیکن اگر کوئی دنیا کی طرف آگے بڑھائے گا یا کسی عورت کا خواہشمند ہوگا تو انہیں حاصل کرلے گا اور اس کی یہ ہجرت اس کی من پسند چیز ہی کی طرف ہوگی (یعنی خدا اور رسول سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا)

(۱) سورۂ شوریٰ: آیت ۱۹

(۲) سورۂ اسراء: آیت ۱۹

(۳) کنز العمال: حدیث ۷۲۷۲، منیۃ المرید: ص ۱۳۲

لہٰذا خلوص نیت کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ دیگر امور کی طرح تعلیم کے آغاز سے پہلے ہر انسان خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھے تا کہ اس کا یہ عمل خدا اور رسولؐ کے نزدیک مقبول ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو جائے۔ اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے: "نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ" مومن کی نیت اور اس کا ارادہ اس کے عمل سے بہتر ہے۔(۱)

## خلوص نیت کیسے حاصل ہوتا ہے؟

دل میں خلوص پیدا کرنے اور نیت کو خدا کے لئے بالکل خالص بنانے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو ہر قسم کی گندگی اور برائی سے پاک کرلیں یعنی خدا کے علاوہ کسی کی بھی طرف دل متوجہ نہ ہو یہی خداوند عالم کی خالص عبادت ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد رب العزت ہے: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَهُ الدِّينَ ☆ أَلا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾(۲) "لہٰذا آپ مکمل اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، آگاہ ہو جاؤ کہ خالص بندگی صرف اللہ کے لئے ہے۔"

اسی طرح یہ ارشاد بھی ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾(۳) "اور انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ خدا کی عبادت کریں اور اس عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں اور نماز قائم کریں زکات ادا کریں اور یہی سچا اور مستحکم دین ہے۔"

(۱) اصول کافی ج ۲، ص ۸۴
(۲) سورۂ زمر: آیت ۲/۳
(۳) سورۂ بینہ آیت ۴



اسی طرح خداوند عالم نے قرب الٰہی اور سعادت ابدی تک پہونچنے کے لئے توحید اور خلوص نیت کو شرط قرار دیا ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً﴾(۱) "اور جو شخص بھی اپنے پروردگار کی ملاقات کا مشتاق ہے تو اسے چاہئے کہ عمل صالح انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

لہٰذا تعلیم کے بارے میں ہر شخص کو اپنے مقصد اور نیت کا خیال رکھنا چاہئے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور چیز اس کے مدنظر نہ ہو صرف اور صرف دین خدا کی خدمت کے لئے قدم اٹھائے اور اگر خدا نخواستہ خدا کا خیال دل سے نکل گیا تو پھر اس علم کی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ اس کو سخت عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔

جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"(۲)

"جس علم سے رضائے خدا حاصل ہوتی ہے اگر کوئی شخص اسے دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کرے تو وہ روز قیامت جنت کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا ہے۔"

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لِغَيْرِ اللّٰهِ وَأَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"(۳)

"اگر کوئی شخص غیر خدا کے لئے علم حاصل کرے اور اس کا مقصد خدا کے علاوہ کوئی اور ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

(۱) سورۂ کہف آیت ۱۱۰
(۲) کنز العمال حدیث ۲۹۰۲۰، منیۃ المرید، ص ۱۳۳
(۳) سنن ترمذی ج ۵ کتاب علم باب ۶

اسی طرح آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا: "مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اولِيماري به السُفهاء ويصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَارَ" (۱) ''اگر کوئی شخص اس نیت سے علم حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء کا مقابلہ کرے گا یا جاہلوں کے سامنے فخر ومباہات کرے گا اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے گا تو خداوند عالم اسے جہنم میں ڈال دے گا۔''

ایک دوسری حدیث کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا ہے: "لَاتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُمَارُوا بِهِ السفهاء و تُجادِلُوا بِه الْعُلَمَاءَ وَلِتَصْرِفُوا بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْكُمْ وَابْتَغُوا بِقَوْلِكُمْ مَا عِنْدَ اللّه فانَّهُ يدُوْمُ وَ يَبْقى، وَيَنْفَدُ مَا سِوَاهُ كُونُوا يَنابِيعَ الْحِكْمَةِ، مَصَابِيحَ الْهُدىٰ، احلاس الْبُيُوت، سُرُج اللَّيْل جُدد الْقُلُوْبِ خلْقَانَ الثِّيَابِ تُعْرَفُوْنَ فِيْ أَهْلِ السَّمَاءِ وتُخفَون فِيْ أَهلِ الْاَرْضِ" (۲) ''اس نیت سے علم حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعہ جاہلوں کے سامنے فخر ومباہات کروگے یا علماء سے بحث ومباحثہ کروگے یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناؤ گے بلکہ اپنی زبان وبیان کے ذریعہ اس چیز کو تلاش کرو جو خداوند عالم کے نزدیک موجود ہے کیونکہ وہی دائمی ہے اور اسی کو بقاء ہے نیز اس کے علاوہ ہر چیز کی فنا یقینی ہے لہذا تم حکمت کے سرچشمے، ہدایت کے چراغ، گھروں کی زینت، تاریک راتوں کے چراغ، زندہ دل اور سادہ لباس کے ساتھ رہو تو چاہے تم زمین میں گمنام ہی کیوں نہ رہے اہل آسمان کے درمیان ضرور مشہور ومعروف ہو جاؤ گے۔''

دوسرے مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِأَرْبَعٍ دَخَلَ النَّارَ: لِيُبَاهِيَ بِهِ العلماء أَوْ يُماري به السُفهاء أَوْ لِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَاسِ اِلَيْهِ أَوْ يَاخُذَ بِهِ مِنَ الْأُمَرَاءِ" (۳)

(۱) کنز العمال: حدیث ۲۹۰۳۶

(۲) سنن دارمی: ج ۱، مقدمۃ المرید ص ۱۳۵

(۳) سنن دارمی: ج ۱، مقدمۃ المرید ص ۱۳۵



''جو شخص چار چیزوں کے لئے تعلیم حاصل کرے وہ جہنمی ہے۔

۱۔ علماء پر فخر ومباہات کرنے کے لئے۔

۲۔ سفیہ اور نادانوں کو دکھانے کی خاطر۔

۳۔ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے۔

۴۔ حکام سے مال ودولت حاصل کرنے کے لئے۔''

آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے: "مَا اِزْدَادَ عَبْدٌ عِلْماً فَازْدَادَ فِي الدُنْيا رَغْبَةً اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْداً" ''علم کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اگر کسی بندے کے دل میں دنیا کی رغبت بھی بڑھ جائے تو رغبت دنیا میں جتنا اضافہ ہوتا جائے گا یہ بندہ اسی مقدار میں خداوند عالم سے دور ہوتا جائے گا۔'' (۱)

حضرت علیؑ پیغمبر اکرمؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "مَنْهُومَانِ لَايَشْبَعَانِ: طَالِبُ دُنْيَا وَ طَالِبُ عِلْمٍ فَمَنْ اِقْتَصَرَ مِنَ الدُنْيَا عَلَى مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَهُ سَلِمَ وَمَنْ تَنَاوَلَهَا مِنْ غَيْرِ حِلِّهَا هَلَكَ، إِلَّا أَنْ يَتُوْبَ وَ يَرْجِعَ وَ مَنْ أَخَذَ الْعِلْمَ مِنْ اَهْلِهِ وَعَمِلَ به نَجَا وَمَنْ أَرَادَ بِهِ الدُنْيَا فَهِيَ حَظُّهُ" (۲) ''دو بھوکے ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب دنیا اور دوسرے طالب علم چنانچہ جو شخص خدا کی حلال کردہ چیزوں پر اکتفا کرلے وہ محفوظ ہوگیا اور جس نے ناجائز طریقے سے اس کا استعمال کیا وہ ہلاک ہوگیا مگر یہ کہ وہ توبہ کرکے راہ راست پر پلٹ آئے اور جو شخص لائق علماء سے علم حاصل کرکے اس پر عمل کرے وہ نجات یافتہ ہے اور جس کی نظر دنیا پر ہو تو اسے صرف دنیا ہی نصیب ہوگی۔''

(۱) سنن دارمی: ج ۱، مقدمۃ المرید ص ۱۳۵

(۲) اصول کافی ج ۱ ص ۴۶

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اِذا رَأَیْتُمُ العالِمَ مُحِباً لِلدُّنیا فَاتَّهِمُوهُ عَلیٰ دِینِکُمْ فَاِنَّ کُلَّ مُحِبٍّ لِشَيْءٍ یَحُوطُ ما أَحَبَّ" (۱) "جب تم کسی عالم کو دنیا کا گرویدہ دیکھو تو پھر اپنے دین کے بارے میں اس سے بدظن ہو جاؤ کیونکہ جو شخص جس چیز کا عاشق ہوتا ہے اس کے دل و دماغ پر اسی کا احاطہ و غلبہ رہتا ہے" پھر آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب داؤدؑ کی طرف یہ وحی فرمائی "لا تجعلْ بَیْني و بینک عالماً مَفْتُوناً بِالدُّنیا فَیَصُدَّکَ عَنْ طَرِیقِ مَحَبَّتِي، فَاِنَّ اُولئِکَ قُطّاعُ طریقِ عبادی المُریدینَ اِنَّ أَدْنی ما أَنا صانِعٌ بِهِمْ أَنْ أَنْزِعَ حَلاوَةَ مُناجاتي مِنْ قُلُوبِهِمْ" "دنیا کے فریفتہ عالم کو اپنے اور میرے درمیان ہرگز نہ آنے دینا ورنہ وہ تم کو میری محبت کے راستے سے روک دے گا۔ کیونکہ یہ لوگ وہ راہزن ہیں جو میری طرف آنے والے میرے بندوں کا راستہ روک لیتے ہیں میں ان کے ساتھ سب سے کم جو سلوک کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی حلاوت اور شیرینی نکال لیتا ہوں۔" (۲)

اسی طرح امام جعفر صادقؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے: "اَلْفُقَهاءُ اُمَناءُ الرُّسُلِ ما لَمْ یَدْخُلُوا فِي الدُّنیا قِیلَ یا رَسُولَ اللّٰهِ وَ ما دُخُولُهُمْ فِي الدُّنیا؟ قالَ: اِتِّباعُ السُّلْطانِ، فاِذا فَعَلُوا ذلکَ فاحْذَرُوهُمْ عَلیٰ دِینِکُمْ" (۳) "فقہا اس وقت تک انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ فکر دنیا میں نہ پڑ جائیں عرض کیا گیا! یا رسول اللہ دنیا کی فکر میں پڑ جانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا حکام (بادشاہ) کی پیروی، جب وہ ایسا کرنے لگیں تو پھر ان سے اپنا دین بچا کر رکھو۔"

لہٰذا علم کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے حاصل کیا جائے اور اسی نیت سے دوسروں کو بھی تعلیم دے تاکہ خدا کی نظر میں مرتبہ بلند ہو جائے اور علم کے دائمی اثرات دیکھنے کو ملیں اور آخرت میں اس کی رحمت کے بحر بیکراں سے فیضیاب ہو سکے۔

---

(۱، ۲، ۳) اصول کافی ج ۱، ص ۴۶



## سبق کا خلاصہ:

کیونکہ مسلمان کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا تعلیمی میدان میں بھی استاد اور طالب علم دونوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی نیت میں خلوص پیدا کریں تاکہ ان کا عمل خداوند عالم کی بارگاہ میں قابل قبول ہو اور ان کی خدمات ہمیشہ باقی رہیں۔

## سوالات:

۱۔ قرآن کریم نے کن لوگوں کو سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والا کہا ہے؟

۲۔ نیت کو کس طرح خالص بنایا جا سکتا ہے؟

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے کس مقصد سے تعلیم حاصل کرنے کو منع کیا ہے؟

۴۔ امام صادقؑ نے مومنین کرام کو کیسے علماء سے ڈرایا ہے؟

۵۔ پیغمبر اکرمؐ کی نگاہ میں کون سے علماء انبیاء کے امین ہیں؟

# چوتھا سبق

## استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب (۲)

### ۲۔ علم اور عمل

خلوص نیت کے بعد استاد اور شاگرد کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ جو کچھ تعلیم دے یا علم حاصل کرے پہلے اس پر خود عمل کرے اسی کے مطابق اپنی زندگی گذارے. بلکہ اپنی زندگی کو اسی کے سانچہ میں ڈھال دے۔

ہر انسان اپنی زندگی میں مختلف اعمال انجام دیتا ہے لہٰذا اس کی تعلیم کا اصل مقصد اپنے اعمال و کردار کی اصلاح ہونا چاہئے کیونکہ اگر علم اور معرفت کے بغیر کوئی عمل انجام دیا جائے تو گمراہی یقینی ہے جیسا کہ مولائے کائنات کا ارشاد ہے: "اِنَّ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَالسَّائِرِ عَلٰى غَيْرِ طَرِيْقٍ فَلَا يَزِيْدُهُ بُعْدُهُ عَنِ الطَّرِيْقِ الْوَاضِحِ اِلَّا بُعْداً، وَ الْعَامِلَ بِالْعِلْمِ كَالسَّائِرِ عَلَى الطَّرِيْقِ الْوَاضِحِ فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ اَسَائِرٌ هُوَ اَمْ رَاجِعٌ" (۱) "بے عمل عالم ایسا ہی ہے جیسے کوئی غلط راستہ پر چل رہا ہو کہ وہ ہر قدم پہ اپنے اصلی اور واضح راستہ سے دور ہی ہوتا رہتا ہے اور باعمل عالم اس شخص کی طرح ہے جو بالکل صحیح راستہ پر چل رہا ہو. لہٰذا ہر شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اس

..........................................

(۱) نہج البلاغہ: خطبہ ۱۵۴

طرح اپنے سفر کو جاری رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اور کہیں واپس تو نہیں پلٹ رہا ہے۔"

مولائے کائنات کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلسل اپنا راستہ تبدیل کرتا رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے گذشتہ راستہ علم و معرفت اور صحیح اطلاع کے بغیر منتخب کیا تھا لیکن جو شخص تمام معلومات کے ساتھ کسی راستہ کا انتخاب کرتا ہے تو پھر اس راستہ سے اس کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ ابھی وقت ہے کہ یہ دیکھ لو کہ تمہاری زندگی کا یہ سفر تمام ضروری معلومات کے ساتھ ہے یا ایسے ہی نکل پڑے ہو کہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے تو یہ سمجھ میں آئے کہ ہم تو اب تک غلط راستہ پر چل رہے تھے اور پھر صحیح راستہ پر چلنے کی کوشش کرو تو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَلْعَامِلُ عَلیٰ غَیْرِ بَصِیْرَۃٍ کَالسَّائِرِ عَلیٰ غَیْرِ الطَّرِیْقِ وَلَایَزِیْدُہُ سُرْعَۃُ السَّیْرِ مِنَ الطَّرِیْقِ اِلَّا بُعْداً"

"علم اور بصیرت کے بغیر عمل کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی غلط راستہ پر چلا جا رہا ہو کہ اس کی تیز رفتاری ہر لحہ اسے اس کے اصلی مقصد سے دور کرتی رہتی ہے۔"(۱)

بلکہ پیغمبر اکرمؐ نے تو یہاں تک فرمایا کہ: "مَثَلُ الْعَابِدِ الَّذِیْ لَایَتَفَقَّہُ کَمَثَلِ الَّذِیْ یَبْنِیْ بِاللَّیْلِ وَ یَھْدِمُ بِالنَّھَارِ"

"جو عابد علم دین حاصل نہ کرے (اور شرعی مسائل نہ جانتا ہو) اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر محنت کر کے گھر تعمیر کرتا ہے اور دن میں اس کو مسمار کر دیتا ہے۔"(۲)

(۱) بحار الانوار ج۱ ص۲۰۶، باب ۵

(۲) کنز العمال: ج۱۰ ص۱۷۹، ح ۲۸۹۴۳



یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص تمام رات عبادت کرے اور دن میں حرام و حلال کی اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے حرام کام انجام دے اور لوگوں کے حقوق کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کرے تو اس کی پوری رات کی محنت ضائع ہو جائے گی اور ان گناہوں کی وجہ سے اس کا کوئی ثواب باقی نہ رہے گا۔

حضرت علیؑ نے اسی سلسلہ میں فرمایا ہے:

اَلْمُتَعَبِّدُ عَلیٰ غَیْرِ فِقْہٍ کَحِمَارِ الطَّاحُوْنَۃِ یَدُوْرُ وَ لَایَبْرَحُ مِنْ مَکَانِہٖ "

"دینی شعور و آگہی کے بغیر عبادت کرنے والے شخص کی مثال، کولہو کے بیل کی طرح ہے کہ وہ مسلسل چکر کاٹتا رہتا ہے اور اپنی جگہ سے ذرہ برابر آگے نہیں بڑھتا ہے۔"(۱)

چنانچہ ایسا شخص چاہے جتنی محنت اور مشقت کر لے وہ روحانی اعتبار سے کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتا ہے اور اسے اس سے کوئی فائدہ اور نتیجہ حاصل ہونے والا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی نادانی اور جہالت کی بنا پر اپنے تمام اعمال خراب کر لیتا ہے. جیسے کوئی آدمی مسلسل روزہ رکھتا رہے لیکن مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر روزہ کو باطل کرنے والی بعض چیزوں سے پرہیز نہ کرے تو بھوک اور پیاس کی زحمت اٹھانے کے علاوہ اسے کچھ نہ ملے گا اور اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا۔

اسی لئے حضرت علیؑ نے ایسے لوگوں کو اس کولھو کے بیل سے نسبت دی ہے کہ جسے صبح سویرے کولہو میں باندھ دیا جاتا ہے اور دن بھر وہ اسی کے چاروں طرف چکر کاٹتا رہتا ہے اور شام کو اسے وہاں سے کھول کر اس کی اسی جگہ پر باندھ دیا جاتا ہے جہاں سے صبح کو کھولا گیا تھا. لہذا صحیح عمل کے لئے علم بہرحال ضروری ہے۔

(۱) کنز العمال: ج۱۰، ص۲۰۸

اور علم ایسا ہونا چاہئے جو دنیا کے ساتھ آخرت کے لئے بھی مفید ہو اسی لئے تعلیم کی راہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ جس علم سے زندگی میں کوئی (مادی یا روحانی) فائدہ نہیں ہے اسے ترک کردے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی ایک دعا یہ بھی تھی :"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَایَخْشَعُ وَ مِنْ دُعاءٍ لَایُسْمَعُ وَ مِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ" "پروردگار میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"(۱)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں "لاخیر فی قلبٍ لَایَخْشَعُ وَ عَیْنٍ لا تَدْمَعُ وَ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ"(۲)

"جس قلب میں خشوع نہ ہو اور جس آنکھ سے آنسو نہ نکلتے ہوں اور جس علم کا کوئی فائدہ نہ ہو اس میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا ہے: عِلْمٌ لَا یَنْفَعُ کَدَوَاءٍ لَایَنْجَعُ" "بے فائدہ علم اس دوا کی طرح ہے جس سے شفا حاصل نہ ہو۔"(۳)

لہٰذا اپنی قیمتی عمر اور فکری صلاحیتوں کو ایسے علوم کے لئے خرچ کرنا جو ہمارے لئے خاص فائدہ مند نہیں ہیں اور ان کا جاننا یا نہ جاننا ہمارے لئے برابر ہے ایک فضول کام ہے جس سے گھاٹے کے علاوہ اور کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

---

(۱) کنزالعمال: حدیث ۳۶۰۹

(۲) غررالحکم ص ۱۹۱

(۳) غررالحکم: ص ۴۴



۲۔ دوسرے یہ کہ عمل کرنے کے لئے علم حاصل کیا جائے کیونکہ قرآن مجید نے زبانی جمع خرچ کرنے والے بے عمل افراد کی مذمت کی ہے اور اسے گناہ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد پروردگار ہے: ﴿یا اَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالا تَفْعَلُوْنَ ☆ کَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا ما لَا تَفْعَلُوْنَ﴾(۱)

"اے ایمان والو! آخر ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو خدا کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔"

ایک اور آیت میں کتاب خدا پر عمل نہ کرنے والے یہودی علماء کو اس گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَاراً﴾(۲)

"ان لوگوں کی مثال جن لوگوں پر توریت کا بار رکھا گیا ہے اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔"

پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ طاہرینؑ کی احادیث میں مختلف طریقوں سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عمل کے بغیر علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک طرح کی جہالت ہے اور اس کی بنا پر عذاب بھی ہوگا اور انسان جہنم میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

"اَلْعُلَمَاءُ رَجُلَانِ: رَجُلٌ آخِذٌ بِعِلْمِه فَهٰذَا نَاجٍ وَ عَالِمٌ تَارِکٌ لِعِلْمِه فَهٰذَا هَالِکٌ و اِنَّ اَهْلَ النَّارِ لَیَتَأَذُّوْنَ مِنْ رِیحِ الْعَالِمِ التَّارِکِ لِعِلْمِهِ وَ اِنَّ اَشَدَّ اَهْلِ النَّارِ

---

(۱) سورۂ صف: آیت ۳/۲

(۲) سورۂ جمعہ آیت ۵

نَدامةً وَحَسرةً رَجُلٌ دَعا عَبْداً اِلَی اللّٰهِ تَبارَکَ وَ تَعالیٰ فَاسْتَجابَ لَهُ وَ قَبِلَ مِنْهُ فَأَطاعَ اللّٰهَ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَ اُدْخِلَ الدّاعِيُ النّارَ بِتَرْکِهِ عِلْمَهُ وَ اتِّباعِهِ الهَویٰ وَ طُوْلِ الْأَمَلِ، أمّا اتِّباعُ الْهَویٰ فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَ طُوْلُ الْأَمَلِ یُنْسِي الْآخِرَةَ "'' علماء کی دو قسمیں ہیں. کچھ وہ ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، یہ نجات یافتہ ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ایسے افراد ہلاک ہو جائیں گے. اور اہل جہنم ایسے بے عمل عالم کی بدبو سے سخت اذیت میں رہیں گے. اور اہل جہنم کے درمیان سب سے زیادہ ندامت اور حسرت اس کو ہوگی جس نے کسی کو خدا کی طرف دعوت دی ہوگی اور وہ اس کی بات مان کر اطاعت خدا کر کے جنت میں داخل ہو جائے گا مگر یہ بے عمل عالم اپنی بے عملی اور خواہشات نفس کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوؤں کی بنا پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا. کیونکہ خواہشات نفس کی پیروی انسان کو راہ حق سے روک دیتی ہے اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کا خیال تک انسان کے ذہن سے نکال دیتی ہیں۔''(۱)

دوسرے مقام پر پیغمبر اکرمؐ نے اپنے علم پر عمل کرنے والے افراد ہی کو عالم قرار دیا ہے آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: "أَلا وَ اِنَّ الْعالِمَ مَنْ یَعْمَلُ بِالْعِلْمِ وَ اِنْ کانَ قَلِیْلَ الْعَمَلِ" ''عالم وہی ہے جو اپنے علم پر عمل کرے چاہے اس کا علم کم ہی کیوں نہ ہو۔''(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''العِلْمُ بِالْعَمَلِ'' ''علم کا تعلق عمل سے ہے.''(۳) یا دوسرے مقام پر فرمایا: "ما عَلِمَ مَنْ لَمْ یَعْمَلْ بِعِلْمِهِ" ''جو اپنے علم پر عمل نہ کرے گویا اس نے علم حاصل ہی نہیں کیا۔''(۴)

(۱) اصول کافی: ج۱ کتاب فضل علم

(۲) بحار الانوار: ج۲ ۷ باب ۶۷

(۳) غرر الحکم ص۱۵۲

(۴) غرر الحکم ص۱۵۳



حضرت عیسیٰؑ سے روایت ہے کہ: "لَیْسَ بِنافِعِکَ أَنْ تَعْلَمَ ما لَمْ تَعْمَلْ إِنَّ کَثْرَةَ الْعِلْمِ لایَزِیْدُکَ إِلَّا جَهْلاً إِذا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ" ''جب تک تم عمل نہ کرو علم حاصل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ جب تک عمل نہ کیا جائے علم کی زیادتی سے صرف اور صرف جہالت میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "أَشَدُّ النّاسِ عَذاباً عالِمٌ لایَنْتَفِعُ مِنْ عِلْمِهِ بِشَیْءٍ"(۲)

''تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم پر ہوگا جس نے اپنے علم سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو۔''

اسی طرح آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "إِنَّ الْعالِمَ إِذا لَمْ یَعْمَلْ بِعِلْمِهِ زَلَّتْ مَوْعِظَتُهُ عَنِ الْقُلُوْبِ کَما یَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفا" ''اگر کوئی عالم اپنے علم پر خود ہی عمل نہ کرے تو اس کا موعظہ اور نصیحت دلوں سے اسی طرح پھسل جاتے ہیں جس طرح چکنے پتھر کے اوپر سے بارش کا پانی بہہ کر چلا جاتا ہے۔''(۳)

حضرت علیؑ نے منبر سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا: "أَیُّها النّاسُ إِذا عَلِمْتُمْ فَاعْمَلُوْا بِما عَلِمْتُمْ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ اِنَّ الْعالِمَ الْعامِلَ بِغَیْرِهِ کَالْجاهِلِ الْحائِرِ الَّذِي لایَسْتَفِیْقُ عَنْ جَهْلِهِ بَلْ قَدْ رَأَیْتُ أَنَّ الْحُجَّةَ عَلَیْهِ أَعْظَمُ وَ الْحَسْرَةَ أَدْوَمُ عَلیٰ هٰذا الْعالِمِ الْمُنْسَلِخِ مِنْ عِلْمِهِ مِنْها عَلیٰ هٰذا الْجاهِلِ الْمُتَحَیِّرِ فِي جَهْلِهِ وَ کِلاهُما حائِرٌ بائِرٌ. لا تَرْتابُوْا فَتَشُکُّوْا وَلا تَشُکُّوْا فَتَکْفُرُوْا وَ لا تُرَخِّصُوْا لِأَنْفُسِکُمْ فَتُدْهِنُوْا وَ

(۱) میزان الحکمہ: باب ۲۸۸۸

(۲) بحار الانوار: ج۲ ص۳۷

(۳) اصول کافی: ج۱ ص۴۴

لا تـذهـنـوا في الحقِ فتخسروا وانّ مِن الحقِ أنْ تفقهوا ومن الفِقهِ أنْ لاتغترّوا وانّ أنصحكُمْ لنفسه أطوعُكُمْ لربّهِ وأغشّكُمْ لِنفسِهِ أعصيكُمْ لِربّهِ ومَنْ يطعِ اللهَ يأمنْ و يستبشرْ ومَن يعصِ اللهَ يخبْ و يندمْ"

"اے لوگو! جب تمہیں کوئی بات معلوم ہو جائے تو پھر اس پر عمل کرو شاید اس طرح تم ہدایت پا جاؤ. کیونکہ بے عمل عالم اس سرگرداں جاہل کی طرح ہے جو اپنی جہالت سے چھٹکارا نہیں حاصل کرتا ہے بلکہ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ اگر چہ یہ دونوں ہی حیران و سرگرداں ہیں لیکن تب بھی بے عمل عالم پر جاہل سے کہیں زیادہ خدا کی حجت عظیم ہے اور اس کی حسرت و پشیمانی دائمی ہے. شک وشبہ کو اصلاً اپنے پاس نہ آنے دو، ورنہ اس شک کے وسوسہ میں گرفتار ہو جاؤ گے اور اگر شک میں گرفتار ہو گئے تو کافر ہو جاؤ گے. اپنے آپ کو ڈھیل نہ دو ورنہ سست ہو جاؤ گے اور حق کو کمزور اور سست نہ سمجھو ورنہ گھاٹا اٹھانا پڑے گا کیونکہ ایک حق بات تو یہ بھی ہے کہ عالم بنو اور علم یہ ہے کہ غرور اور دھوکہ سے محفوظ رہو. کیونکہ تم لوگوں میں جو شخص سب سے زیادہ خود اپنے آپ کو نصیحت کرنے والا ہے وہ خدا کا سب سے زیادہ اطاعت گزار ہوگا اور جو سب سے زیادہ اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے والا ہے وہ اپنے رب کا سب سے بڑا نافرمان ہے اور جو شخص خداوند عالم کا اطاعت گزار بندہ ہے وہ اس کی امان میں ہے اور اسے جنت کی بشارت دی جائے گی اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے گا نا امید اور نادم و پشیمان ہوگا۔"(۱)

جناب مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ آخرت میں نجات پانے والوں کو کس طرح پہچانا جائے؟ یعنی ان کی نشانیاں کیا ہیں؟
تو حضرتؑ نے جواب دیا: "مَنْ كانَ فِعلُهُ لِقولِهِ مُوافِقاً فأتِ لهُ بالشّهادةِ

(۱) اصول کافی ج۱ ص۴۵



ومَنْ لَمْ يكُنْ فِعلُهُ لِقولِهِ مُوافِقاً فإنّما ذٰلكَ مُستَودَعٌ"(۱)

"یعنی جس شخص کے قول اور فعل میں یکسانیت دکھائی دے تو اس کی نجات کی گواہی دیدو اور جس شخص کا قول اس کے عمل کا مخالف ہو تو وہ متزلزل ہے" (اس کی نجات اس کی اصلاح کے مرہون منت ہے)

مختصر یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرینؑ کی متعدد احادیث میں علم اور عمل کو ایک دوسرے کا ساتھی قرار دیا گیا ہے یعنی جہاں علم ہوگا وہاں عمل بھی ہوگا اور اگر خدانخواستہ عمل نہ پایا جائے تو پھر وہاں سے علم بھی رخصت ہو جاتا ہے. جیسا کہ پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے: "إنّ العِلمَ يهتِفُ بالعَمَلِ فإنْ أجابَهُ و إلّا ارتَحلَ عنهُ" "علم عمل کو آواز دیتا ہے چنانچہ اگر عمل اس کا مثبت جواب دیدے تو کیا کہنا ورنہ علم بھی رخصت ہو جاتا ہے۔"(۲)

حضرت علیؑ کا ارشاد بھی تقریباً اسی کے مانند ہے: "العِلمُ مقرونٌ بالعَمَلِ فمَنْ عَلِمَ عَمِلَ والعِلمُ يهتِفُ بالعَمَلِ فإنْ أجابَهُ و إلّا ارتَحلَ عنهُ" "علم اور عمل دونوں جڑواں ہیں لہذا جو علم حاصل کر لیتا ہے وہ اس پر عمل بھی کرتا ہے کیونکہ علم، عمل کو اپنے پاس بلاتا ہے اگر عمل آ جائے تو کیا کہنا ورنہ علم بھی اس کے پاس سے رخصت ہو جاتا ہے۔"(۳)

(۱) اصول کافی ج۱ ص۴۵

(۲) بحار الانوار ج۲ ص۳۳

(۳) بحار الانوار ج۲ ص۳۶

## سبق کا خلاصہ:

اسلام کی نگاہ میں صرف اور صرف علم کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ تعلیم کا مقصد عالم باعمل بننا ہے اسی بنا پر انسان کی عملی زندگی میں جن علوم کا کوئی زیادہ مصرف اور فائدہ نہیں ہے اسلام نے مسلمانوں کو ایسے علوم سیکھنے سے منع کیا ہے۔

اسی طرح اسلامی روایات میں بغیر علم کے عمل کرنے کو بھی ایک طرح کی سرگردانی اور حیرانی قرار دیا گیا ہے۔

## سوالات:

۱۔حضرت علیؑ نے بے عمل عالم کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

۲۔پیغمبر اکرمؐ کی نگاہ میں بے عمل عالم کس سے مشابہ ہے؟

۳۔حضرت علیؑ نے نادان عابد کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

۴۔قرآن کریم نے بے عمل عالم کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

۵۔جن احادیث میں بے عمل عالم کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے ان میں سے کوئی ایک حدیث بیان کیجئے؟

۶۔امام صادقؑ نے کن لوگوں کو جہنم سے نجات یافتہ قرار دیا ہے؟

# پانچواں سبق

# استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض (۳)

### ۳۔غرور سے پرہیز

جب استاد اور شاگرد اپنی نیت کو خالص بنالیں اور ان کا مقصد قربۃً الی اللہ ہو نیز وہ اپنے دل میں یہ مستحکم ارادہ کرلیں کہ اسی تعلیم کے مطابق اپنی پوری زندگی گذاریں گے تو انہیں اس بات کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہئے کہ علم کی لذت اور شیرینی ان کو فریب میں مبتلا نہ کردے اس لئے کہ انسانی فطرت یہ ہے کہ ہر انسان ترقی ور بلندی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ مسلسل کوشش کرتا ہے اسی لئے بلندی اور کمالات کی منزلوں پر پہونچانے والی ہر چیز حاصل کرنے سے لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے لہذا وہ اور زیادہ محنت اور لگن سے کام کرتا ہے لیکن ہر لمحہ اسے یہ دھیان رہنا چاہئے کہ یہ سب کمالات قرب الٰہی تک پہونچنے کا ذریعہ ہیں کیونکہ واقعی کمالات وفضائل بلکہ کمال مطلق کا مالک ومختار وہی ہے لہذا علم کے ذریعہ اپنے اندر اخلاقی، معنوی اور روحانی کمالات پیدا کر کے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہی مقصد ہونا چاہئے تا کہ وہ باآسانی قرب الٰہی کی منزل تک پہونچ سکے۔

کیونکہ علم اور تعلیم ایک ایسا نشہ بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی اس میں چور ہو جائے تو وہ آہستہ آہستہ اپنے اصلی مقصد سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور جو علم انسان کو اس کے اصل مقصد سے دور کردے

اسے علم اخلاق میں ''حجاب'' یعنی پردہ کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان اور خدا کے درمیان پردہ بن جاتا ہے اور کیونکہ علم سے انسان کی قدرت و طاقت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ دنیا و مافیہا کے بارے میں بے شمار معلومات حاصل کر لیتا ہے۔

اور دوسرے یہ کہ روحانی کمالات کے درمیان علم کا ایک عجیب ہی اثر ہے اسی بنا پر پڑھے لکھے لوگ (سوائے چند کے) بہت جلد غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''اَلْعِلْمُ هُوَ الْحِجَابُ الْأَكْبَرُ'' ''علم سب سے بڑا پردہ ہے۔''

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب تعلیم کا اصل علم کے ذریعہ اپنی تربیت اور اپنے نفس کی اصلاح ہے تاکہ انسان خدا تک پہونچ سکے تو اگر کوئی شخص اصلاح نفس کے بجائے غرور و تکبر، خود بینی وغیرہ جیسی برائیوں میں مبتلا ہو جائے اسے ہر روز اپنے علم اور معلومات میں اضافہ کا خیال تو رہے لیکن خدا کے سامنے ذرہ برابر تواضع اور انکساری وغیرہ کا خیال نہ آئے وہ روحانی ترقی اور کمالات حاصل کرنے کے بجائے ہر روز خدا سے دور ہوتا چلا جائے تو ایسے علم کا فائدہ کیا ہے؟

لہٰذا ہر شخص کا فریضہ ہے کہ علم کو مذکورہ کمالات تک پہونچنے کا زینہ قرار دے تاکہ وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے اور ابدی سعادت حاصل کر سکے۔

## ۴۔ توکل

جو لوگ کسی علمی کام میں مشغول رہتے ہیں جیسے معلم، مدرس، طالب علم، مؤلف، مصنف، محقق وغیرہ ان سب لوگوں کے لئے جہاں اپنے اندر اعتماد نفس پیدا کرنے کے علاوہ اپنے ذہن سے احساس ضعف و ناتوانی نیز احساس کمتری کو نکالنا ضروری ہے اسی طرح ان کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ خدا پر توکل کو اپنا نصب العین قرار دیں کیونکہ علمی کاموں میں سخت محنت و مشقت کی ضرورت ہوتی ہے راحت و آرام کے ذریعہ یہ دولت ہاتھ آنے والی نہیں ہے لہٰذا اپنے کو ایک سخت جہاد کے لئے تیار



کرنا ضروری ہے اور اپنی محنت و کوشش سے زیادہ خداوند عالم پر توکل اور مکمل بھروسہ ہونا چاہئے کیونکہ "لا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلّا بِاللّٰهِ" "اللہ کے علاوہ کوئی قوت و طاقت نہیں ہے۔"

دوسرے یہ کہ جو لوگ اس طرح کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں عام طور پر ان کی آمدنی کم ہوتی ہے اور وہ آمدنی کی طرف بقدر ضرورت توجہ نہیں دے پاتے جس کی بنا پر وہ مالی پریشانیوں سے دوچار رہتے ہیں اور بسا اوقات دوسروں کے سامنے ہاتھ بھی پھیلا دیتے ہیں جب کہ خداوند عالم نے ان کی روزی کا خود وعدہ کیا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ تَكَفَّلَ لِطَالِبِ الْعِلْمِ بِرِزْقِهِ خَاصَّةً عَمَّا ضَمِنَهُ لِغَيْرِهِ'' ''پروردگار عالم نے تمام لوگوں سے رزق کا عام وعدہ کرنے کے علاوہ طالب علم کی روزی کی خاص طور پر ضمانت لی ہے۔''(۱)

لہٰذا جو افراد بھی علم کی راہ میں قدم رکھیں وہ دوسروں پر اعتماد کے بجائے صرف اور صرف خداوند عالم پر توکل اور بھروسہ رکھیں اور اسی سے روزی طلب کریں اور اپنے علمی کاموں میں مشغول رہیں۔

تیسرے یہ کہ علم کے بلند مقامات تعلیم ہی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ علم درحقیقت ایک نور ہے جو خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے دولت علم سے مالا مال کر سکتا ہے جیسا کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ: ''لَيْسَ الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ اِنَّمَا هُوَ نُورٌ يَقَعُ فِي قَلْبِ مَنْ يُرِيدُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَنْ يَهْدِيَهُ'' ''علم تعلیم حاصل کرنے سے ہاتھ نہیں آتا ہے بلکہ وہ تو ایک ایسا نور ہے کہ خداوند عالم جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اسے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔''(۲)

(۱) کنز العمال: ۲۸۷۰۱، منیۃ المرید، ص ۱۶۰

(۲) بحار الانوار: ج ۱، باب ۷، ص ۲۲۴

لہٰذا علم کی حقیقت تک پہونچنے کے لئے خداوند عالم سے ہدایت طلب کرتے رہنا چاہئے اور جب اس راہ میں قدم اٹھائے تو اسی پر توکل رہے اور اس بات کا یقین رہے کہ خداوند عالم نے بندوں کی ہدایت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔

## ۵۔تقویٰ اور اصلاح نفس

استاد اور طالب علم کے مشترکہ فرائض میں تیسری صفت یہ ذکر کی گئی تھی کہ وہ اپنے علم سے فریب نہ کھائیں ورنہ وہی علم انہیں خدا سے قریب کرنے کے بجائے اس سے دور کردے گا لہٰذا اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے ان پر ضروری ہے کہ سب سے زیادہ اپنے نفس کی اصلاح اور اس کے تقدس کی جانب متوجہ رہیں اور علم کے سہارے دوسروں کی بہ نسبت جلد از جلد قرب خدا کی منزلیں طے کریں۔

تقویٰ علم کی ایک اور شرط ہے کیونکہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں تقویٰ کو ہدایت کی شرط قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیهِ هُدًی لِلْمُتَّقِینَ﴾(۱) ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ متقین کے لئے ہدایت ہے۔''

ہذا قرآن مجید کے علوم و معارف سے صرف وہی فیضیاب ہوسکتے ہیں جو واقعاً متقی و پرہیزگار ہیں دوسرے یہ کہ خداوند عالم نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم متقی بن جاؤگے تو خداوند عالم تمہیں دولت علم سے مالامال کردے گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ﴾(۲) ''تم تقویٰ اختیار کرو تاکہ اللہ تم کو علم عطا فرمائے۔''

قرآن میں یہ بھی اعلان ہے: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَکُمْ فُرْقَانًا﴾(۳)

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲

(۲) سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۲

(۳) سورۂ انفال: آیت ۲۹



''ایمان والو! اگر تم تقوائے الٰہی اختیار کروگے تو وہ تمہیں حق و باطل میں تفرقہ کی صلاحیت عطا کردے گا۔''

''فرقان'' اس چشم بصیرت کو کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس یہ نعمت الٰہی ہو وہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں حیرانی و سرگردانی اور گمراہی میں مبتلا نہ ہوگا اور اسے حق و باطل کی تمیز میں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوتی اور اسے بآسانی اندازہ ہوجاتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کدھر ہے۔

جب امام جعفر صادق کی حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ علم نور الٰہی ہے وہ جس دل میں عطا کرنا چاہتا ہے عطا کردیتا ہے تو پھر علم کی حقیقت تک پہونچنے کے لئے بھی خداوند عالم سے ہی دعا کرنا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تقوی و پرہیزگاری کے ذریعہ اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ بنائے اور خداوند عالم سے نزدیک ہوجائے نیز اپنے دل کو بھی اتنا نورانی کرلے کہ اس میں نور الٰہی جلوہ فگن ہوسکے۔

علمائے کرام، عوام کے لئے نمونۂ عمل ہوتے ہیں اور لوگ عموماً ہر کام میں علماء کرام ہی کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں اور ایک بزرگ عالم کے بقول ''عوام ہر کام میں علماء سے ایک زینہ پیچھے رہتے ہیں لہٰذا اگر علماء صاحبان تقویٰ و ورع ہونگے تو لوگ مباح کام کو انجام دینگے اور علماء ہی اگر صرف مباح کاموں پر اکتفا کرنے لگیں تو عوام مشتبہ اور مکروہ کام کرنے لگیں گے اور اگر علماء مکروہ بھی انجام دینے لگیں تو عوام حرام کام کرنے لگیں گے اور اگر خدانخواستہ لوگ علماء کو حرام کاموں میں مبتلا دیکھ لیں تو پھر وہ کافر ہوجائیں گے''

## ۶۔نیک اخلاق

علمائے کرام کے کاندھوں پر کیونکہ عوام کی رہبری اور ہدایت کی ذمہ داری ہے لہٰذا ان کا اخلاق ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ بآسانی ان سے مل سکیں ان سے ملاقات کرسکیں اس کے علاوہ علمائے کرام

کے لئے تواضع وانکساری اور نیک اخلاق کی بیحد ضرورت ہے تا کہ اس کی بناپر عوام خود بخود متاثر ہوکر ان سے قریب ہوجائیں جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَ تَزَیَّنُوا مَعَهُ الْحِلْمَ وَالْوَقَارَ وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ تُعَلِّمُونَهُ الْعِلْمَ وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ طَلَبْتُمْ مِنْهُ الْعِلْمَ وَلَا تَكُونُوا عُلَمَاءَ جَبَّارِينَ فَيَذْهَبَ بَاطِلُكُمْ بِحَقِّكُمْ" "علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ خود کو حلم وبردباری سے مزین کرو اور جس کو تعلیم دو یا جس سے تعلیم حاصل کرو ان سب کے ساتھ انکساری سے پیش آؤ اور جابر ومتکبر علماء کی طرح نہ ہوجاؤ کہ تمہاری حق باتیں تمہارے غلط اعمال کے ساتھ رخصت ہوجائیں۔"(۱)

پروردگار عالم نے قرآن مجید میں پیغمبر اکرمؐ سے خطاب کرکے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر آپ کے اندر نیک اخلاق موجود نہ ہوتا تو آپ کو یہ کامیابی نہ ملتی اور کوئی بھی اسلام قبول نہ کرتا۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾(۲) "پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں ورنہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپکے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔"

## ۷۔عزت نفس

علماء وطلاب کے کاندھوں پر کیونکہ تبلیغ دین اور ہدایت امت کی عظیم ذمہ داری ہے لہذا معاشی اعتبار سے انھیں لوگوں کے درمیان اس طرح زندگی گذارنا چاہئے کہ وہ ان کے درمیان باعزت رہیں اور کوئی بھی ان پر تحقیر آمیز نگاہ نہ ڈالے اور ان کو مالی امداد کی پیش کش نہ کرے۔ کیونکہ ایسی صورت میں مدد کرنے والے حضرات اپنے کو ان کا محسن اور سرپرست سمجھنے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ

(۱) اصول کافی ج۱، ص۳۶

(۲) سورۂ آل عمران: آیت ۱۵۹



علماء بھی انہیں کے احسان مند ہوجاتے ہیں اور پھر انہیں کی مرضی کے مطابق چلنے لگتے ہیں اور تبلیغ دین اور اصلاح امت کا فریضہ بھول جاتے ہیں۔

لہذا جب خود خداوند عالم نے طالب علم اور علماء کی روزی کا وعدہ کیا ہے تو پھر ان کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اپنے معاشیات میں لوگوں کی امداد پر نگاہیں جمائے رہیں اور اس سے بھی بدتر مرحلہ وہ ہے کہ جب کوئی عالم کسی دربار یا عہدہ دار سے وابستہ ہوجائے تو اسے چاہے اپنا مقصد حاصل ہو یا نہ ہو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان اٹھائے گا۔ اور لوگوں کی نگاہ میں اس کی کوئی عزت نہ رہ جائے گی۔

البتہ حکومتوں سے وابستہ ہونا اس وقت غلط ہے کہ جب انسان کو عہدہ یا مال ودولت کی لالچ ہو لیکن اگر وہ اس کے ذریعہ اسلام کی حفاظت اور مومنین کرام کی خدمت انجام دے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ بری نہیں ہے بلکہ بہترین کار خیر ہے جس کے متعدد نمونے اسلامی تاریخ میں موجود ہیں جیسے علی بن یقطین، محمد بن اسماعیل بن بزیع ونوح بن دراج وغیرہ نے ظالم وجابر حکومتوں میں رہ کر مومنین کی امداد کی ہے اور حتی الامکان ان کے مظالم سے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ البتہ یہ بہت نازک اور خطرناک مرحلہ ہے کیونکہ کسی وقت بھی انسان مال ودولت اور عیاشی کا دلدادہ ہوسکتا ہے اور یہ عہدہ یا دولت اس کی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کرسکتے ہیں۔ لہذا ہر عالم کو ایسے حالات میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

## ۸۔دینی اقدار کی حفاظت

مذکورہ آداب واخلاقیات کے علاوہ ایک عالم اور طالب عالم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی تمام باتوں کا خیال رکھے جو ایک طالب علم یا عالم دین کی پہچان ہیں اور اس کے شایان شان ہیں جیسے نماز جماعت میں شرکت، اول وقت نماز کی ادائیگی، نیک کرداری، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک،

حقوق کی ادائیگی، مریضوں کی عیادت، غرباء و مساکین اور مظلوم وستم رسیدہ افراد کی دلجوئی اور ہر ایک کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آنا۔

اسی طرح صفائی، لباس کی وضع قطع، چال چلن، انداز گفتگو غرض کہ ہر اعتبار سے محتاط رہنا چاہئے کیونکہ عوام الناس بہت ہی باریک بینی سے ان کی ایک ایک نقل وحرکت پر نگاہ رکھتے ہیں اور کسی ایک عالم کی ذرا سی کوتاہی یا لغزش سے پوری صنف کی آبرو خاک میں مل جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ علماء کرام اور طلاب کی نشست و برخاست اور کردار کو اسلامی تعلیمات اور آداب واحکام کا آئینہ دار ہونا چاہئے تا کہ ان کے ہر عمل سے کسی نہ کسی اسلامی حکم کی طرف عوام کی رہنمائی ہوتی رہے. اور انہیں دیکھ کر عام افراد خود بخود اسلامی تعلیمات کے گرویدہ اور پابند ہو جائیں۔



## سبق کا خلاصہ:

تعلیم کی طرح جس کام سے بھی انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے ممکن ہے کہ وہی چیز انسان کو اس کے اصلی مقصد ''قرب خدا'' سے دور کردے لہذا علماء اور طلاب کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

تعلیم میں جو زحمتیں اور مشکلات ہوتی ہیں ان کے پیش نظر طلاب اور علماء کو خدا پر زیادہ توکل کرنا چاہئے۔

چونکہ علم نور الٰہی ہے لہذا تزکیۂ نفس اور تقویٰ کے ذریعہ علم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنا ضروری ہیں۔

تبلیغ اور ہدایت کی ذمہ داری کی بناء پر علماء کو اخلاق کا پیکر ہونا چاہئے۔

خداوند عالم پر توکل اور اعتماد نیز خلوص نیت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء وطلاب، عزت نفس اور قناعت کے ذریعہ لوگوں کے محتاج بن کر نہ رہیں۔

قول وفعل میں یکسانیت کے لئے ضروری ہے کہ علماء وطلاب ظاہری اعتبار سے بھی دینی اقدار کا خاص خیال رکھیں۔

## سوالات:

۱۔ پیغمبر اکرمؐ نے علم کو ''حجاب اکبر'' کیوں کہا ہے؟

۲۔ دوسروں کے مقابل طلاب کے لئے خدا پر زیادہ توکل کیوں ضروری ہے؟

۳۔ تقویٰ علم حاصل کرنے کی ایک اہم شرط کیوں ہے؟

۴۔ قرآن کریم کی نظر میں لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس گرویدہ ہو کر کیوں پہونچ جاتے تھے؟

۵۔ مدرس اور شاگرد کے فرائض کو مختصر طور سے بیان کیجئے؟

# چھٹا سبق

## استاد کے فرائض (۱)

استاد اور شاگرد کے مشترک آداب و فرائض سے آگاہ ہونے کے بعد اب آئندہ دروس میں آپ استاد اور شاگرد کے خصوصی وظائف اور فرائض سے واقفیت حاصل کریں گے۔

شہید ثانیؒ نے ایک استاد اور معلم کے فرائض و آداب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ خود اپنے بارے میں معلم کے فرائض ۔ ۲۔ شاگردوں کے بارے میں معلم کی ذمہ داری۔

۳۔ کلاس میں معلم کے فرائض۔

### ۱۔ اپنے بارے میں استاد کے فرائض

۱۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جس شخص کے دل و دماغ میں بھی مدرس اور استاد بننے کا شوق اور جذبہ پایا جاتا ہے اسے سب سے پہلے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جو تعلیم دینا چاہتا ہے اس موضوع کے بارے میں پہلے خود اچھی طرح مہارت حاصل کر لے چنانچہ جب تک اپنے کسی استاد کے سامنے وہ اپنی صلاحیتوں کو خوب نہ پرکھ لے اس طرف قدم آگے نہ بڑھائے. ورنہ چادر سے زیادہ پیر پھیلانے سے اسے خود ہی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ رسول اکرم کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوبِيْ زُوْرٍ" "جسے کوئی چیز نہ ملی ہو اس سے متعلق اپنے کو

سیر اور مستغنی ظاہر کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی نامناسب لباس اپنے اوپر زبردستی چڑھالے۔'' (۱)

۲۔ اس شخص کو تعلیم دے جو واقعاً اس کا اہل ہو اور علم کو قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھتا ہو ورنہ اس کے علم کی کوئی اہمیت نہ رہے گی۔

گذشتہ علماء اپنے شاگردوں کے گھر جاکر انہیں تعلیم دینے کو اپنی توہین سمجھتے تھے اور اسی لئے شاگردوں کو اپنے گھر بلایا کرتے تھے کیونکہ اگر استاد اپنے شاگرد کے گھر جائے گا تو اس سے شاگرد کی نگاہ میں استاد اور حتی کہ خود اس علم کی کوئی قدر و قیمت نہ رہ جائے گی. اسی لئے اسلام میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ علم وہ دولت ہے جس کے لئے سفر اور غریب الوطنی کی مشکلات اور زحمتوں کو برداشت کرنے کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

۳۔ پہلے بھی ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر شخص کو عمل کرنے کی نیت سے علم حاصل کرنا چاہئے لیکن شاگردوں کی بہ نسبت علم پر عمل کرنے کے بارے میں استاد کی ذمہ داری زیادہ ہے کیونکہ اگر استاد خود اپنے علم پر عمل نہ کرے گا تو پھر استادی کے فریضہ کو بخوبی انجام نہیں دے سکتا اور اس کی بے عملی کو دیکھ کر خود اس کے شاگرد ہی اس کی بات نہیں مانیں گے بلکہ وہ آپس میں یہی کہیں گے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو سب سے پہلے ہمارے استاد کو اس پر عمل کرنا چاہئے تھا. اسی بات کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے: ﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو'' (۲)

(۱) سنن ابن داؤد کتاب ادب حدیث ۴۹۹۷، منیۃ المرید: ص ۲۱۷

(۲) سورۂ بقرہ آیت ۴۴



امام جعفر صادق نے آیۂ کریمہ ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (۱) ''لیکن اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبان معرفت (علماء) ہیں'' کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''مَنْ صَدَّقَ فِعْلُهُ قَوْلَهُ وَ مَنْ لَمْ يُصَدِّقْ قَوْلُهُ فِعْلَهُ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ'' ''جس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہو (وہ واقعی عالم ہے) اور جس کا فعل اس کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔'' (۲)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''قَطَعَ ظَهْرِي اِثْنَانِ عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ وَجَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ هٰذَا يَصُدُّ النَّاسَ عَنْ عِلْمِهِ بِتَهَتُّكِهِ وَهٰذَا يَصُدُّ النَّاسَ عَنْ نُسُكِهِ بِجَهْلِهِ'' ''دو لوگوں نے میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے بے عمل عالم اور نادان مقدس مآب. یہ اپنی بے عملی کی وجہ سے لوگوں کو اپنے علم سے دور کرتا ہے اور وہ اپنی جہالت کی بنا پر لوگوں کو عبادت سے روک دیتا ہے۔'' (۳)

لہٰذا استاد کے کردار میں تضاد نہ ہونا ضروری اور لازم ہے استاد جس بات پر خود عمل کرے اسی کی طرف اپنے شاگردوں کو دعوت دے۔

مثلاً اگر شاگرد استاد کی زبان سے نماز جماعت، مریضوں کی عیادت، تشییع جنازہ، لوگوں سے محبت اور ہمدردی کے فضائل سنیں مگر اسے ایسے مواقع پر نہ دیکھیں یا جن چیزوں سے استاد انہیں روکتا ہے وہی کام کرتے ہوئے شاگرد اسے دیکھ لیں تو ان پر اس کا قطعاً صحیح اثر نہ پڑے گا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی شرعی عذر یا مجبوری کی وجہ سے وہ ان باتوں پر عمل نہ کر سکتا ہو تو اس صورت میں اسے حتی الامکان لوگوں کی نگاہوں سے اور خاص طور سے جن کے لئے وہ نمونۂ عمل ہے ان کی نگاہوں سے

(۱) سورۂ فاطر: آیت ۲۸

(۲) اصول کافی ج۱، ص ۳۶

(۳) بحار الانوار: ج۱، ص ۲۰۸

دور رہنا چاہئے کیونکہ شیطان بلاوجہ ان کے اندر اس کے بارے میں برے خیالات پیدا کرسکتا ہے مثلا شریعت نے مسافر یا مریض وغیرہ کو بھی سب کے سامنے ماہ رمضان میں کھانے سے منع کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس طرح روزہ کا تقدس اور عظمت واحترام ختم نہ ہو جائے اور جو بے عمل ہیں یا جن کا ایمان کمزور ہے ان کو روزہ نہ رکھنے کا بہانہ مل جائے گا باعمل ہونا ان افراد کے لئے زیادہ ضروری ہے جنہیں لوگ اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دیتے ہیں جیسے علماء یا معلمین ومدرسین وغیرہ لہذا ایسے نازک حالات میں اپنے شاگردوں کے سامنے کوئی بھی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس سے ان کے اوپر انگلی اٹھائی جائے یا بہتان کا خطرہ ہو۔

روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ ایک رات اپنی ایک زوجہ کے ہمراہ اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں کسی صحابی سے ملاقات ہوگئی تو آپ نے اس سے کہا ”کہ یہ میری فلاں زوجہ ہے“ آپ نے اس جملہ سے اس کے ذہن میں پیدا ہونے والا بے جا فطور، دور کر دیا۔

۴۔ ایک استاد کو اپنے شاگردوں اور عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ بااخلاق ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ ان کے لئے نمونۂ عمل اور آئیڈیل ہے اور اس کے عمل میں اس کی زبان سے زیادہ تاثیر ہوتی ہے لہذا اس کے اندر تواضع، نیک اخلاق، میل محبت، ہمدردی، نرم دلی وغیرہ اتنی زیادہ ہو کہ دیکھنے والا اسے دوسروں سے بہتر سمجھے اور اس کی باتوں پر شوق کے ساتھ عمل کرے۔

روایت میں ہے کہ ایک دن جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: کہ تم سے میری ایک خواہش ہے کیا تم اسے مان لوگے؟ تو انہوں نے عرض کی، ضرور فرمائیے بھلا ہم کیوں نہ مانیں گے؟ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور یکے بعد دیگرے سب کے پیر دھونے لگے۔ انہوں نے روکنا بھی چاہا مگر چونکہ پہلے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کر چکے تھے لہذا شرمندہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے۔ جب آپ سب کے پیر دھو چکے تو آپ کے حواریوں نے کہا کہ یہ کام تو ہمیں



کرنا چاہئے تھا کہ ہم آپ کے پیر دھوتے تو آپ نے فرمایا: تمام لوگوں کے درمیان عالم دین سب سے زیادہ خدمت کا حقدار ہوتا ہے میں نے اپنے اس طریقہ کار سے تمہاری خدمت کی ہے لہذا تم بھی میرے بعد لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا پھر آپ نے فرمایا: ”حکمت کا گھر تواضع کے ذریعہ آباد ہوتا ہے نہ کہ تکبر کے ذریعہ جس طرح کہ سبزہ نرم زمینوں میں اگتا ہے پتھروں پر نہیں۔“

۵۔ یہ بھی توجہ رہے کہ علم نااہلوں کے ہاتھ میں نہ جانے پائے کیونکہ وہ لوگ صرف اسی لئے علم حاصل کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ اپنے کو اور مضبوط بنالیں اور پھر آسانی کے ساتھ اپنے ظلم، ستم اور گمراہیوں کو مزید بڑھاوا دے سکیں۔

اگر چہ دنیاوی مقاصد کے لئے تعلیم حاصل کرنا بھی صحیح نہیں ہے اور اگر کسی کے دل میں ایسا ارادہ ہو اور اس کے استاد کو اس کی نیت کا پتہ چل جائے تو استاد اس کو اپنے علم سے محروم نہ کرے بلکہ اسے اس کی غلط نیت کی طرف متوجہ کر کے اس کی اصلاح کی کوشش کرتا رہے کیونکہ ایک اچھے معلم کی پہچان یہی ہے کہ اس کے علم اور نیک اخلاق کی بنا پر اس کے شاگرد اور طلاب صحیح راستہ اختیار کرلیں۔ جیسا کہ علماء کرام کی یہی سیرت رہی ہے کہ وہ درس شروع کرنے سے پہلے اپنے شاگردوں کے اخلاقی سدھار پر ضرور توجہ دیتے ہیں اور جب ان کو ہر اعتبار سے پختہ بنا لیتے ہیں تب تعلیمی سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں اس کی وجہ سے طلاب شروع سے ہی صحیح راستہ پر لگ جاتے ہیں اور ان کی نیتیں بھی خالص اور پاک ہو جاتی ہیں نیز اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہر طالب علم کی صحیح یا غلط نیت کا پتہ چل جاتا ہے لہذا اگر کسی کے اندر تعلیمی لیاقت نہ پائی جاتی ہو تو پہلے ہی اس سے معذرت کرلی جائے۔

لہذا استاد کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اپنا علم لائق اور اہل کے ہی حوالہ کرے اور اپنے علم کو سماج

اور معاشرے کی تباہی کا ذریعہ نہ بننے دے اور ہمیشہ شاگردوں کی صحیح تربیت اور خلوص نیت کے لئے کوشاں رہے۔

۶۔ استاد کو تعلیم دینے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہنا چاہئے یعنی تعلیم دینے کے سلسلہ میں کسی قسم کے بخل سے کام نہ لینا چاہئے کیونکہ خداوند عالم نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اپنے علم کو کسی سے ہرگز پوشیدہ نہ رکھیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَ اِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهُ﴾(۱) "اس موقع کو یاد کرو جب خدا نے جن کو کتاب دی ان سے عہد لیا کہ اسے لوگوں کے لئے بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔"

دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰاعِنُوْنَ﴾(۲) "جو لوگ ہمارے نازل کئے ہوئے واضح بیانات اور ہدایات کو ہمارے بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "زَكَاةُ الْعِلْمِ أَنْ تُعَلِّمَهُ عِبَادَ اللّٰهِ" "علم کی زکات یہ ہے کہ بندگان خدا کو اس کی تعلیم دی جائے۔"(۳)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "قَرَأْتُ فِي كِتَابِ عَلِيٍّ علیہ السلام اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْخُذْ عَلَى الْجُهَّالِ عَهْداً بِطَلَبِ الْعِلْمِ حَتّٰى أَخَذَ عَلَى الْعُلَمَاءِ عَهْداً بِبَذْلِ الْعِلْمِ لِلْجُهَّالِ لِأَنَّ الْعِلْمَ كَانَ قَبْلَ الْجَهْلِ" "میں نے حضرت علیؑ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ خداوند عالم نے جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے جاہلوں کو تعلیم دینے کا عہد

(۱) سورہ آل عمران آیت ۱۸۷

(۲) سورۂ بقرہ آیت ۱۵۹

(۳) اصول کافی ج ۱، ص ۴۱



نہیں لے لیا کیونکہ علم، جہل سے پہلے موجود تھا۔(۱)

۷۔ معلم کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ حق گوئی سے کام لے تاکہ باطل کی پہچان ہو سکے اور لوگ بآسانی حق پر چل سکیں یا کم از کم ان کے اوپر حجت تمام ہو جائے تاکہ آئندہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں حق کے بارے میں صحیح علم نہیں تھا اور کوئی ہمیں صحیح راستہ دکھانے والا نہیں تھا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کو ادا کرنا دراصل علماء کی ذمہ داری ہے کیونکہ عوام کے اوپر تو صرف اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنا وہ جانتے ہیں لیکن علماء اور معلمین کی ذمہ داریوں میں ان کے علم کے اعتبار سے اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "اِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِيْ اُمَّتِيْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ" "جب میری امت کے درمیان بدعتیں سر ابھارنے لگیں تو علماء کے لئے اپنا علم ظاہر کرنا ضروری ہے اور جو عالم ایسا نہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔"(۲)

اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ عوام الناس کے دین و ایمان اور عقیدہ و عمل کا کل دارومدار علماء کے اوپر ہے چنانچہ اگر وہی دین کو صحیح طریقہ سے نہ پہونچائیں اور بدعتوں کا مقابلہ نہ کریں تو لوگ گمراہیوں کا شکار ہو جائیں گے اور ان کا دین تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔

لہٰذا ایک معلم کے اندر اتنی شجاعت اور حق گوئی ہونا ضروری ہے کہ وہ حقائق کو بیان کر سکے اور برے رسم و رواج اور بدعتوں کا مقابلہ کر سکے اور اس بارے میں اس کے اندر کسی طرح کا خوف، جھجک یا لوچ پیدا نہ ہو۔

(۱) اصول کافی ج ۱، ص ۴۱

(۲) بحار الانوار: ج ۲، باب ۱۳، ص ۷۲

## سبق کا خلاصہ:

اپنے اندر تدریس کی صلاحیت پیدا کرنا، قول وفعل کی مطابقت، سچے اور لائق طالب علم کی شناخت، دین کی ترویج میں سخاوت اور شجاعت نیز صاف گوئی سے کام لینا ایک معلم اور استاد کے لئے ضروری اور لازمی چیزیں ہیں۔

## سوالات:

۱۔ دوسرے کو تعلیم دینے سے پہلے ایک مدرس کو کس قسم کی تیاری کرنا چاہئے؟

۲۔ کیا استاد اپنے ہر شاگرد کو ہر طرح کی تعلیم دے سکتا ہے؟

۳۔ امام صادقؑ کی نظر میں عالم کی خصوصیات کیا ہیں؟

۴۔ بزرگ علماء، درس شروع کرنے سے پہلے درس اخلاق کیوں دیتے ہیں؟

# ساتواں سبق

# استاد کے فرائض (۲)

## ۲۔ شاگردوں سے متعلق استاد کے فرائض

۱۔ اپنے شاگردوں سے متعلق استاد کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ انہیں دینی آداب اور اخلاق کی تعلیم دے اور انہیں اس کی اہمیت سے آگاہ کر کے اعلی علمی درجات کے لئے آمادہ کرے۔

بنیادی طور پر ہر چیز کا ایک ظرف ہوتا ہے اور علم کا ظرف پاک و پاکیزہ دل اور عقل سلیم ہے لہذا استاد کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے شاگردوں کو علمی حقائق کا بار گراں اٹھانے کے قابل بنا دے تا کہ وہ اس کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آئیں اور ہمیشہ سر تسلیم خم کئے رہیں صرف یہی وہ راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے طلاب اپنی تعلیم کے ذریعہ ترقی اور کمال کی منزلوں تک پہونچ سکتے ہیں۔

اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ہر استاد اپنے شاگردوں کی نیت کو پاک و پاکیزہ اور خالص بنانے کی کوشش کرے اور انہیں یہ سمجھائے کہ ان کی نظریں صرف نیک اور اعلی مقاصد پر مرکوز ہونا چاہئیں اور صرف اسی راستے سے وہ علم الہی کی برکات سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

۲۔ جب استاد کو اپنے شاگردوں کی ذہنی استعداد، خلوص نیت اور ان کی روشن ضمیری کے بارے میں یقین اور اطمینان پیدا ہو جائے تو انہیں علم کی قدر و قیمت اور علم حاصل کرنے کی اہمیت سے آگاہ کرے اور انہیں یہ بھی اچھی طرح سمجھا دے کہ کوئی انسان عالم ہستی کے حقائق سے اسی وقت واقف ہو سکتا ہے جب وہ دونوں پروں کے ساتھ پرواز کرے. (۱) علم (۲) تقویٰ اور اس کے ساتھ ساتھ گذشتہ علماء کے تجربات کو بھی اپنے لئے مشعل راہ قرار دینا ضروری ہے تاکہ وہ عالم ملک و ملکوت سے آگاہ ہو سکے اس سے طالب علموں کے شوق تعلیم میں اضافہ ہوگا۔

۳۔ استاد اور شاگرد کے روابط اسلامی تعلیمات کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہئیں اور بزرگ علماء کی تاکید کے مطابق ان کے درمیان باپ بیٹے جیسا رشتہ ضروری ہے یعنی استاد اپنے شاگردوں کو بالکل اپنی اولاد کی طرح سمجھے اور ان کے ساتھ اولاد کی طرح برتاؤ کرے اور جو چیزیں اپنی اولاد کے لئے مناسب نہیں سمجھتا ہے وہ چیزیں ان کے لئے بھی ہرگز پسند نہ کرے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''لَا یُؤمِنُ أحدُکم حَتّٰی یُحِبَّ لِأخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ'' ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بعینہ وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''(۱)

۴۔ اپنے شاگردوں کو حرام اور برے کاموں سے روکتا رہے البتہ ان کے اوپر کسی قسم کی سختی کرنے کے بجائے نہایت ہوشیاری کے ساتھ دوسرے مختلف طریقوں سے روکنے کی کوشش کرے کیونکہ انہیں براہ راست روکنے سے کبھی کبھی اخلاقی حدود باقی نہیں رہ پاتے۔ سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ محبت آمیز انداز میں نرمی کے ساتھ سمجھائے جیسا کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰ اور جناب ہارون کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ دونوں حضرات فرعون کے پاس جائیں ''فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَیِّناً

(۱) صحیح بخاری: ج۱، کتاب الایمان، منیۃ المرید: ص۱۹۰



لَعَلَّهُ یَتَذَکَّرُ أوْ یَخْشَیٰ'' ''اس سے نرمی سے بات کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا خوفزدہ ہو جائے۔''(۱)

۵۔ طلاب کے ساتھ غرور و تکبر کے انداز سے پیش نہ آئے. بلکہ ہمیشہ متواضع اور باوقار رہے کیونکہ اس سے شاگردوں کے ساتھ اس کا قلبی لگاؤ زیادہ ہوگا اور وہ اس کی شخصیت سے زیادہ متاثر ہوں گے اور ان کی تعلیمی حالت بہتر سے بہتر ہوتی چلی جائے گی جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے. ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ﴾(۲) ''اور جو صاحبان ایمان آپ کا اتباع کر لیں ان کے لئے اپنے شانوں کو جھکا دیجئے''

لہٰذا ہر استاد کو اپنے شاگردوں کے لئے رحم و کرم کا پیکر ہونا چاہئے تاکہ وہ ان کے دلوں میں اپنی طرف سے یہ اطمینان پیدا کرا سکے کہ استاد صرف ان کی بھلائی چاہتا ہے. جس کے بعد وہ ان کے درد دل اور قلبی اخلاص و محبت کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے یہ بھی ضروری ہے کہ استاد اپنے تمام شاگردوں کو ان کے نام کے ساتھ پہچانتا ہو اور انہیں بڑے احترام سے پکارے نیز اگر انمیں سے کوئی موجود نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی کی وجہ پوچھنے کے ساتھ اس کا حال بھی دریافت کر لے، اس سے ایک تو یہ کہ استاد ہمیشہ کامیاب و کامران رہتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے شاگردوں کے دلوں میں اس کی محبت اور وقار باقی رہتا ہے۔

۶۔ کوئی بھی علمی نکتہ بیان کرتے وقت اپنے شاگردوں کی علمی سطح کا خیال رکھے، کیونکہ زیادہ دقیق علمی گفتگو یا اس کے برخلاف بہت آسان اور سادہ باتیں بیان کرنے سے بھی ان پر غلط اثر پڑتا ہے لہٰذا مجمل اور پیچیدہ باتوں سے پرہیز کرے ورنہ طلاب کا حوصلہ پست ہو سکتا ہے۔

(۱) سورۂ طٰہٰ آیت ۴۴

(۲) سورۂ شعراء: آیت ۲۱۵

اسی طرح جب طلاب اس سے کوئی سوال کریں تو جواب میں بھی اسی بات کا خیال رکھے. یعنی آسان انداز میں بالکل واضح جواب دے اور اگر جواب کی وضاحت کے لئے پیچیدہ بحثوں کی ضرورت ہو تو فوراً جواب دینے کے بجائے اس کے مناسب وقت کا انتظار کرے ورنہ طالب علم اس کی بھول بھلیاں میں پھنس کر رہ جائے گا جس کے نتیجہ میں وہ غلط راستہ کی طرف بھی بہک سکتا ہے۔

اسی طرح استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے علمی بیانات کو منطقی انداز میں باترتیب اور تسلسل کے ساتھ بیان کرے تاکہ اس کے شاگردوں کو اس کی باتیں سمجھنے میں کسی قسم کی زحمت نہ ہو۔

۷۔ اپنے شاگردوں کے اندر اعتماد بہ نفس اور علمی و عملی میدانوں میں ترقی و کمال کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کرے اور ان میں سوال کرنے نیز اظہار خیال کی ہمت بھی پیدا کردے اور اگر ان میں سے کوئی معمولی یا فضول سوال کرے یا غلط بات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے تو شرح صدر کے ساتھ مسکرا کر اس کا جواب دے کیونکہ طالب علم کا مذاق اڑانے سے اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے اور وہ دوبارہ سوال نہیں کرتا دوسرے یہ کہ استاد کے ساتھ بھی طالب علم کا رابطہ اور لگاؤ پھیکا پڑ جاتا ہے۔

۸۔ علمی باتوں کو ان کا علمی معیار کم کئے بغیر عام فہم اور آسان انداز میں اس طرح بیان کرے کہ طلاب انہیں بآسانی ہضم کرسکیں یہی وجہ ہے کہ جب کوئی استاد کسی بھی علمی مسئلہ کو پیچیدہ اور مجمل انداز سے بیان کرتا ہے تو طلاب کو اپنی ذہانت اور حافظہ کے بارے میں شک ہونے لگتا ہے اور وہ اپنی تعلیم کے بارے میں مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۹۔ طلاب کو مسلسل مشق، تحقیق یا سوالات کے جوابات لکھنے کے لئے کہے تاکہ ان کی علمی صلاحیت میں اضافہ کے علاوہ ان کے اندر محنت و مشقت کا جذبہ بھی زیادہ سے زیادہ پروان چڑھ سکے۔



اسی طرح اگر کوئی طالب علم درس میں سوالات یا علمی تنقید کرتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے کیونکہ اس سے اس کی علمی صلاحیت میں اضافہ کے علاوہ دوسرے طلاب کے اندر بھی آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۰۔ تمام شاگردوں کے ساتھ ایک جیسا رویہ رکھے یعنی سب کے ساتھ انصاف سے پیش آئے اور کسی کو بلاوجہ دوسروں کے اوپر ترجیح نہ دے کیونکہ ان سب کے حقوق بالکل برابر ہیں. البتہ یہ الگ بات ہے کہ بعض طلاب بہت زیادہ محنتی اور مخلص ہوتے ہیں اور انہیں ہمیشہ اپنی پڑھائی کی فکر لگی رہتی ہے اور وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں ایسے طلاب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے البتہ اس طرح نہیں کہ اس سے ناانصافی اور گروہ بندی کا خطرہ پیدا ہو جائے. اگرچہ سب سے بڑی ناانصافی تو یہ ہے کہ استاد اپنے ذہین، محنتی اور لائق طالب علم کو درسی اعتبار سے کمزور اور تعلیم سے دلچسپی نہ رکھنے والے طالب علم کے برابر قرار دیدے اس سے ایک طرف تو محنتی طالب علم کی حوصلہ شکنی ہوگی اور دوسری جانب محنت نہ کرنے والے طلاب کو ان کی کوتاہی ولاپرواہی کے لئے مزید سہارا مل جائے گا۔

لہٰذا استاد اپنے تمام شاگردوں کے لئے یہ بات بالکل واضح کردے کہ جن طلاب کو وہ دوسروں پر فوقیت دیتا ہے یا ان کا احترام اس کی نظر میں زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ تعلیم اور اخلاقی فضائل کے اعتبار سے دوسروں سے بہتر ہیں۔

۱۱۔ ہر استاد اس موضوع کی تدریس کرے جس میں اس کو باقاعدہ مہارت حاصل ہو. کیونکہ اگر وہ ایسے موضوعات یا فنون کی تعلیم دینے کی کوشش کرے جس میں اس کے پاس لازمی مہارت یا معلومات نہیں ہیں تو اس سے خود اس کی شخصیت اور عزت پر برا اثر پڑے گا اور اسے اپنے شاگردوں کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور اس سے خود اس کے شاگردوں کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اسی طرح استاد کے لئے یہ بھی ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے موضوع یا مضمون کی

تعریف کرے اور بقیہ دوسرے علوم اور موضوعات کو فضول یا بیکار اور کم قیمت ثابت کرنے کی کوشش کرے۔

۱۲۔ استاد اپنے شاگردوں کی علمی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقفیت کے بعد ان کی علمی صلاحیتوں کے مطابق مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے اچھے، لائق اور دردمند اساتذہ کی طرف ان کی راہنمائی کرے۔

۱۳۔ جب استاد اپنے شاگردوں کی علمی صلاحیتوں پر اطمینان کرنے لگے تو عملی میدان میں اترنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرے تا کہ وہ بھی تدریس، تبلیغ یا خطابت وغیرہ کے ذریعہ دوسروں کی ہدایت کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف مقامات پر علمی و دیگر حلقوں میں ان کی شناخت کرا دے اور جہاں تک ممکن ہو ان کی تائید اور پشت پناہی بھی کرتا رہے۔



## سبق کا خلاصہ:

سلامی آداب و اخلاق کے مطابق طلاب کی تربیت کرنا، انہیں تقوائے الٰہی کی طرف دعوت دینا، ان کے ساتھ گہرے روابط اور تعلقات رکھنا، انکساری سے پیش آنا، تحقیق اور محنت و مشقت کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور آئندہ کے بارے میں انہیں پرامید بنانا، ان کے درمیان عدالت اور مساوات کا خیال رکھنا نیز ان کی ترقی اور پیش رفت کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا طلاب کے وہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی ہر استاد کے لئے ضروری ہے۔

## سوالات:

۱۔ تعلیم سے پہلے طلاب کی تربیت اور تہذیب نفس کیوں ضروری ہے؟

۲۔ استاد اور شاگرد کا رابطہ کیسا ہونا چاہئے؟

۳۔ تعلیم کے وقت استاد کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟

۴۔ طلاب کی علمی صلاحیتوں کے بارے میں ایک استاد کا فریضہ کیا ہے؟

۵۔ تعلیمی مراحل کو کامیابی کے ساتھ طے کر لینے کے بعد طلاب سے متعلق ایک استاد کی کیا ذمہ داری ہے؟

# آٹھواں سبق

# استاد کے فرائض (۳)

## ۳۔ کلاس میں استاد کے فرائض

۱۔ ہر استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ درجہ (کلاس) میں داخل ہونے سے پہلے باقاعدہ تیاری کرے اور یہ تیاری صرف درسی اعتبار سے ہی نہ ہو بلکہ اپنے لباس اور بدن کی صفائی کے علاوہ سکون واطمینان کا مظاہرہ کرے اور سنجیدہ وباوقار رہے۔ البتہ اس کا مطلب قیمتی اور شاندار کپڑے پہننا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ صاف ستھرے کپڑے ہونا چاہئیں چاہے وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں۔ مختصر یہ کہ اس کا لباس یا رہن سہن اتنا پروقار ہونا چاہئے کہ دیکھنے والا خود بخود اس کی طرف جذب ہوجائے۔

۲۔ ہر مدرس کے لئے بہتر ہے کہ تدریس کے لئے گھر سے باہر نکلتے وقت خدا کو یاد کرے اور پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُ بِکَ اَنْ اُضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اُزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَيَّ، عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ" "بارالہا میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کردوں یا خود گمراہ ہو جاؤں، دوسروں کو متزلزل کردوں یا خود متزلزل ہو جاؤں یا خود ظلم کروں یا میرے اوپر ظلم کیا جائے، جہالت میں ڈالا جاؤں یا مجھے نادانی کے چنگل میں پھنسا دیا جائے خدایا



جو تیرا ہمسایہ ہے وہ باعزت ہے اور تیری ثنا جلیل وعظیم ہے اور تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔"(۱)

پھر کہے: "بِسْمِ اللهِ حَسْبِيَ اللهُ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ جَنَانِي وَاَدِرِ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِي" "خدا کے نام سے میرے لئے اللہ کافی ہے اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور خدائے علی وعظیم کے علاوہ کوئی قدرت وطاقت نہیں ہے۔ بارالہا! میرے دل کو استواری وثبات عطا فرما اور حق کو میری زبان پر جاری فرما۔(۲)

۳۔ کلاس میں داخل ہوتے وقت طلاب کو سلام کرے اور خوشروئی کا مظاہرہ کرے اور درس کے اختتام تک سنجیدگی کو باقی رکھے اور استاد کی نقل وحرکت اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا نمونہ ہونا چاہئے۔ جو باتیں اہل علم کے لئے مناسب نہیں ہیں ان سے پرہیز کرے اور اسی طرح ان باتوں سے بھی پرہیز کرے جن کی بنا پر اس کے شاگردوں کو سنجیدگی کے ساتھ درس سننے اور سمجھنے میں زحمت ہو۔

اسی طرح استاد کے لئے ضروری ہے کہ کلاس روم میں اسی جگہ بیٹھے، یا اسی جگہ کھڑا ہو جو اس کے لئے مخصوص ہے اور اس جگہ سے وہ پورے کلاس پر مکمل تسلط رکھتا ہو۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بچے بھی اچھی طرح سبق کو سمجھ سکیں گے اور کما حقہ اس سے استفادہ کریں گے۔

۴۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے درس کا آغاز کرے اور حمد وثنائے پروردگار پر درس ختم کرے۔ اور اس طریقۂ کار کی مسلسل اتنی پابندی کرے کہ صرف درس وتدریس ہی نہیں بلکہ ہر کار خیر میں اس کی یہی عادت شاگردوں کے لئے نمونۂ عمل بن جائے علماء اخلاق نے ہمیشہ مدرس کے لئے یہ تاکید کی ہے کہ درس شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے اور اس خلوص کے ساتھ پروردگار عالم

(۱) سنن ابی داؤد: ج ۴ حدیث ۵۰۹۴، منیۃ المرید: ص ۲۰۵

(۲) سنن ابی داؤد ج ۴ حدیث ۵۰۹۵، منیۃ المرید: ص ۲۰۵

سے امداد طلب کرے۔ اس کی بنا پر ایک تو اس کے درس میں تقدس کی فضا قائم ہوگی اور طلاب درس اور استاد کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور ان کو تقدس کی نگاہ سے دیکھیں گے دوسرے یہ کہ رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ان کی نیت مزید خالص اور پاک و پاکیزہ ہو جائے گی۔

۵۔ مدرس کا انداز بیان ایسا ہو کہ اس کے شاگردوں کو بھی یہ اطمینان رہے کہ ان باتوں پر اسے بھی یقین ہے ورنہ وہ بھی ان باتوں پر کوئی دھیان نہ دیں گے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ استاد درس پڑھاتے وقت مکمل متانت اور سنجیدگی سے کام لے اور ہر قسم کی ہنسی و مذاق سے پرہیز کرے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ سبق پڑھاتے وقت سنجیدہ رہنا نرمی اور خوش مزاجی کے منافی نہیں ہے کیونکہ سنجیدگی کا مطلب تیور بدلے رہنا یا ترش روئی کا مظاہرہ کرنا اور سخت رویہ رکھنا ہرگز نہیں ہے. دوسرے یہ کہ شاگردوں کی ذہنی تکان دور کرنے کے لئے تھوڑا بہت ہنسی مذاق بھی ضروری ہے۔

۶۔ استاد اور مدرس صحیح طریقۂ تعلیم سے بھی واقف ہو یعنی طریقۂ تعلیم سے متعلق کتابوں میں بچوں کو پڑھانے اور درس دینے کے جو مختلف طریقے سکھائے گئے ہیں ان میں سے اپنے مناسب حال طریقۂ کار کو اپنائے جیسے درس کا موضوع اور شاگردوں کی علمی استعداد وغیرہ کو پیش نظر رکھے. اور پہلے دن اپنے شاگردوں کے سامنے اپنے طریقۂ تعلیم کی وضاحت کردے اسی طرح موضوع کی اہمیت اور فائدہ پر بھی کافی وشافی روشنی ڈالے تاکہ ان کے دلوں میں اس مضمون کا مزید شوق پیدا ہو جائے اور وہ اس کی باتوں کو اور زیادہ غور سے سنیں۔

۷۔ لمبی لمبی اور تھکا دینے والی بحثوں سے پرہیز کرے کیونکہ لمبی بحث اور وقت کی زیادتی کی وجہ سے شاگرد درس سنتے وقت کوئی توجہ نہیں دیتے ہیں۔

استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہم نکات میں اتنی جلد بازی نہ کرے کہ اس کے



شاگرد اس کی بات سمجھ ہی نہ پائیں اور وہ آگے بڑھ جائے لہٰذا انہیں اتنا موقع ضرور دے کہ وہ آسانی تمام مطالب ذہن نشین کرسکیں۔

بہر حال یہ طے ہے کہ بات جتنی مختصر اور مفید ہوگی اتنا ہی زیادہ ذہن نشین رہے گی جیسا کہ سننے والے پر احادیث معصومینؑ اسی لئے جلد اثر انداز ہوتی ہیں کہ وہ نہایت مختصر اور مفید ہیں۔

۸۔ نصاب تعلیم، طریقۂ تعلیم، کلاس کا وقت اور موضوعات کی ترتیب بھی شاگردوں کی مصلحت کے مطابق ہو اور ایسا طریقۂ کار اپنائے جس سے شاگردوں پر کم سے کم بوجھ پڑے اور وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں اسی طرح استاد کی آواز نہ اتنی بلند ہو کہ سننے والوں کو پریشانی ہو جائے اور نہ ہی اتنی آہستہ ہو کہ انہیں سننے میں زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

۹۔ حتی الامکان کلاس میں شور نہ ہونے دے کیونکہ اس سے ایک طرف تو استاد اور درس کی توہین ہوتی ہے اور دوسری جانب یہی شور شرابہ بسا اوقات خطرناک صورت اختیار کرلیتا ہے اور اس سے بچوں کی ذہنیت خراب ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ بچوں کو کلاس کا نظم و ضبط باقی رکھنے کے علاوہ کلاس کے احترام کی طرف بھی متوجہ کرتا رہے اور ان کے اندر اخلاقی اور سماجی فرائض کے بارے میں احساس ذمہ داری پیدا کرے اور انہیں ایسا بنانے کی کوشش کرے کہ وہ گھر، سماج یا کسی دوسری جگہ ہر طرح ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکیں۔

۱۱۔ سوالات کا جواب دیتے وقت بہت ہی کھلے دل اور اپنائیت کا مظاہرہ کرے نیز سوالات کو بغور سنے. کیونکہ بعض شاگرد مختلف مقاصد کے تحت سوال کرتے ہیں مثلاً کچھ استاد کی قوت تحمل کا امتحان لیتے ہیں جب کہ کچھ درس کا موضوع تبدیل کرنے یا اظہار قابلیت کے لئے سوال کرلیتے ہیں لہٰذا استاد کو ہر اعتبار سے چوکنا رہنا چاہئے اور نہایت متانت کے ساتھ ان کا جواب دینا چاہئے تاکہ

سوال کرنے والے کے لئے کسی غلط استفادہ کا امکان باقی نہ رہ جائے۔

۱۲۔ استاد کا ایک اور اہم فریضہ یہ ہے کہ جو چیز اسے معلوم نہیں ہے اس کا مبہم یا گول مول جواب دینے کے بجائے صاف صاف یہ کہدے کہ مجھے معلوم نہیں ہے. کیونکہ یہ کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے: "اِذَا سُئِلْتُمْ عَمَّا لَا تَعْلَمُوْنَ فَاهْرَبُوْا، قَالُوْا وَ کَیْفَ الْهَرَبُ، قَالَ: تَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ" "جب تم سے ایسا سوال کرلیا جائے جس کا جواب تمہیں معلوم نہ ہو تو فرار کرو! سوال کیا گیا کہ کیسے فرار کریں فرمایا: یہ کہو: کہ خدا بہتر جانتا ہے۔"(۱)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: "مَا عَلِمْتُمْ فَقُوْلُوْا وَمَالَمْ تَعْلَمُوْا فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ. اِنَّ الرَّجُلَ یُسْرِعُ بِالْآیَةِ مِنَ الْقُرْآنِ یَخِرُّ فِیْهَا اَبْعَدَ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" "جو کچھ تمہیں معلوم ہے اسے بیان کردو اور جو کچھ نہیں جانتے ہو تو کہہ دو کہ اللہ بہتر جانتا ہے یقیناً اگر کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت میں جلد بازی کا شکار ہوجائے (غلط جواب دیدے) تو اس کی بنا پر وہ زمین وآسمان کے فاصلہ سے زیادہ پستی میں چلا جاتا ہے۔"(۲)

بعض لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ "مجھے معلوم نہیں" کہنے میں ہماری توہین ہوتی ہے اور اس سے شاگردوں کے درمیان ہماری سبکی ہوتی ہے ہماری شان ومنزلت پر اثر پڑتا ہے جب کہ معاملہ برعکس ہے. کیونکہ جب شاگرد یہ دیکھتے ہیں کہ استاد کو جو نہیں معلوم ہوتا ہے وہ اس کا اعتراف کرلیتا ہے تو اس پر ان کا اعتماد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ وہ جو بات بھی کہتا ہے وہ یقیناً علمی اور مستحکم ہے اور اس کے ساتھ وہ اس بات کو اس کے تقویٰ اور صاف گوئی کی علامت قرار دیتے ہیں. کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر شخص کا علم محدود ہے اور وہ ہر سوال کا جواب نہیں دے سکتا لہذا از بردستی تصنع اور ریاکاری

(۱) سنن دارمی: ج۱ منیۃ المرید ص ۲۱۵
(۲) اصول کافی. ج۱ ص ۴۲



کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر سوال کا جواب ضرور دیا جائے ورنہ طلاب یہی سمجھیں گے کہ اسے کچھ معلوم نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی ثبوت اور دلیل کے بغیر اپنی طرف سے ہی جواب دیتے رہتے ہیں۔

۱۳۔ درس ختم کرنے سے پہلے پورے درس کو ایک بار ترتیب وار بیان کردے اور اہم نکات کو دوبارہ بیان کرے درس کا نتیجہ بھی ضرور بیان کرے اگر کوئی پہلو چھوٹ گیا ہے یا ناقص بیان کیا ہے اسے پورا کردے اور کوئی بھی موضوع بچوں کے ذہن میں ناقص نہ رہنے دے اس طرح احتمالی نقائص کو دور کرتے وقت استاد تمام درس کو ایک بار ضرور دہرادے تاکہ اگر طلاب نے کوئی بات غلط سمجھ لی ہے تو اسی وقت اس کی اصلاح ہوجائے اور اسی طرح اگر کوئی غلطی ہوجائے تو شہامت اور جوانمردی کے ساتھ س کا اعتراف کرے اور شاگردوں سے معذرت طلب کرے کیونکہ امانت داری اور تواضع کا تقاضہ یہی ہے کہ غلطی کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کے لئے معذرت بھی کی جائے اور جو استاد اپنے شاگردوں سے معذرت کرلیتا ہے ان کے دلوں میں اس کی محبت اور زیادہ بڑھ جایا کرتی ہے۔

۱۴۔ گذشتہ علماء ایک استاد اور مدرس کے لئے یہ تاکید بھی فرماتے تھے کہ استاد درس کے خاتمہ پر اپنے شاگردوں کو نصیحت ضرور کرے تاکہ ان کے نفس کا تزکیہ اور باطن کی طہارت ہوسکے. کیونکہ علم صرف پاک وپاکیزہ دل میں ہی باقی رہتا ہے۔

۱۵۔ درس کے آخر میں تھوڑا وقت بچائے تاکہ اگر کسی کو کچھ سوال کرنا ہو تو وہ دریافت کرسکے. اور فوراً کلاس سے باہر نہ جائے اسی طرح اگر کوئی شاگرد درس ختم ہونے کے بعد باہر جانا چاہتا ہے تو اسے نہ روکے۔

۱۶۔ بہتر یہی ہے کہ حمد وثنائے الٰہی اور دعا پر درس تمام کرے اس سلسلہ میں پیغمبر اکرمؐ کی ایک دعا نقل ہوئی ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا مَا اَخْطَأْنَا وَمَا تَعَمَّدْنَا وَمَا اَسْرَرْنَا وَمَا اَعْلَنَّا وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنَّا اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ"

"بارالٰہا! ہم سے جو عمداً،مخفی طور پر یا علانیہ غلطی ہوگئی ہے اور جو کچھ تو جانتا ہے اسے معاف فرمادے تو ہی سب سے مقدم اور تو ہی سب سے مؤخر ہے تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔"(۱)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۲ ص ۶۳



## سبق کا خلاصہ:

بدن اور لباس کی صفائی کا خیال، تدریس کے لئے باہر نکلتے وقت دعا، کلاس میں داخل ہونے سے پہلے سلام، درس کو خدا کے نام سے شروع کرنا اور حمد وثنائے الٰہی پر تمام کرنا، یہ سب تدریس کے آداب ہیں۔

صحیح طریقۂ تعلیم کا استعمال، طولانی اور تھکا دینے والی باتوں سے پرہیز، شاگردوں کی مصلحت کا خیال، کلاس کے نظم وضبط پر قابو، اپنی علمی ناتوانی کا اقرار، سوالات کا جواب دینے میں وسعت قلب کا مظاہرہ، درس کے آخر میں تمام باتوں کا خلاصہ، اور درس کا نتیجہ بیان کرنا بھی استاد کے وظائف میں شامل ہے۔

## سوالات:

۱۔ درس سے پہلے استاد کے لئے کن آداب کی پابندی ضروری ہے؟

۲۔ شاگردوں کو کلاس میں بحث ومباحثہ سے روکنا کیوں ضروری ہے؟

۳۔ جو باتیں نہیں جانتا ہے ان کا جواب دینے کے بارے میں استاد کو کیا کرنا چاہئے؟

۴۔ سبق شروع کرنے اور ختم کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

# نواں سبق

## طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں (۱)

جیسا کہ گذشتہ دروس میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ استاد کے فرائض تین طرح کے ہوتے ہیں، اسی طرح شاگردوں کے فرائض کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ طلاب کے فرائض خود اپنے سلسلے میں۔

۲۔ طلاب کے فرائض استاد کے بارے میں۔

۳۔ کلاس میں طلاب کے فرائض۔

واضح رہے کہ جو طلاب دار الاقامہ (ہاسٹل) میں یا کسی اور جگہ ایک ساتھ رہتے ہیں ان کے بھی کچھ آداب ہیں لیکن فی الحال ہم طلاب کے عام فرائض اور آئندہ درس میں کلاس اور استاد کے بارے میں ان کے فرائض کا تذکرہ کریں گے آخر میں ہاسٹل سے متعلق فرائض کا تذکرہ کیا جائے گا۔

### ۱۔ اپنے بارے میں طالب علم کے فرائض اور ذمہ داریاں

ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے اپنے کو تعلیم کے لئے اچھی طرح آمادہ کرے یعنی اپنے نفس اور دل کو بالکل صاف ستھرا بنالے۔ دل کو پاک وصاف بنانا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کسان کھیت میں بیج بونے سے پہلے زمین کو صاف کر کے کاشت کے لئے

آمادہ کرتا ہے اسی طرح علوم الٰہیہ حاصل کرنے سے پہلے دل کو کینہ اور گناہ وغیرہ سے پاک وصاف کرنا ضروری ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا أُصْلِحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَ إِذَا فُسِدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ'' ''جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح وسالم رہے تو پورا جسم صحیح وسالم رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ ''وہ دل'' ہے۔(۱)

علماء اخلاق نے حافظہ کی تقویت کے لئے تقویٰ اختیار کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے کیونکہ روحانی بیماریاں علوم الٰہیہ کے دروازہ کو بند کر دیتی ہیں لہذا مناسب یہی ہے کہ طلاب کرام حتی الامکان اپنے نفوس، ارواح اور دلوں کو ہر قسم کے گناہ اور برائیوں سے محفوظ رکھیں۔

۲۔ زندگی کا بہترین دور جو تعلیم کے لئے سب سے اچھا وقت ہے اسے بالکل ضائع نہ کریں کیونکہ اس دور میں انسانی جسم کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں اپنے عروج پر رہتی ہیں اور معمولی سی محنت سے بہت زیادہ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ دوسری ذمہ داریاں بھی اتنی زیادہ نہیں ہوتی ہیں جن سے ذہن پر زیادہ بوجھ پڑنے کا امکان ہو پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے: ''مَثَلُ الَّذِي يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِي صِغَرِهِ كَالنَّقْشِ عَلَى الْحَجَرِ وَمَثَلُ الَّذِي يَتَعَلَّمُ فِي الْكِبَرِ كَالَّذِي يَكْتُبُ عَلَى الْمَاءِ'' ''جو شخص بچپنے میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ علم پتھر کی لکیر کی طرح باقی رہتا ہے اور جو شخص بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے پانی کے اوپر کوئی تحریر بنا دی جائے۔''(۲)

(۱) صحیح بخاری: ج۱ کتاب الایمان، منیۃ المرید: ص۲۲۳، بحار الانوار: ج۵۸ ص۲۳

(۲) الجامع الصغیر: ج۲ حرف میم، منیۃ المرید: ص۲۲۵



واضح رہے کہ انسان کی عمر میں جس قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس کی جسمانی توانائیاں اسی طرح کم ہوتی جاتی ہیں جیسے کہ قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾(۱) ''اور ہم جسے طویل عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں بچپنے کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔''

مختصر یہ کہ تعلیم کے مواقع روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں اور تعلیم کو جاری رکھنا روز بروز دشوار ہوتا چلا جاتا ہے البتہ یہ یاد رہے کہ اگر انسان اپنی کمسنی میں اچھی طرح علم حاصل کر لے تو اس کی علمی اور روحانی صلاحیتیں اس کی جسمانی قوتوں کی جگہ لے لیتی ہیں اور اس طرح وہ بڑھاپے میں بھی اپنے علم میں اضافہ کر سکتا ہے۔ لہذا بچپنے سے ہی تعلیم کا آغاز کرنا چاہئے البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر انسان کی عمر زیادہ ہو جائے تو وہ تعلیم حاصل نہ کرے بلکہ تاریخ میں ''سکاکی'' جیسے افراد موجود ہیں جنہوں نے چالیس سال کے سن میں تعلیم کا آغاز کیا اور اپنی محنت اور انتھک کوششوں کے نتیجہ میں اسلام کے مشہور ومعروف علماء کے درمیان اپنا ایک مقام بنایا۔

۳۔ حتی الامکان ایسی مصروفیتوں اور مشغولیتوں سے دور رہیں جن سے ان کی تعلیم پر غلط اثر پڑتا ہے اور ان کی فکر دوسری طرف لگ جاتی ہے کیونکہ اگر انسان کے ذہن پر کھانے، پینے اور کپڑے، گھر، تفریح یا کام کاج، آمدنی اور اخراجات جیسے افکار غالب رہیں تو پھر علمی مسائل کے بارے میں سوچنے کا امکان باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ کیونکہ تعلیم کے لئے صبر وحوصلہ اور مسلسل جہاد نفس کی ضرورت ہوتی ہے اور وقتی لذتوں سے چشم پوشی کرنا پڑتی ہے لہذا دنیاوی آسائش وآرام اور اس کی رنگینیوں کی موجودگی میں تعلیم کا جذبہ بالکل سرد پڑ جاتا ہے۔

۴۔ اپنے دوستوں یا دیگر متعلقین سے اپنے روابط کے بارے میں از سر نو غور کریں اور ایسے دوستوں کا انتخاب کریں جو علم دوست ہوں کیونکہ جو دوست لاابالی اور وقت ضائع کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔

(۱) سورۂ یٰسین: آیت ۶۸

ان کی دوستی سے پڑھنے والے بچوں پر بھی غلط اثر پڑتا ہے. اور ایسے دوست انہیں بھی ترقی اور کامیابی کی راہ پر نہیں چلنے دیتے ہیں۔

۵۔ حوصلہ اور ہمت کو بہت بلند رکھے تاکہ اس کے اندر اعلی علمی مدارج تک پہونچنے کا جذبہ باقی رہے اس صورت میں عزم محکم اور پختہ ارادہ کے ساتھ اپنی تعلیم کو آگے بڑھائے گا لیکن اگر وہ کسی معمولی درجہ پر قناعت کرلے اور اس کو اپنے لئے کافی سمجھنے لگے تو پھر وہ یقیناً ترقی کی مزید منزلیں طے نہیں کرسکتا ہے۔

۶۔ علمی باتوں کے بارے میں اس کے اندر لگن اور شوق ہونا چاہئے. اور جہاں کہیں بھی کوئی علمی بات نظر آئے اس کے بارے میں کسی قسم کی تساہلی سے کام نہیں لینا چاہئے۔

۷۔ تعلیم حاصل کرتے وقت عقل و منطق کو معیار قرار دے اور صحیح طریقہ سے تعلیم حاصل کرے اور جب تک ابتدائی و مقدماتی درجے طے نہ کرلے عمیق اور پیچیدہ مطالب کی طرف قدم نہ بڑھائے کیونکہ بنیاد مضبوط کئے بغیر بڑی بڑی کتابوں میں مشغول ہونا ایک غلط طریقہ کار ہے جس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

## ۲۔ استاد سے متعلق طلاب کے فرائض

۱۔ استاد کے بارے میں طلاب کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ نیک اور صالح استاد کا انتخاب کریں کیونکہ ان کی فکری اور روحانی تعلیم و تربیت میں استاد کا بنیادی کردار ہوتا ہے لہٰذا استاد کے اندر دو چیزوں کا وجود نہایت ضروری ہے. ۱۔ نیک اور صالح ہو، تاکہ اس کے شاگردوں پر اس کی رفتار و گفتار کا مثبت اثر ہو سکے. ۲۔ علمی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے بالکل پختہ اور تجربہ کار ہو۔

۲۔ استاد کو اپنے باپ کی طرح بلکہ اس سے بھی برتر سمجھنا چاہئے کیونکہ والدین بچہ کی جسمانی نشو و نما کرتے ہیں لیکن استاد اس کی روحانی تربیت کرتا ہے اسی بارے میں امام زین العابدینؑ نے یہ فرمایا



ہے. "وحقُّ سائسِک بالعِلم، التَّعظیمُ لهُ والتَّوقیرُ لِمجلِسِهِ وحُسنُ الاستِماعِ إلیهِ والإقبالُ علیهِ ولا ترفعَ علیهِ صوتَکَ ولا تُجیبَ أحداً یسألُهُ عن شيءٍ حتّی یکونَ هوَ الّذي یُجیبُ ولا تُحدِّثَ في مَجلِسِهِ أحداً ولا تغتابَ عِندَهُ أحداً وأن تدفعَ عنهُ إذا ذُکِرَ عندکَ بسوءٍ وأن تستُرَ عیوبَهُ وتُظهِرَ مناقِبَهُ ولا تُجالِسَ لهُ عدوّاً ولا تُعادي لهُ ولیّاً فاذا فعلتَ ذلکَ شهدتْ لکَ ملائکةُ اللهِ جلَّ وعزَّ بأنّکَ قصدتَهُ وتعلَّمتَ علمَهُ للهِ جلَّ اسمُهُ لا للنّاسِ۔(۱)

''جس نے بھی علم و معرفت کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کا احترام کرو اس کی بارگاہ کو محترم سمجھو اور اس کی باتوں کو بغور سنو اس کی جانب اپنا رخ رکھو، اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرو، اگر کوئی اس سے سوال کرے تو تم جواب نہ دو بلکہ اسے جواب دینے دو، کسی کے سامنے اس کی غیبت نہ کرو اور اگر کوئی تمہارے سامنے اس کی برائی کرے تو اس کا دفاع کرو. اس کے عیوب کو چھپاؤ اور اچھائیوں کو ظاہر کرو، اس کے دشمنوں کے ہم نشین نہ بنو، اس کے دوستوں سے دشمنی نہ کرنا. اگر تم اس پر عمل کرلو گے تو خداوند عالم کے فرشتے تمہارے لئے اس بات کی گواہی دیں گے کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے اور اس سے خدا کے لئے تعلیم حاصل کی ہے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے۔''

۳۔ اپنے استاد کے سامنے تواضع اور انکساری سے پیش آئے. کیونکہ ہر عالم کے سامنے تواضع ضروری ہے لہٰذا جو شخص عالم بھی ہو اور استاد بھی ہو وہ تواضع کا زیادہ حقدار ہے اور دوسرے یہ کہ تواضع تعلیم کی بنیادی شرط بھی ہے تکبر اور غرور کے ساتھ علم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ: ج ۲ حدیث ۱۶۲۶

جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَ تَعَلَّمُوْا لِلْعِلْمِ السَّكِينَةَ وَالْوَقَارَ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ'' ''علم حاصل کرو اور پھر علم کے لئے سنجیدگی اور وقار کا درس حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آؤ۔''(۱)

۴۔ طالب علم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی رائے پر اپنے استاد کی رائے کو ترجیح دے اور کسی بھی مسئلہ میں اپنے استاد کو جاہل اور نادان نہ سمجھے. اور جہاں تک ممکن ہو اپنی بات کو غلط سمجھے اور استاد کے نظریہ کو صحیح قرار دے اس سے ایک جانب تو استاد کا احترام باقی رہتا ہے اور دوسری جانب اس موضوع کے بہت سارے مبہم گوشے واضح اور آشکار ہو جاتے ہیں۔

اور اگر بالفرض استاد کی بات غلط بھی ہو تب بھی اس کو دوسرے طلاب کے سامنے بیان نہ کرے جیسا کہ نہ جانے ایسے کتنے علماء گذرے ہیں جن کا نظریہ ان کے استاد کے نظریہ کے بالکل برعکس تھا مگر جب تک ان کے اساتذہ زندہ رہے انہوں نے صرف ان کے احترام میں اپنا نظریہ ظاہر نہیں کیا۔

۵۔ یہ بات بھی آداب میں شامل ہے کہ اپنے استاد کا تذکرہ ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ کیا جائے، اور اسے انہیں القاب وغیرہ سے پکارا جائے جو ان کے شایان شان ہیں اسی طرح اپنی کسی کتاب، مضمون، یا خط وغیرہ میں بھی استاد کے شایان شان الفاظ استعمال کئے جائیں۔

۶۔ شاگردوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے استاد کی زحمتوں کے قدرداں ہوں اور حتی الامکان اس کی پریشانیوں میں اس کا ساتھ دیں اور اگر وہ اس دنیا سے چلا جائے تو اس کے لئے دعائے خیر کریں اور اس سے وفاداری اور اس کی قدردانی کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی سیرت و اخلاق کے سانچہ میں ڈھال لیں اور اسی کے مطابق زندگی گذاریں۔

(۱) کنز العمال: ح ۲۸۷۱۷، منیۃ المرید، ص ۲۳۳



۷۔ درس کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی ضروری ہے کہ استاد کے لئے بہترین جگہ محفوظ رکھیں اور جب تک استاد موجود رہے اس کے سامنے باادب رہیں یعنی نشست و برخاست اس کی باتیں سننے اور اس سے بات کرنے کا طریقہ بھی مؤدبانہ ہونا چاہئے۔

۸۔ اس بات پر توجہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ استاد کے جوش و جذبہ اور شوق و ولولہ کا تعلق دراصل طلاب کے جوش اور جذبہ نیز ان کے ذوق وشوق سے مربوط ہوتا ہے. لہٰذا تمام طلاب حتی الامکان ایسی تعلیمی فضا قائم رکھیں جس سے استاد کو ان کی دلچسپیوں کا احساس رہے اور ہر اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے استاد کے دل کو ٹھیس پہونچے اور اس کی حوصلہ شکنی ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب شاگرد استاد کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنیں اور جو کچھ مشق وغیرہ لکھنے کے لئے دے اس کو مکمل کر کے دکھاتے رہیں۔

۹۔ استاد کی زبانی یا عملی لغزشوں سے چشم پوشی کرنا چاہئے کیونکہ استاد بہرحال معصوم نہیں ہے اور اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کریں جس کی بنا پر اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے مثلاً اگر اس کے کپڑے صحیح نہیں ہیں یا بٹن کھلا ہے یا غلط بند کر لیا ہے تو اسے خاموشی سے اور سلیقہ کے ساتھ متوجہ کرنا چاہئے تاکہ دوسروں کو احساس نہ ہونے پائے اور استاد کا احترام بھی باقی رہے۔

۱۰۔ حتی الامکان اس کو زحمت نہیں دینا چاہئے اور صرف مناسب اوقات میں ہی استاد سے ملاقات کرنا چاہئے. اور آرام یا گھریلو کاموں کے وقت اس کے گھر جا کر اسے پریشان نہ کرنا چاہئے۔

## سبق کا خلاصہ:

تعلیم کے لئے تیاری، جوانی کی فرصت سے استفادہ، غیر ضروری فکری مصروفیتوں سے پرہیز، اچھے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست، بلند ہمتی، اعلیٰ مقصد پر نظر، تعلیم کا شوق، مطالعہ کے صحیح طریقہ کا انتخاب، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی جانب طالب علم کو تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے دھیان دینا چاہئے۔

بہترین استاد کا انتخاب، استاد کے پدرانہ نقوش پر توجہ، اس کے سامنے تواضع وانکساری، اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی استاد کے بارے میں شاگردوں کے اہم فرائض ہیں۔

## سوالات:

۱۔ علم حاصل کرنے کی تیاری کس طرح کی جائے؟

۲۔ تعلیم کے لئے سب سے زیادہ مناسب وقت کونسا ہے؟

۳۔ تعلیم کے دوران کن باتوں سے پرہیز ضروری ہے؟

۴۔ استاد کا انتخاب کرتے وقت کن خصوصیات کا خیال رکھنا چاہئے؟

۵۔ شاگرد کے اوپر استاد کے کیا حقوق ہیں؟

۶۔ استاد کے بارے میں شاگرد کے اخلاقی فرائض کیا ہیں؟

## دسواں سبق

# طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں (۲)

### ۳۔ کلاس میں طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں

۱۔ علماء اسلام کی جانب سے طلاب کے لئے سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ قرائت وحفظ قرآن کے لئے زیادہ سے زیادہ سعی وکوشش کریں کیونکہ قرآن مجید تمام اسلامی علوم ومعارف کا سرچشمہ ہے لہذا اس سے واقفیت کے بغیر ہر علم ابتر اور ناقص ہے۔ دوسرے یہ کہ حفظ وقرائت قرآن مجید ہر اعتبار سے بابرکت ہے اور اس سے انسان کے قلب وروح کے اندر شادابی پیدا ہوجاتی ہے جس سے تعلیم میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

۲۔ طالب علم اپنی صلاحیتوں کو اچھی طرح پرکھ لے اور اپنے ذہن اور حافظہ پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے البتہ یہ واضح رہے کہ جب انسان تعلیم کی راہ میں آگے قدم اٹھاتا ہے تو اس کے سامنے علم کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور اس کی توانائیوں اور صلاحیتوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۳۔ مطالعہ کرنے یا سبق یاد کرنے کا صحیح طریقہ اپنائے اور کسی چیز کو ذہن اور حافظہ کے سپرد کرنے سے پہلے اس کی صحت یا ضعف کے بارے میں اطمینان پیدا کرلے کیونکہ جو بات ذہن میں

غلط طریقہ سے بیٹھ جاتی ہے اس کی اصلاح نہایت دشوار بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتی ہے۔

۴۔ طالب علم کا ایک نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) ہونا ضروری ہے جس کے مطابق وہ پورے دن پابندی کے ساتھ اپنے تمام تعلیمی امور انجام دے سکے۔ اور وقت کو اس طرح تقسیم کرے کہ اس میں کسی قسم کی افراط یا تفریط نہ ہو اور ایسا بھی نہ ہو کہ ایک دم کسی کام کے پیچھے پڑ جائے اور دوسرے کام کو بالکل نظر انداز کر دے بلکہ تمام چیزوں کو مناسب مقدار میں انجام دیتا رہے۔

۵۔ تعلیم کے لئے صبح سویرے کا وقت منتخب کرے کیونکہ یہی وقت تعلیم کے لئے سب سے بہتر ہوتا ہے جس میں انسان جسمانی اور ذہنی اعتبار سے تر و تازہ اور شاداب رہتا ہے اور اس وقت کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا بھی دلنشین ہوتی ہے۔

۶۔ درس کی مکمل تیاری کے ساتھ کلاس میں جائے جسمانی اور ذہنی مختصر ورزش، جسم اور لباس کی صفائی، اور وضو کرنے سے انسان کے اندر تازگی پیدا ہوتی ہے اسی طرح درسی ضروریات کی چیزیں جیسے کتاب، قلم، کاپی وغیرہ بھی ساتھ رکھے نیز درس سے پہلے اس درس کا مطالعہ بھی ضرور کرنا چاہئے۔

۷۔ درس شروع ہونے کے بعد استاد کے بیانات کو بغور سنے اور ہر مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے اور اگر کہیں کوئی قابل اعتراض بات نظر آئے تو استاد سے دریافت کرلے۔ اور یہ خیال نہ کرے کہ غور سے سن لینا ہی کافی ہے بلکہ سننے کے ساتھ اس کا خلاصہ لکھنا اور دہراتے رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔

۸۔ کسی اہم عذر کے بغیر غیر حاضر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بعض علمی مسائل ایسے ہوتے ہیں جو مسلسل کئی دن تک بیان ہوتے ہیں لہذا اگر اس دوران کسی ایک دن درس سے غائب ہو جائے تو آئندہ درس سمجھنا بہت مشکل ہے اور اس طرح وہ پورا موضوع ہی اس کے لئے ناقص رہ



جائے گا۔

۹۔ درجہ میں داخل ہونے سے پہلے سب کو سلام کرے اور اگر استاد درجہ میں موجود ہو تو اس کے احترام کی بنا پر اسے خاص طور سے الگ سے سلام کرے اور اگر استاد بعد میں کلاس کے اندر آئے تو سب اس کے احترام میں کھڑے ہو جائیں، سلام کریں اور اس کے بیٹھنے کے بعد یا اس کی اجازت سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھیں۔

۱۰۔ کلاس میں کسی بہتر جگہ پر نہ بیٹھے مگر یہ کہ وہاں بیٹھنے کے لئے مجبور ہو بلکہ جو جگہ تواضع اور انکساری کے مطابق نیز درس سننے کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہو وہاں بیٹھے اور کلاس کے گوشے یا کونے میں یا ستون کے پیچھے نہ بیٹھے کیونکہ ان امور کی وجہ سے درس اور استاد کی طرف سے بے توجہی پیدا ہوتی ہے۔

۱۱۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا چاہئے۔ لہذا جن باتوں سے دوسروں کو پریشانی ہوتی ہے جیسے استاد یا تختۂ سیاہ کو دیکھنے میں زحمت ہوتی ہے تو ان سے پرہیز کیا جائے اور اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ جن بچوں کا قد زیادہ ہے وہ کلاس کے پیچھے والی صف میں بیٹھیں تا کہ چھوٹے قد والے بآسانی تختۂ سیاہ کو دیکھ سکیں یا اسی طرح جن کی نگاہ کمزور ہے انہیں بھی آگے بیٹھنا چاہئے اور جب کوئی طالب علم سوال کرے تو دوسرے طلاب کو اس کی باری کا خیال رکھنا چاہئے اور کسی کو بھی دوسرے کا وقت نہیں لینا چاہئے۔

۱۲۔ اپنے درمیان ایک دوسرے کے آداب کا خیال رکھنا چاہئے اور کسی کی توہین یا استہزا نہ کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کی بات کاٹنا، ایک دوسرے پر جملے کسنا، کسی کا نیا نام (جس میں اس کی کسر شان ہو) رکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کسی کے بیٹھنے کے لئے جگہ تنگ نہ کریں، درسیات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہئے یعنی جو بچے ذہین ہیں وہ کمزور بچوں کی مدد کریں۔

## ہوسٹل میں رہنے کے آداب

اس سبق کے آغاز میں ہم نے یہ اشارہ کیا تھا کہ جو طلاب دارالاقامہ (ہوسٹل) میں رہتے ہیں ان کی ذمہ داریاں کچھ اور زیادہ ہیں جن میں سے بعض اہم ذمہ داریوں کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ ہر اسکول یا مدرسہ کسی خاص مقصد کے تحت قائم کیا جاتا ہے اور اسی مقصد کے مطابق اس میں تعلیم دی جاتی ہے چنانچہ بانی اور منتظمین کی نیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں کچھ لوگ واقعاً ایسے دردمند ہوتے ہیں جو اپنے یہاں اچھے اور متدین علماء کی تربیت کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض اسکولوں میں بچوں کو گمراہ اور منحرف کرنے کے لئے اور انہیں غلط راستے پر لگانے کی تعلیم دی جاتی ہے لہذا ہر اسکول یا مدرسہ میں داخلہ لینے سے پہلے وہاں کے حالات کا باقاعدہ جائزہ لے لیا جائے تاکہ بعد میں افسوس نہ ہو۔

بعض مخیّر حضرات حصول برکت یا ایصال ثواب کے لئے اسکول یا مدرسہ تعمیر کراتے ہیں اور وہ طلاب کی دعائے خیر کے منتظر رہتے ہیں لہذا انہیں بھی ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

۲۔ دارالاقامہ کے قواعد وضوابط کی مکمل پابندی کرنا چاہئے اگرچہ یہ قوانین بسا اوقات بعض طلاب کے مزاج اور خواہش کے مطابق نہیں ہوتے لیکن اگر یہی طے ہو جائے کہ ہر طالب علم اپنی من مانی کرے گا اور اپنے کو قوانین کا پابند نہ بنائے گا تو پھر کسی کے لئے بھی وہاں رہنا ممکن نہ رہ جائے گا۔

۳۔ مدرسہ اور دارالاقامہ کی صفائی کا خیال رکھنا اور اس کے قوانین کی پابندی تمام طلاب کا فریضہ ہے لہذا اس قسم کے ماحول میں تساہلی یا بے اعتنائی کی بنا پر اپنی بعض ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور انہیں ایک دوسرے کے اوپر ٹالنے کی کوشش نہ کریں اسی طرح جو کام سب مل کر



انجام دیتے ہیں (جیسے پورے ہوسٹل کی صفائی) ان میں بھی سب کو مشترکہ طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔

۴۔ ہوسٹل کے اندر موجود ہر طالب علم کا ایک حق ہے اس حق کا احترام ضروری ہے اس کی پڑھائی، مطالعہ یا آرام وغیرہ کے دوران کسی کو رخنہ اندازی کا حق نہیں ہے لہذا ہر ایک کو دوسرے کے حق کا خیال رکھنا چاہئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ، بالکل سگے بھائیوں کی طرح رہنا چاہئے۔

۵۔ ہر طالب علم کو دوسروں کے لئے نمونہ عمل ہونا چاہئے. لہذا جو لڑکے اخلاقی یا تعلیمی لحاظ سے کمزور ہوں یا دوسرے کی پڑھائی وغیرہ میں رخنہ انداز ہوتے ہوں ان سے حتی الامکان دور رہنا چاہئے نیز ان آداب کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے جن کا تذکرہ ہم ''دوستوں کے انتخاب'' کے تحت پہلے ہی کر چکے ہیں۔

۶۔ ہوسٹل کے طلاب کو آپس میں گھل مل کر رہنا چاہئے اور ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنا چاہئے اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے کمرے میں جا کر اپنے دوستوں کی مزاج پرسی کرتے رہنا چاہئے تاکہ اگر کوئی غیر حاضر ہو تو اس کی وجہ معلوم ہو سکے اور اگر اسے کوئی پریشانی یا زحمت میں مبتلا ہے تو بر وقت اس کی مدد ہو سکے. البتہ یہ دھیان رہے کہ آرام یا پڑھائی کے اوقات میں کسی کے پاس جانے یا وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے سے پرہیز ضروری ہے۔

۷۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہوسٹل میں مختلف علاقوں، ملکوں، رنگ ونسل یا متعدد مزاج کے افراد رہتے ہوں لہذا بہت ممکن ہے کہ ان کے عادات واطوار، تہذیب وتمدن ایک دوسرے سے میل نہ کھاتے ہوں لہذا ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے حد سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور ایسے مسائل کو سرسری طور سے درگذر کر دینا چاہئے. اور حتی الامکان چشم پوشی سے کام لینا چاہئے. کیونکہ عفو وچشم پوشی ہی انسان کی شرافت وبلندی کی دلیل ہے البتہ اگر کوئی شخص کسی گناہ یا غلطی کا مرتکب ہو رہا

ہوتو اسے محبت کے ساتھ سمجھا دینا چاہئے۔

۸۔ ہوسٹل سے باہر جانے اور واپس آنے نیز سونے اور جاگنے کے اوقات کی پابندی کے علاوہ یہ خیال بھی رکھنا چاہئے کہ ہوسٹل کے نظام الاوقات میں خلل نہ پڑنے پائے اسی طرح راستوں یا زینہ پر سامان وغیرہ نہ رکھیں جس سے دوسروں کو زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔



## سبق کا خلاصہ:

ہر طالب علم کو اپنی تعلیم کے دوران ایک منظم پروگرام کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اپنے ٹائم ٹیبل کو اس طرح منظم کرنا چاہئے کہ وہ اپنے وقت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے۔

کلاس میں ایسی جگہ بیٹھے جس سے استاد کی بے احترامی نہ ہو۔ اور دوسرے طلاب کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

ہوسٹل کے قوانین کی پابندی، صفائی کا خیال رکھنا، دوسروں کے حقوق کی رعایت کرنا اور ان کی تعلیم یا آرام میں رخنہ اندازی نہ کرنا ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہنا بھی ہوسٹل کے آداب میں شامل ہیں۔

## سوالات:

۱۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اسے حفظ کرنے سے طالب علم کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟

۲۔ کلاس اور مطالعہ کے وقت طالب علم کو کن آداب کا خیال رکھنا چاہئے؟

۳۔ درس پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا سب سے اچھا وقت کونسا ہے؟

۴۔ کلاس میں داخل ہوتے وقت طالب علم کے لئے کن آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

۵۔ اپنی تعلیم کے لئے کس اسکول یا مدرسہ کا انتخاب کرنا چاہئے؟

# گیارہواں سبق

## شادی

شادی بیاہ کر کے اپنا گھر بسانا ہر قوم و قبیلے میں زمانہ قدیم سے ہی رائج ہے اور یہ کسی خاص قوم یا ملک وملت کا شیوہ نہیں ہے بلکہ یہ وہ سنت ہے جو تاریخ بشریت کے قدم بہ قدم چلی آرہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق انسان کی فطرت اور خواہشات سے ہے. البتہ اس مقام پر اہم مسئلہ یہ ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان اس کی کیا اہمیت ہے؟ اور وہ اسے کس زاویہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے یہاں اس سلسلہ میں کیا کیا رسم ورواج پائے جاتے ہیں؟

گھر خاندان، شوہر اور بیوی یا والدین اور اولاد کے ایک دوسرے پر حقوق سے متعلق جو نظام اور قانون بنایا گیا ہے اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے. آئندہ اسباق میں آپ شادی بیاہ کی اہمیت اور قدر وقیمت نیز زوجہ وشوہر کے حقوق وغیرہ کے بارے مین اسلامی نکتۂ نظر سے واقفیت حاصل کریں گے۔

### شادی کی اہمیت:

اسلام میں شادی کو ایک منفرد اہمیت حاصل ہے اور شادی کو انسانی ترقی اور اس کے رشد وکمال کا ایک اہم سبب قرار دیا گیا ہے. اگرچہ اسلامی اعتبار سے شادی مستحب مؤکد ہے مگر اس کے بارے میں جو تاکیدات وارد ہوئی ہیں ان کی بنا پر شادی کے بارے میں واجب کا گمان ہوتا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے آپ مندرجہ ذیل آیات اور روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾(۱) ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔''

۲۔ ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ...﴾(۲) ''اور اپنے غیر شادی شدہ افراد....... کے نکاح کا اہتمام کرو۔''

۳۔ پیغمبر اکرمؐ کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''اَلنِّكَاحُ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي'' ''نکاح میری سنت ہے لہذا جس نے میری سنت سے روگردانی اختیار کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔''(۳)

☆ ''مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي وَانَّ مِنْ سُنَّتِي اَلنِّكَاحُ فَمَنْ أَحَبَّنِي فَلْيَسْتَنَّ بِسُنَّتِي'' ''جو میری سنت سے روگردانی اختیار کرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور میری ایک سنت نکاح بھی ہے لہذا جو شخص بھی مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے میری سنت اختیار کرنا چاہئے۔''(۴)

☆ ''مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعِيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا''(۵) ''جو گھریلو اخراجات اور غربت کے خوف سے شادی نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

............................................

(۱) سورۂ روم: آیت ۲۱

(۲) سورۂ نور، آیت ۳۲

(۳) بحار الانوار ج ۱۰۰ ص ۲۲۰

(۵،۴) صحیح بخاری:



اسی سلسلہ میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعِيْلَةِ فَقَدْ أَسَاءَ اللّٰهَ الظَّنَّ ''(۱) جو غربت کے خوف سے شادی نہ کرے گویا وہ خداوند عالم سے بدظن ہے۔

☆ ''خِيَارُ أُمَّتِي الْمُتَأَهِّلُونَ وَشِرَارُ أُمَّتِي الْعُزَّابُ'' ''میری امت کے بہترین افراد شادی شدہ حضرات ہیں اور بدترین افراد غیر شادی شدہ۔''(۲)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''شِرَارُكُمْ عُزَّابُكُمْ، رَكْعَتَانِ مِنْ مُتَأَهِّلٍ خَيْرٌ مِنْ سَبْعِينَ رَكْعَةٍ مِنْ غَيْرِ مُتَأَهِّلٍ'' ''تمہارے سب سے بدتر لوگ غیر شادی شدہ افراد ہیں اور شادی شدہ کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ کی ۷۰ رکعتوں سے بہتر ہیں۔''(۳)

☆ ''شِرَارُ مَوْتَاكُمُ الْعُزَّابُ'' ''تمہارے سب سے برے مردے بغیر شادی کئے مرنے والے ہیں۔''(۴)

☆ ''اَلْمُتَزَوِّجُ النَّائِمُ أَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْعَزِبِ'' ''کوئی شادی شدہ سو رہا ہو تو وہ خداوند عالم کی نظر میں غیر شادی شدہ شب زندہ دار اور روزہ دار سے بہتر ہے۔''(۵)

☆ ''مَا بُنِيَ فِي الْإِسْلَامِ بِنَاءٌ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَعَزُّ مِنَ التَّزْوِيجِ'' ''اسلام میں ایسی کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی جو خداوند عالم کی نظر میں شادی سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو۔''(۶)

............................................

(۱) اصول کافی ج ۵ ص ۳۳۰

(۲) بحار الانوار ج ۱۰۳، المستدرک: ج ۱۴ ص ۱۵۶

(۳) کنز العمال، حدیث ۴۴۴۴۸

(۴) بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۲۲۰

(۵) بحار الانوار ج ۱۰۰ ص ۲۲۱، باب ا

(۶) مستدرک ج ۱۴ ص ۱۵۳

☆ "مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ أَحْرَزَ نِصْفَ دِيْنِهِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ"
"جو رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوگیا اس نے اپنا نصف دین محفوظ کرلیا پس اسے چاہئے کہ بقیہ دین کے بارے میں خداوند عالم سے ڈرتا رہے۔"(۱)

☆ "أَيُّمَا شَابٍّ تَزَوَّجَ فِي حَدَاثَةِ سِنِّهِ عَجَّ شَيْطَانُهُ: يَا وَيْلَهُ! عَصَمَ مِنِّي دِيْنَهُ"
"جوان اگر آغاز جوانی میں ہی شادی کرلے تو شیطان چیخ مار کر کہتا ہے کہ ہائے افسوس! اس نے اپنے دین کو مجھ سے محفوظ کرلیا۔"(۲)

☆ "مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ أُعْطِيَ نِصْفَ الْعِبَادَةِ" "جس نے شادی رچالی ہے اسے آدھی عبادت کی دولت مل گئی۔"(۳)

☆ "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ طَاهِراً مُطَهَّراً فَلْيَلْقَهُ بِزَوْجَةٍ" جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خداوند عالم سے پاک و پاکیزہ صورت میں ملاقات کرے تو اپنی بیوی کو ساتھ لیکر خدا سے ملاقات کرے۔"(۴)

## شادی کے فوائد

آیات و روایات کی روشنی میں شادی کی اہمیت جاننے کے بعد ہم اب اس کے مفید اثرات اور نتائج بیان کررہے ہیں۔

علمائے کرام نے آیات و روایات سے استفادہ کرکے اس کے کچھ فوائد ذکر کئے ہیں جن کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

(۱) بحارالانوار: ج۱۰۰، ص۲۱۹، باب۱
(۲) کنزالعمال، ح۴۴۴۴۱
(۳) بحارالانوار: ج۱۰۰، ص۲۲۰، باب۱
(۴) بحارالانوار: ج۱۰۰، ص۲۲۱، باب۱



۱۔ شادی کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ اسی کی وجہ سے نسل انسانی باقی ہے اور بشریت کا سلسلہ جاری و ساری ہے خداوند عالم نے ہر مرد و عورت کے اندر جنسی خواہش ضرور رکھی ہے تاکہ وہ اس کا جائز استعمال کرکے نسل کو آگے بڑھا سکیں۔ چنانچہ ہر انسان (مرد و عورت) کی یہ آرزو ضرور ہوتی ہے کہ ان کی گود بھی دولت اولاد سے آباد رہے جس سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون حاصل ہوسکے جیسا کہ قرآن مجید میں یہ دعا موجود ہے۔ ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾(۱) اور وہ لوگ برابر یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ "خدایا ہمیں ہماری ازواج اور اولاد کی طرف سے خنکی چشم عطا فرما۔"

اسی طرح شادی کے بعد انسان کے اندر اولاد کی رغبت اور اپنی نسل کی حفاظت کی خواہش اور زیادہ ہوجاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے جناب زکریاؑ کی تمنا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ☆ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ﴾(۲) "اور زکریا کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ دینا کہ تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے تو ہم نے ان کی دعا کو قبول بھی کرلیا اور انہیں یحیٰ جیسا فرزند عطا کردیا۔"

اس تمنا اور آرزو کی تفصیل سورۂ مریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ☆ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ☆ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ☆ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾(۳)

(۱) سورۂ فرقان: آیت ۷۴
(۲) سورۂ انبیاء: آیت ۸۹/۹۰
(۳) سورۂ مریم: آیت ۲/۵

’’کہا کہ پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا ہے اور میں تجھے پکارنے سے کبھی محروم نہیں رہا ہوں اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اب مجھے ایک والی اور وارث عطا فرمادے۔‘‘

اور پروردگار عالم نے جناب زکریا کو جناب یحیٰؑ کی ولادت کی بشارت دی تاکہ ان کی نسل کے ساتھ ساتھ رسالت الٰہیہ کا سلسلہ بھی ہمیشہ باقی رہے۔

۲۔شادی سے انسان کے اندر حیاء اور عفت اور تقویٰ کا پہلو مستحکم ہوجاتا ہے اور وہ آسانی سے شیطان کے وسوسوں سے نجات پاجاتا ہے. کیونکہ روایات کے مطابق شیطان کے دو اہم راستے ہیں جن سے شیطان ہر انسان کو بہ آسانی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ایک غصہ، دوسرے شہوت۔

حضرت علیؑ نے اسی سلسلہ میں فرمایا ہے: ’’لَيسَ لِابلِيسَ وَهَقٌ أعظَمُ مِنَ الغَضبِ والنِّساءِ‘‘ (۱) شیطان کے پاس غصہ اور عورت سے مضبوط کوئی اور رسی نہیں ہے۔‘‘

امام صادقؑ فرماتے ہیں: ’’لَيسَ لِابلِيسَ جُندٌ أشَدُّ مِنَ النِّسآءِ وَالغَضَبِ‘‘ ’’ابلیس کے پاس عورت اور غصہ سے زیادہ طاقتور کوئی لشکر نہیں ہے۔‘‘(۲)

اگر ہم ان دونوں طاقتوں یعنی غصہ اور شہوت کا موازنہ کریں تو وہاں بھی شہوت کی طاقت زیادہ دکھائی دے گی. جس کی وجہ یہ ہے کہ شہوت اور جنسی خواہش ہر انسان کے اندر کسی نہ کسی مقدار میں ضرور پائی جاتی ہے اور اس کی تسکین کے ذرائع بھی موجود ہیں۔

لیکن غصہ کا اظہار ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہو پاتا ہے. نہ جانے کتنے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں کبھی غصہ آتا ہی نہیں مگر ان کے یہاں جنسی شہوت پائی جاتی ہے. جس کا مطلب یہ ہے کہ شہوت

(۱) غرر الحکم: ص ۴۰۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، ص ۲۳۶، باب ۲۳



ہی شیطان کا سب سے بڑا ہتھکنڈہ ہے. جس سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے کسی مرد کو نامحرم عورت کے ساتھ تنہا رہنے سے منع کیا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ان کے ساتھ شیطان شریک ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ شادی کے بعد ہر انسان شیطانی خیالات اور وسوسوں سے کسی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ جائز طریقہ سے اس کی جنسی خواہشات کی تسکین ہو جاتی ہے اور اس طرح اس پر شیطانی ہتھکنڈے زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوتے. جیسا کہ روایات میں ہے کہ ’’مَن تَزَوَّجَ فَقَد أحرَزَ نِصفَ دِينِه‘‘ ’’جس نے شادی کرلی اس نے اپنا آدھا دین محفوظ کرلیا۔‘‘

۳۔زندگی میں سکون و اطمینان بھی شادی کا ایک فائدہ ہے. کیونکہ انسان تنہا رہ کر ملول اور افسردہ رہتا ہے افسردگی دور کرنے کے لئے کسی ہم نشین اور ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت اس کا غمخوار بن سکے اور شادی کے ذریعہ اس کی یہ ضرورت بآسانی پوری ہو جاتی ہے اور انسان درد تنہائی اور احساس غربت جیسی مشکلات پر قابو پالیتا ہے کیونکہ چاہے مرد ہو یا عورت ان میں سے ہر ایک کو ایسا شریک حیات مل جاتا ہے جو اس کے حزن و ملال اور خوشیوں میں شریک ہو کر اس کی زندگی کا بوجھ ہلکا کر سکے اور جیسا کہ ہم نے درس کے شروع میں یہ آیۂ کریمہ کا تذکرہ کیا ہے. جس میں خدا نے شادی کو اپنی نشانی قرار دیا گیا ہے کیونکہ شادی کے ساتھ شوہر اور بیوی کے درمیان بے پناہ قربت و محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔زندگی کے مختلف مراحل میں ہر انسان کو دوسروں کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے جس کا ایک آسان راستہ شادی ہے کیونکہ کوئی بھی انسان تن تنہا ہر مرحلہ سر نہیں کرسکتا ہے لہٰذا شادی کے ذریعہ میاں، بیوی کے درمیان تعاون اور اشتراک کے راستے کھل جاتے ہیں اور ان کے درمیان زندگی کے مختلف امور کی تقسیم ہو جاتی ہے. مثلاً مرد صبح سے لیکر شام تک دوڑ دھوپ کر کے اپنے گھر لوٹتا

ہے تو گھر کو سر سبز و شاداب لہلہاتے ہوئے سبزے کی طرح پاتا ہے زوجہ گرم جوشی سے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے سامنے اس کے من پسند کھانے پیش کرتی ہے اور بستر وغیرہ بچھا کر اس کے آرام کا انتظام کرتی ہے اور ان سب سے آگے بڑھ کر اسے ایک ایسا مونس و یاور مل جاتا ہے جس سے وہ مختلف قسم کی باتیں کر سکتا ہے اپنا رنج و غم اس سے بیان کر کے اپنا بوجھ ہلکا کر سکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مل کر اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کر سکتا ہے۔

آدمی کو اس سے بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ خدا نے شادی کرنے والوں کو غنی بنانے کا وعدہ کیا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ جانے کتنے فقیر اور پریشان حال لوگ تھے شادی کے بعد جن کے لئے برکتوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

۵۔ انسانی تکامل کی منزل کمال تک پہونچنے کے لئے شادی ایک اہم زینہ ہے کیونکہ اخلاقی بلندیاں حاصل کرنے کے لئے انسان جو بھی ارادہ کرتا ہے اس میں شادی کے بعد ہی پختگی اور استحکام حاصل ہوتا ہے. کیونکہ ازدواجی زندگی کے بعد انسان کے اوپر بے شمار ذمہ داریوں کے ساتھ سینکڑوں قسم کی مشکلات بھی سامنے آتی ہیں جس سے اس کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں اور وہ محنت و مشقت اور صبر و تحمل کا عادی بن جاتا ہے. جیسا کہ حدیث پیغمبر اکرمؐ میں ہے: "اَلْکَادُّ فِيْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ" "اپنے اہل و عیال کے لئے محنت و مشقت کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے۔"(۱)

علماء اخلاق فرماتے ہیں. کہ پروردگار عالم نے نہ مرد کو کامل بنا کر پیدا کیا ہے اور نہ ہی عورت کو! بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا آدھا حصہ ہے اور دونوں سے مل کر ہی اس کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ تکمیل شادی اور شادی کے بعد کامیاب گھریلو تعلقات اور ازدواجی زندگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

---

(۱) اصول کافی: ج ۵



## سبق کا خلاصہ:

اسلام نے شادی خانہ آبادی کو ایک فطری راستہ قرار دیا ہے جو سکون و اطمینان، انس و محبت اور طہارت نفس کا ذریعہ بھی ہے اس ضرورت کا احساس ہر مرد اور ہر عورت کے اندر ضرور پایا جاتا ہے۔

شادی کر لینے سے انسان کا آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے۔

## سوالات:

۱۔ قرآن کریم نے شادی کو خداوند عالم کی نشانی کیوں قرار دیا ہے؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ نے غیر شادی شدہ لوگوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ مختصر طور پر شادی کے فوائد بیان کیجئے؟

۴۔ شیطان کا کونسا ہتھکنڈا سب سے زیادہ خطرناک ہے؟ حضرت علیؑ کی حدیث کی روشنی میں بیان کیجئے؟

۵۔ پیغمبر اکرمؐ کی کوئی حدیث بیان فرمائیے جس میں اہل و عیال کے لئے محنت کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہو؟

# بارہواں سبق

## شوہراور زوجہ کے حقوق

زوجہ اور شوہر پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں جنہیں جاننے کے بعد ان کی ادائیگی دونوں پر ضروری ہے اسی صورت میں ان کی زندگی سکون واطمینان، اپنائیت اور انس ومحبت کے ساتھ بسر ہو سکتی ہے۔

### بیوی کے اوپر شوہر کے حقوق

۱۔ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک عورت پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپؐ سے یہ سوال کیا کہ عورت کے اوپر اس کے شوہر کے کیا حقوق ہیں؟ تو رسول اللہؐ نے فرمایا: "أنْ تُطِيعَهُ وَلَا تَعْصِيَهُ وَلَاتَتَصَدَّقَ مِنْ بَيْتِهَا شَيْئاً إلَّا بِإذْنِهِ وَلَا تَصُوْمَ تَطَوُّعاً إلَّا بِإذْنِه وَلَاتَمْنَعَهُ نَفْسَهَا وَإنْ كَانَتْ عَلَى ظَهْرِ قَتَبٍ وَلَا تَخْرُجَ مِنْ بَيْتِهَا" اس کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز بطور صدقہ نہ دے اس کی اجازت کے بغیر مستحب روزے نہ رکھے اور اسے اپنے سے دور نہ کرے. چاہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر ہی کیوں نہ سوار ہو اور بغیر اجازت گھر سے باہر نہ نکلے، اس نے کہا اے رسول اللہ مرد کے اوپر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: "والِدَاهُ" اس کے والدین کا حق پھر سوال کیا اور عورت کی گردن پر

سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''زَوْجُها'' اس کے شوہر کا حق ہے۔(۱)

۲۔ بیوی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ بالکل گھل مل جائے (ایک جان دو قالب کی مصداق بن جائے) اور دو باتوں میں اس کا مکمل ساتھ نبھائے:

الف۔ ممکن ہے شوہر اور بیوی کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی ہو اور ان کے اخلاقیات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوں اور دونوں اپنے پرانے کردار پر باقی رہیں تو ان کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتا ناممکن ہے۔

لہٰذا عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے کو شوہر کے عادات واطوار کے مطابق ڈھال لے اور اس کی بری عادتوں اور بداخلاقیوں پر صبر کرے. جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے:
''مَنْ صَبَرَتْ عَلىٰ سُوْءِ خُلُقِ زَوْجِهَا أَعْطَاهَا اللّٰهُ مِثْلَ ثَوَابِ آسِيَةَ بِنْتِ مُزَاحِمٍ''(۲)
''جو عورت اپنے شوہر کی بداخلاقیوں پر صبر کرے تو خداوند عالم اسے آسیہ بنت مزاحم کے برابر ثواب عطا کرے گا۔''

امام محمد باقرؑ سے منقول ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَ جَلَّ كَتَبَ عَلَى الرِّجَالِ الْجِهَادَ وَعَلَى النِّسَاءِ الْجِهَادَ فَجِهَادُ الرَّجُلِ أَنْ يَبْذِلَ مَالَهُ وَدَمَهُ حَتّٰى يُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَجِهَادُ الْمَرْأَةِ أَنْ تَصْبِرَ عَلىٰ مَا تَرىٰ مِنْ أَذىٰ زَوْجِهَا وَغَيْرَتِهِ''(۳)
''پروردگار عالم نے مردوں کے اوپر بھی جہاد واجب کیا ہے اور عورتوں پر بھی جہاد واجب کیا ہے، چنانچہ مرد کا جہاد یہ ہے کہ راہ خدا میں اپنے مال اور خون کی اس طرح بازی لگا دے کہ اسی راہ میں قتل ہو جائے اور عورت کا جہاد یہ ہے کہ شوہر کی وجہ سے اسے جن پریشانیوں کا

(۱) مکارم الاخلاق ص ۲۱۴

(۲) مکارم الاخلاق ص ۲۱۳

(۳) مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵



سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے اوپر صبر کرے۔''

آپؐ ہی سے یہ بھی روایت ہے: ''جِهَادُ الْمَرْأَةِ حُسْنُ التَّبَعُّلِ'' ''عورت کا جہاد اچھی شوہر داری کرنا ہے۔''(۱)

ب: شوہر کا ہاتھ بٹانا اور ہر مشکل مرحلے میں اس کا ساتھ دینا نہ یہ کہ وہ شوہر کے لئے دردسر بن جائے اور ہر ہر قدم پر اس کے مسائل میں مزید اضافہ کردے۔

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''أَيُّمَا امْرَأَةٍ لَمْ تَرْفُقْ بِزَوْجِهَا وَحَمَلَتْهُ عَلىٰ مَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ وَمَا لَا يُطِيْقُ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهَا حَسَنَةٌ وَتَلْقَى اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهَا غَضْبَانُ''(۲)
''جو عورت بھی اپنے شوہر کے ساتھ نرم رویہ نہ رکھے اور اس سے ایسے مطالبات کرے جو اس کی قدرت وطاقت سے باہر ہوں تو اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی اور جب وہ خدا کی بارگاہ میں پہونچے گی تو وہ اس سے ناراض رہے گا۔''

آنحضرتؐ ہی سے یہ بھی مروی ہے: ''أَيُّمَا امْرَأَةٍ آذَتْ زَوْجَهَا بِلِسَانِهَا لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهَا صَرْفاً وَلَا عَدْلاً وَلَا حَسَنَةً مِنْ عَمَلِهَا حَتّٰى تُرْضِيَهُ وَإِنْ صَامَتْ نَهَارَهَا وَقَامَتْ لَيْلَهَا وَأَعْتَقَتِ الرِّقَابَ وَحَمَلَتْ عَلىٰ جِيَادِ الْخَيْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَكَانَتْ أَوَّلَ مَنْ يَرِدُ النَّارَ''(۳) ''جو عورت بھی اپنی زبان سے اپنے شوہر کو ستائے خداوند عالم اسکا کوئی کار خیر قبول نہیں کرے گا جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کرلے. چاہے وہ مسلسل دنوں میں روزے رکھے اور راتوں کو نمازیں پڑھتی رہے غلاموں کو آزاد کرتی رہے اور راہ خدا میں جہاد کے لئے لشکر پہ لشکر بھیجتی رہے تب بھی سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگی۔''

(۱،۲،۳) مکارم الاخلاق ص ۲۱۵

۳۔ زوجہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر کے لئے زینت وآرائش کرے اور عطر لگائے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ...﴾(۱) ’’اور اپنی زینت کو اپنے شوہر، باپ، دادا، شوہر کے باپ دادا، اپنی اولاد، اپنے شوہر کی اولاد اپنے بھائی اور بھائیوں کی اولاد اور بہنوں کی اولاد.... ان سب کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔‘‘

آیۂ کریمہ میں نامحرموں کے سامنے زینت کے اظہار سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے اور آیت میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے ان کے سامنے اگرچہ زینت کا اظہار جائز ہے مگر شوہر کے لئے زینت کرنا واجب ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: ’’اَيُّمَا امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِغَيْرِ زَوْجِهَا لَمْ يُقْبَلْ مِنْهَا صَلَاةٌ حَتّٰى تَغْتَسِلَ مِنْ طِيْبِهَا كَغُسْلِهَا مِنْ جَنَابَتِهَا‘‘ (۲) ’’جو عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے خوشبو استعمال کرے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک وہ غسل کر کے اس خوشبو کو اسی طرح نہ دھوڈالے جس طرح وہ غسل جنابت کرتی ہے۔

۴۔ زوجہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے: ’’اَيُّمَا امْرَأَةٍ خَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا بِغَيْرِ اِذْنِ زَوْجِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَرْجِعَ‘‘ (۳) ’’جو عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جائے تو جب تک وہ گھر میں واپس نہ آجائے نفقہ کی حقدار نہیں ہے۔

(۱) سورۂ نور: آیت ۳۱

(۲) مکارم الاخلاق ص ۲۱۵

(۳) مکارم الاخلاق ص ۲۱۵



امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: ’’اَيُّمَا امْرَأَةٍ وَضَعَتْ ثَوْبَهَا فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِ زَوْجِهَا وَبِغَيْرِ اِذْنِهِ لَمْ تَزَلْ فِيْ لَعْنَةِ اللّٰهِ اِلٰى اَنْ تَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهَا‘‘ (۱) ’’جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں اپنے کپڑے (مقنع، برقع) اتارے تو جب تک وہ شوہر کے گھر واپس نہ آجائے مسلسل لعنت الٰہی میں گرفتار رہے گی۔‘‘

## شوہر کی گردن پر زوجہ کے حقوق

اسلام نے مرد کے اوپر بھی زوجہ کے کچھ حقوق واجب قرار دئے ہیں جن میں سے کچھ مادی حقوق ہیں اور کچھ روحانی اور اخلاقی۔

پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد گرامی ہے: ’’اَوْصَانِيْ جَبْرَئِيْلُ بِالْمَرْأَةِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ طَلَاقُهَا اِلَّا مِنْ فَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ‘‘ (۲) ’’مجھے جبرئیل نے عورتوں کے بارے میں اتنی تاکید کی ہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ جب تک وہ کھلے عام بدکاری نہ کرنے لگیں انھیں طلاق نہیں دی جاسکتی ہے۔‘‘

مرد پر مندرجہ ذیل امور لازم ہیں:

۱۔ عورت کا نفقہ: یعنی زندگی کے تمام اخراجات ادا کرنا ضروری ہیں اسی سلسلہ میں امام صادقؑ کا ارشاد ہے: ’’يُشْبِعُ بَطْنَهَا وَيَكْسُوْ جُثَّتَهَا وَاِنْ جَهِلَتْ غَفَرَ لَهَا‘‘ ’’اسے شکم سیر کرے اس کے لئے لباس مہیا کرے اور اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے معاف کردے۔‘‘ (۳)

(۱) مکارم الاخلاق: ۲۱۵

(۲) مکارم الاخلاق: ص ۲۱۶

(۲) مکارم الاخلاق: ص ۲۱۶

۲۔ حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: "وَأَمَّا حَقُّ الزَّوْجَةِ فَإِنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَهَا لَكَ سَكَناً وَأُنْساً فَتَعْلَمَ أَنَّ ذٰلِكَ نِعْمَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَلَيْكَ فَتُكْرِمُهَا وَتَرْفُقُ بِهَا وَإِنْ كَانَ حَقُّكَ عَلَيْهَا أَوْجَبُ فَإِنَّ لَهَا عَلَيْكَ أَنْ تَرْحَمَهَا لِأَنَّهَا أَسِيرَتُكَ وَتُطْعِمَهَا وَتَكْسُوْهَا وَإِذَا جَهِلَتْ عَفَوْتَ عَنْهَا" "تمہاری زوجہ کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تمہیں یہ احساس رہے کہ خداوند عالم نے اس کو تمہارے لئے وجہ سکون اور انس کا ذریعہ قرار دیا ہے لہذا یہ دھیان رہے کہ وہ تمہارے پاس خداوند عالم کی ایک نعمت ہے چنانچہ اس کا احترام کرو، اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اگرچہ تمہارا حق اس کی گردن پر واجب تر ہے لیکن تمہارے اوپر بھی اس کا حق ہے کہ اس کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آؤ کیونکہ وہ تمہاری اسیر ہے اور اس کے لئے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرو۔ اور اگر نادانستہ اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے معاف کر دینا۔"(۱)

۳۔ ہمیشہ مہر و محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آئے پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "قَوْلُ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ اِنِّي أُحِبُّكِ لَا يَذْهَبُ مِنْ قَلْبِهَا أَبَداً" "شوہر کا اپنی زوجہ سے صرف یہ کہنا کہ مجھے تم سے محبت ہے کبھی بھی اس کے دل سے نہیں مٹ سکتا ہے۔"(۲)

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "مَنْ صَبَرَ عَلٰى سُوْءِ خُلُقِ اِمْرَأَتِهِ أَعْطَاهُ اللّٰهُ مِنَ الْأَجْرِ مَا أَعْطَى أَيُّوْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى بَلَائِهِ" "جو شخص بیوی کی بداخلاقی پر صبر کرے خداوند عالم اس کو اتنا ہی اجر عطا کرے گا جتنا جناب ایوبؑ کے امتحان پر ان کو عطا فرمایا تھا۔"(۳)

(۱) بحار الانوار، ج ۷۱، باب اص ۴

(۲) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۲۳، باب ۳

(۳) مکارم اخلاق ۲۱۳



امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "اِنَّ الْمَرْءَ يَحْتَاجُ فِيْ مَنْزِلِهِ وَعِيَالِهِ اِلٰى ثَلَاثِ خِلَالٍ يَتَطَلَّعُهَا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ طَبْعِهِ ذٰلِكَ: مُعَاشَرَةٌ جَمِيْلَةٌ وَسِعَةٌ بِتَقْدِيْرٍ وَغَيْرَةٌ بِتَحَصُّنٍ" "ہر انسان کو اپنے گھر اور اہل خاندان کے درمیان تین خصلتوں کی ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ اس کے مزاج کے مطابق نہ ہوں۔ نیک اور اچھی ہم نشینی، بقدر ضرورت آسائش زندگی اور غیرت کے ساتھ حفت۔"(۱)

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے: "لَا غِنٰى بِالزَّوْجِ عَنْ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ زَوْجَتِهِ وَهِيَ: اَلْمُوَافَقَةُ لِيَجْتَلِبَ بِهَا مُوَافَقَتَهَا وَمَحَبَّتَهَا وَهَوَاهَا وَحُسْنُ خُلْقِهِ مَعَهَا وَاسْتِعْمَالُهُ اسْتِمَالَةَ قَلْبِهَا بِالْهَيْئَةِ الْحَسَنَةِ فِيْ عَيْنِهَا وَتَوْسِعَتِهِ عَلَيْهَا" "ہر شوہر کے لئے اپنی زوجہ کے ساتھ حسن معاشرت کے لئے تین چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ۱۔ اس کی موافقت تاکہ اس طرح سے اس کی محبت اور آرزوؤں کو اپنی طرف موڑ سکے، ۲۔ دوسرے حسن اخلاق اور زوجہ کے سامنے اچھی شکل و صورت اور انداز سے پیش آنا۔ ۳۔ زندگی میں سہولت و آسانیاں فراہم کرنا۔(۲)

۴۔ زوجہ پر ظلم و تشدد اور سختی سے پرہیز کرے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "خَيْرُ الرِّجَالِ مِنْ أُمَّتِي الَّذِيْنَ لَا يَتَطَاوَلُوْنَ عَلٰى أَهْلِيْهِمْ وَيَحْنُوْنَ عَلَيْهِمْ وَلَا يَظْلِمُوْنَهُمْ" "میری امت کے سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں پر سختی نہیں کرتے ہیں اور لطف و محبت سے پیش آتے ہیں اور نہ ان پر ظلم کرتے ہیں۔" پھر آپ نے اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

(۱) بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۲۳۵، باب ۲۳

(۲) تحف العقول، ص ۳۲۲

''عورتوں کے حاکم اور نگراں ہیں ان فضیلتوں کی بنا پر جو خدا نے بعض کو بعض پر دی ہے۔''(۱)

اسی طرح حدیث نبوی میں ہے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کے اوپر ظلم کرے گا تو اس کا کوئی کار خیر قبول نہ ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَكَذٰلِكَ الرَّجُلُ إِذَا كَانَ لَهَا ظَالِمًا'' ''اور یہی حال مرد کا بھی ہے (اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا) جبکہ وہ زوجہ پر ظلم کرے۔''(۲)

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۲۱۷

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ: ص ۱۵



## سبق کا خلاصہ:

اسلامی نظام میں شوہر اور زوجہ کے حقوق بھی ایک دوسرے پر بالکل واضح اور معین ہیں۔

زوجہ و شوہر ان حقوق کی رعایت کریں اور اپنے کاموں کو تقسیم کرلیں تو بآسانی پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں اور اس ثواب و اجر کے بھی مستحق ہوسکتے ہیں جس کی طرف قرآن کریم یا روایات معصومینؑ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

## سوالات:

۱۔ عورت کے ذمہ شوہر کے کیا حقوق ہیں؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث میں کن عورتوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے؟

۳۔ روایات کی روشنی میں عورت کا جہاد کیا ہے؟

۴۔ پیغمبر اکرمؐ نے کن لوگوں کو اپنی امت کا سب سے بہترین آدمی قرار دیا ہے؟

# تیرہواں سبق

## محنت و مشقت کی قدر و قیمت

شریعت اسلامیہ میں کام کاج کے بھی کچھ آداب معین ہیں لیکن ان آداب کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کام کی کوئی قدر و قیمت ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب مثبت ہے تو پھر اس کے حدود کیا ہیں؟ اس سبق میں اسی سوال کا جواب پیش کیا جائے گا اور اس کے بعد آئندہ سبق میں کام کے آداب تفصیل کے ساتھ بیان کئے جائیں گے۔

محنت و مشقت سے متعلق ہمیں دو قسم کی آیات و روایات نظر آتی ہیں

بعض آیات و روایات کے مطابق کسب معاش اور رزق حلال کے لئے جد و جہد لائق تحسین ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے. ﴿وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً﴾(۱) اور ہم نے دن کو وقت معاش قرار دیا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾(۲) ''اور تمہارے لئے اس میں سامان زندگی قرار دئے ہیں مگر تم بہت کم شکرادا کرتے ہو۔''

..........

(۱) سورۂ نبأ: آیت ۱۱

(۲) سورۂ اعراف: آیت ۱۰

مذکورہ آیات کریمہ میں پروردگار عالم نے بندوں پر اپنے احسان اور کرم کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے ہمارے لئے کام کاج اور طلب معاش کی خاطر دنوں کو روشن بنایا اور اس کے علاوہ ہمیں زمین کا مالک ومختار بھی بنا دیا ہے تاکہ بآسانی اپنے لئے رزق فراہم کرسکیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "مِنَ الذُّنُوبِ ذُنُوبٌ لَا يُكَفِّرُهَا إِلَّا الْهَمُّ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ" ''کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ، کام کاج کی زحمت اور پریشانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بن سکتی ہے۔''(۱)

آپؐ ہی کا ارشاد ہے۔ "التَّاجِرُ الصَّدُوقُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ" ''سچا تاجر روز قیامت صدیقین اور شہداء کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔''(۲)

آپؐ ہی کا ارشاد ہے: "مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالاً تَعَفُّفاً عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَتَوْسِيعاً عَلَى عِيَالِهِ وَتَعَطُّفاً عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللَّهَ وَوَجْهُهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ" ''جو شخص کسی کے سامنے دست سوال پھیلانے سے پرہیز، اہل وعیال کے راحت وآرام اور اپنے پڑوسیوں پر رحم وکرم کے لئے حلال روزی کمائے تو پروردگار عالم سے اس عالم میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہوگا۔''(۳) اسی بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے: "اَلْأَسْوَاقُ مَوَائِدُ اللَّهِ فَمَنْ أَتَاهَا أَصَابَ مِنْهَا" ''بازار خداوند عالم کے (نعمتوں سے بھرے) دسترخوان ہیں لہذا جو وہاں جائے گا ان سے مستفید ہوگا۔''(۴)

(۱) احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب معاش
(۲) سنن ترمذی ج۵
(۳) اصول کافی ج۵، مستدرک ج۱۳ص۵۵
(۴) احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب ومعاش



روایت میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مقام سے گذرے تو دیکھا کہ ایک تندرست وتوانا جوان بڑی جفاکشی کے ساتھ کام میں مشغول ہے تو اصحاب نے کہا: ''افسوس! کاش یہ اپنی طاقت راہ خدا میں استعمال کرتا'' تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: "لَا تَقُولُوا هذا، فَإِنَّهُ إِنْ كَانَ يَسْعَى عَلَى نَفْسِهِ لِيَكُفَّهَا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَيُغْنِيَهَا عَنِ النَّاسِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ يَسْعَى عَلَى أَبَوَيْنِ ضَعِيفَيْنِ أَوْ ذُرِّيَّةٍ ضِعَافٍ لِيُغْنِيَهُمْ وَيَكْفِيَهُمْ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ يَسْعَى تَفَاخُراً وَتَكَاثُراً فَهُوَ فِي سَبِيلِ الشَّيْطَانِ" ''ایسا مت کہو! کیونکہ اگر وہ اس لئے کام کر رہا ہے تاکہ اسے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اور لوگوں سے بے نیاز رہے تو یہ راہ خدا میں سعی کر رہا ہے اور اگر وہ اپنے ناتواں بوڑھے ماں باپ اور معصوم بچوں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے یہ کام کر رہا ہے تو یہ بھی راہ خدا کے لئے ہے ہاں لیکن اگر یہ فخر ومباہات اور مالدار ہونے کی نیت رکھتا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستہ پر چل رہا ہے۔''(۱)

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حجۃ الوداع میں یہ ارشاد فرمایا: "أَلَا إِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينَ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّهُ لَا تَمُوتُ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ شَيْءٍ مِنَ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِشَيْءٍ مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَسَمَ الْأَرْزَاقَ بَيْنَ خَلْقِهِ حَلَالاً وَلَمْ يَقْسِمْهَا حَرَاماً فَمَنِ اتَّقَى اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ وَصَبَرَ أَتَاهُ اللَّهُ بِرِزْقِهِ مِنْ حِلِّهِ وَمَنْ هَتَكَ حِجَابَ السِّتْرِ وَعَجَّلَ فَأَخَذَ مِنْ غَيْرِ حِلِّهِ قُصَّ بِهِ مِنْ رِزْقِهِ الْحَلَالِ وَحُوسِبَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

(۱) احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب ومعاش

" یاد رکھنا کہ جبرئیل امین نے مجھے یہ الہام کیا ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہ آئیگی جب تک اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے لہٰذا تقوی اختیار کرو اور روزی کی تلاش کے معاملہ میں اعتدال سے کام لو اور کسی بھی مقام پر روزی پہونچنے میں دیر کا یہ انجام نہ ہونے پائے کہ تم خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاؤ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے درمیان رزق کو حلال طریقوں سے تقسیم فرمایا ہے نہ کہ حرام راستوں سے لہٰذا جو شخص تقوی اختیار کرے گا اور صبر سے کام لے گا خداوند عالم اسے حلال روزی عطا کرے گا اور جو شخص پردوں کو چاک کرے، اور جلد بازی سے کام لیکر حرام ذرائع میں پڑ جائے گا تو خداوند عالم اسی مقدار میں اس کا حلال رزق کم کردے گا اور روز قیامت اس سے حساب بھی لے گا"۔(۱)

محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ ایک روز میں مدینہ کے اطراف میں نکلا، دوپہر کا وقت تھا اور گرمی بہت زیادہ تھی میں نے دیکھا کہ امام محمد باقرؑ اپنے کھیت میں کام کر رہے ہیں میں نے دل میں سوچا آج ان کو اچھی طرح نصیحت کروں گا لہٰذا ان کے پاس گیا اور کہا، خدا آپ کا بھلا کرے قریش کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ (اور سن رسیدہ) شخص اس برستی ہوئی آگ میں بھی فکر دنیا میں پڑا ہوا ہے؟ کیا آپ کو خوف خدا نہیں ہے کہ اگر اسی حالت میں آپ کو موت آجائے تو کیا ہوگا؟

امام نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے فرمایا: "وَاللّٰهِ لَوْ جَائَنِيَ الْمَوْتُ عَلىٰ هٰذَا الْحَالِ جَائَنِيْ وَأَنَا فِيْ طَاعَةٍ مِنْ طَاعَاتِ اللّٰهِ أَكُفِّيْ بِهَا نَفْسِيْ عَنْكَ وَعَنِ النَّاسِ وَاِنَّمَا اَخَافُ الْمَوْتَ اِذَا جَائَنِيْ وَاَنَا عَلىٰ مَعْصِيَةٍ" "خدا کی قسم اگر مجھے اس وقت موت آجائے تو مجھے اطاعت خدا کے دوران موت آئیگی کیونکہ اس کام کے ذریعہ میں تم سے اور دوسرے تمام لوگوں سے خود کو بے نیاز کر رہا ہوں. بلکہ مجھے تو موت کا خوف تب ہوگا کہ جب گناہ کے عالم میں مجھے موت آئے۔"

(۱) اصول کافی ج۵ ص۸۰



تو ابن منکدر نے سر ہلا کر کہا، خدا آپ پر رحمت نازل کرے اے ابوجعفر میں نے سوچا تھا کہ میں آپ کو نصیحت کروں آپ نے تو مجھے ہی نصیحت فرمادی۔(۱)

امام جعفر صادقؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "اِذَا كَانَ الرَّجُلُ مُعْسِراً فَعَمِلَ بِقَدْرِ مَا يَقُوْتُ نَفْسَهُ وَاَهْلَهُ لَا يَطْلُبُ حَرَاماً فَهُوَ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اگر کوئی شخص تنگدستی میں مبتلا ہو اور وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ضروریات پورا کرنے کے لئے کوئی کام کاج کرے اور حرام راستوں سے نہ کمائے تو وہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے۔(۲)

اسی طرح آپ نے فرمایا ہے. "اَلْكَادُّ عَلىٰ عِيَالِهِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" "اپنے گھر والوں کے لئے محنت ومشقت کرنے والا، مجاہد راہ خدا کی مانند ہے۔"(۳)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "مَلْعُوْنٌ مَنْ اَلْقَىٰ كَلَّهُ عَلَى النَّاسِ" وہ شخص ملعون ہے جو اپنی تمام چیزوں کا بوجھ دوسروں کے اوپر ڈال دے۔(۴)

ان آیات وروایات کے برخلاف بعض دیگر روایات میں کسب معاش کے لئے جدوجہد کو غیر مستحسن قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے: "مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَكُنْ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" مجھ پر یہ وحی نہیں کی گئی ہے کہ مال ودولت جمع کروں اور تاجر بن جاؤں بلکہ مجھ پر تو یہ وحی ہوئی ہے کہ اپنے

(۱) اصول کافی ج۵ ص۷۳
(۲) اصول کافی ج۵ ص۸۸
(۳) گزشتہ حوالہ
(۴) اصول کافی: ج۵ ص۷۲

رب کی تسبیح کروں اور سجدہ گزاروں میں رہوں اور جب تک منزل یقین تک نہ پہونچ جاؤں اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں۔(۱)

اس بارے میں آپؐ کے یہ ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ "أَكْثِرُوا الْاِسْتِغْفَارَ فَإِنَّهُ يَجْلِبُ الرِّزْقَ" زیادہ سے زیادہ استغفار کرو کیونکہ اس سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔(۲)

☆ "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَوْحَىٰ إِلَىٰ دَاوُدَ مَنِ انْقَطَعَ إِلَيَّ كَفَيْتُهُ" خداوند عالم نے جناب داؤد کی طرف یہ وحی فرمائی کہ جو (ہر ایک سے الگ ہوکر) میرا ہوجائے گا میں اسے بے نیاز کردوں گا۔(۳)

☆ "إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ وَلَا يُعْطِي الْآخِرَةَ بِعَمَلِ الدُّنْيَا" خداوند عالم آخرت کے لئے کئے جانے والے عمل کے بدلے دنیا دیتا ہے مگر دنیاوی عمل کے بدلے آخرت نہیں دیتا۔(۴)

امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے: "اَلرِّزْقُ رِزْقَانِ: طَالِبٌ وَمَطْلُوبٌ فَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا طَلَبَهُ الْمَوْتُ حَتَّىٰ يُخْرِجَهُ مِنْهَا وَمَنْ طَلَبَ الْآخِرَةَ طَلَبَتْهُ الدُّنْيَا حَتَّىٰ يَسْتَوْفِيَ رِزْقَهُ مِنْهَا" رزق کی دو قسمیں ہیں ایک تلاش کرنے والا اور دوسرا جسے تلاش کیا جائے لہٰذا جو شخص دنیا کا طالب ہے موت اس کی طالب ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے باہر نکل جائے اور جو شخص آخرت کا خواہشمند ہے اسے دنیا روکے رکھے گی یہاں تک کہ وہ اپنا پورا رزق حاصل کرلے۔(۵)

---

(۱) بحارالانوار: ج۶۹ ص۴۷ باب ۹۴

(۲) بحارالانوار: ج۱۰۰ ص۲۱ باب ۲

(۳) بحارالانوار: ج۱۰۰ ص۲۲ باب ۲

(۴) بحارالانوار: ج۱۰۰ ص۲۵ باب ۲

(۵) بحارالانوار: ج۱۰۰ ص۳۸، باب ۲



ان روایات سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ جب استغفار اور توبہ سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے تو پھر کام کاج اور محنت ومشقت کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا کاروبار دنیا اور تجارت کو خیرباد کہہ کر صرف دعا اور عبادت میں ہی مشغول رہنا چاہئے۔ یا جب پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے: "إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ" خداوند عالم آخرت کے عمل کے بدلے دنیا عطا کردیتا ہے تو پھر ہم عبادت ہی کیوں نہ کرتے رہیں رزق کی ذمہ داری تو خداوند عالم نے لے ہی رکھی ہے۔

جبکہ ہم اگر گذشتہ آیات وروایات کو دیکھتے ہیں تو ان سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے اور گھر والوں کے اخراجات کے لئے کام کاج اور محنت ومشقت کرنے کی بیحد ستائش کی ہے البتہ اگر کوئی شخص قضاوت یا اس جیسا کوئی کام کرے تو وہ اپنے اخراجات بیت المال سے لے سکتا ہے مگر اس کے باوجود بھی بہتر یہی ہے کہ وہاں بھی اپنے ذاتی کاروبار سے استفادہ کرے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے مولائے کائنات سے نقل فرمایا ہے: "أَوْحَى اللّٰهُ إِلَىٰ دَاوُدَ، إِنَّكَ نِعْمَ الْعَبْدُ لَوْلَا أَنَّكَ تَأْكُلُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَا تَعْمَلُ بِيَدِكَ شَيْئاً. قَالَ: فَبَكَىٰ دَاوُدُ أَرْبَعِينَ صَبَاحاً، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى الْحَدِيدِ أَنْ لِنْ لِعَبْدِي دَاوُدَ: فَأَلَانَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ الْحَدِيدَ وَكَانَ يَعْمَلُ كُلَّ يَوْمٍ دِرْعاً فَيَبِيعُهَا بِأَلْفِ دِرْهَمٍ، فَعَمِلَ ثَلَاثَ مِائَةٍ وَسِتِّينَ دِرْعاً فَبَاعَهَا بِثَلَاثِ مِائَةٍ وَسِتِّينَ أَلْفاً وَاسْتَغْنَىٰ عَنْ بَيْتِ الْمَالِ" خداوند عالم نے جناب داؤدؑ کو یہ وحی فرمائی کہ تم میرے سب سے اچھے بندے ہو مگر یہ کہ تم بیت المال سے اپنا خرچ چلاتے ہو اور اپنے ہاتھوں کی کمائی نہیں کھاتے جناب داؤد چالیس دن تک روتے رہے تو خداوند عالم نے لوہے کی طرف یہ وحی فرمائی کہ میرے بندے کے لئے نرم ہوجا، چنانچہ جب خداوند عالم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کردیا تو وہ روزانہ اس سے ایک زرہ بنالیتے تھے اور اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کردیتے تھے چنانچہ انہوں نے ۳۶۰ زرہیں بنائیں اور انہیں تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم میں فروخت کیا

اور بیت المال سے بے نیاز ہو گئے۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ اپنی دینی اور سماجی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ باغات اور کھیتوں میں کام بھی کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کاج اور محنت ومشقت کرنا کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اسلام کی نظر میں یہ بات قابل مذمت ہے کہ:

۱۔ انسان مال ودولت کا حد سے زیادہ دلدادہ ہو جائے اور حد اعتدال کو خیر باد کہہ دے، اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ ''مال ودولت طلب کرنے میں اعتدال کا خیال رکھو'' آپ نے اس بارے میں مزید یہ بھی فرمایا ہے: "اِنَّ اَفْضَلَ النَّاسِ عَبْدٌ اَخَذَ مِنَ الدُّنْیَا الْکَفَافَ" ''سب سے بہترین انسان وہ ہے جو دنیا سے صرف بقدر ضرورت مال لے۔''(۲)

۲۔ مال ودولت اور ذخیرہ اندوزی کا اتنا دلدادہ نہ ہو جائے کہ اس کی تمام فکر اسی طرف رہے اور آخرت کا خیال بھی نہ پیدا ہو جیسا کہ قرآن مجید بندگان خدا کی یہ صفت بیان کرتا ہے: ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَابَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ﴾(۳) ''وہ مرد جنہیں کاروبار، یادیگر خرید وفروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کر سکتی۔''

امام جعفر صادقؑ نے اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا: "کَانُوْا اَصْحَابَ تِجَارَةٍ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ تَرَکُوْا التِّجَارَةَ وَانْطَلَقُوْا اِلَی الصَّلٰوةِ وَهُمْ اَعْظَمُ اَجْراً مِمَّنْ لَایَتَّجِرُ" ''اس سے مراد وہ تاجر حضرات ہیں جو نماز کا وقت ہوتے ہی کاروبار چھوڑ کر نماز کے لئے چلے جاتے ہیں اور ان کا اجر ان لوگوں سے بھی زیادہ ہے جو تجارت نہیں کرتے ہیں۔(۴)

(۱) اصول کافی ج۵ ص۷۴

(۲) بحار الانوار: ج۱۰۰ ص۲۷ باب۲

(۳) سورۂ نور: آیت ۳۷

(۴) اصول کافی: ج۵، بحار الانوار: ج۶۴ ص۲۷۴



روایت ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾(۱) ''اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے'' نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے اپنے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ خداوند عالم نے ہمارے رزق کی ذمہ داری لے لی ہے لہذا ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اس کی اطلاع پیغمبر اکرمؐ کو ہوئی تو آپ نے ان سے کہلوایا: "مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی مَا صَنَعْتُمْ" یہ تم لوگوں نے کیا شروع کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا! یارسول اللہ خداوند عالم نے ہمارے رزق کی ذمہ داری لے لی ہے لہذا ہم اس کی عبادت کر رہے ہیں آپؐ نے فرمایا: "اِنَّهٗ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَمْ یُسْتَجَبْ لَهٗ، عَلَیْکُمْ بِالطَّلَبِ" ''جو شخص بھی ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہ ہوگی، جاؤ کام کاج کے ذریعہ اپنی روزی کماؤ۔''(۲)

(۱) سورۂ طلاق: آیت ۲

(۲) اصول کافی: ج۵ ص۸۴

## سبق کا خلاصہ:

اسلام نے کسب معاش، کام کاج اور محنت ومشقت کرنے کی نہ صرف یہ کہ ستائش کی ہے بلکہ اس کے لئے بیحد تاکید بھی فرمائی ہے اور محنت ومشقت کو راہ خدا میں جہاد کے برابر قرار دیا ہے چنانچہ جو لوگ اپنے اہل وعیال کے لئے محنت مشقت کرتے ہیں انہیں روز قیامت بہترین ثواب ملے گا۔

## سوالات:

۱۔ اسلام میں کسب معاش کی کیا قدر وقیمت ہے؟

۲۔ حجۃ الوداع میں پیغمبر اکرمؐ نے جو خطبہ دیا تھا اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

۳۔ روزی کمانے میں اعتدال اختیار کرنے کے معنی کیا ہیں؟ مختصر وضاحت کیجئے؟

۴۔ روزی کے سلسلہ میں تقویٰ کا کردار کیا ہے؟

# چودھواں سبق

## کسب معاش اور تجارت کے آداب

ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام محنت ومشقت اور کام کرنے والے کی مدح وثنا کرتا ہے اور اس نے کام کاج کو راہ خدا میں جہاد کے برابر قرار دیا ہے. لہذا مناسب اور بہتر ہے کہ اس کے آداب اور بنیادی اصولوں سے بھی واقفیت حاصل کرلی جائے. کیونکہ جب ہم کام کے آداب اور صحیح طور طریقوں سے آگاہ ہو جائیں گے تو پھر کسی حرام کام یا گناہ میں مبتلا نہ ہونگے. اور اسی طرح ہمیں خود بخود رزق حلال کے راستے معلوم ہو جائیں گے اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ خداوند عالم ہم سے اس بارے میں کیا چاہتا ہے. اب آپ مختصر آداب ملاحظہ فرمائیں۔

### ۱۔ مسائل تجارت سے واقفیت

سب سے پہلے تجارت کے شرعی احکام سے واقفیت ضروری ہے کیونکہ بعض چیزوں کی خرید وفروخت اور کچھ کاروبار یا معاملات ایسے ہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اور خریدار یا بیچنے والے کے بھی کچھ حقوق ہیں جنکا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مولائے کائنات فرماتے ہیں: "مَنِ اتَّجَرَ بِغَيْرِ فِقْهٍ اِرْتَطَمَ فِي الرِّبَا" (۱) "جو شخص

(۱) بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۹۳ باب ۱

مسائل فقہ کا علم حاصل کئے بغیر تجارت کرے گا وہ سود میں مبتلا ہو جائے گا۔"

آپ سے یہ بھی منقول ہے: "مَنِ اتَّجرَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِرْتَطَمَ فِي الرِّبَا، ثُمَّ اِرْتَطَمَ فَلَا يَقْعُدَنَّ فِي السُّوقِ إِلَّا مَنْ يَعْقِلُ الشِّرَاءَ وَالْبَيْعَ" "جو شخص علم حاصل کئے بغیر تجارت کرے گا وہ سود کے دلدل میں پھنس کر رہ جائے گا لہذا بازار میں اس کے علاوہ اور کوئی ہرگز نہ بیٹھے جو خرید و فروخت کی باریکیوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔"(۱)

جناب اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں نے مولائے کائناتؑ کو منبر سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔"یا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اَلْفِقْهُ ثُمَّ الْمَتْجَرُ، اَلْفِقْهُ ثُمَّ الْمَتْجَرُ وَاللّٰهِ لَلرِّبَا فِي هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَخْفٰى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا، صُونُوا أَمْوَالَكُمْ بِالصَّدَقَةِ، التَّاجِرُ فَاجِرٌ وَالْفَاجِرُ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ أَخَذَ الْحَقَّ وَأَعْطَى الْحَقَّ" اے تجارت پیشہ لوگو! پہلے علم فقہ پھر تجارت پہلے علم فقہ پھر تجارت۔ خدا کی قسم اس امت میں ربا کے امکانات اتنے مخفی ہیں جیسے پتھر پر چیونٹی چلتی ہے۔ اپنے اموال کو صدقہ کے ذریعہ محفوظ رکھو، تاجر فاجر ہے اور فاجر کا انجام جہنم ہے سوائے ان افراد کے جو صرف اپنا حق وصول کریں اور حق ہی کے مطابق ادا کریں۔(۲)

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہی کتابوں میں کاروبار اور تجارت کے جو مسائل ہیں بازار میں داخل ہونے سے پہلے ان مسائل سے واقفیت بے حد ضروری ہے۔

## ۲۔ ذخیرہ اندوزی سے پرہیز

تاجروں کی ایک بری اور خطرناک عادت یہ ہے کہ وہ روزمرہ کی ضروریات کا سامان کافی مقدار میں خرید کر اسے ذخیرہ (اسٹاک) کر لیتے ہیں اور جب بھاؤ بہت چڑھ جاتا ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے

(۱/۲) اصول کافی ج ۵ ص ۱۵۴



تو ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسے کئی گنا مہنگا فروخت کرتے ہیں تاکہ خوب نفع حاصل کر سکیں۔ یہ ذخیرہ اندوزی (احتکار) عوام الناس پر ظلم اور ان کے ساتھ زیادتی ہے اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے شدت کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کی مذمت کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے. جیسا کہ آپؐ کا ارشاد ہے: "مَنِ احْتَكَرَ الطَّعَامَ أَرْبَعِينَ يَوْماً فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ" "جو شخص چالیس دن تک اشیاء خورد و نوش کا احتکار (ذخیرہ) کئے رہے اور فروخت نہ کرے وہ اللہ سے دور ہے اور اللہ اس سے بری اور دور ہے۔(۱)

مولائے کائناتؑ نے ارشاد فرمایا: "مَنِ احْتَكَرَ الطَّعَامَ أَرْبَعِينَ يَوْماً قَسَى قَلْبُهُ" (۲) جو شخص چالیس دن تک مال ذخیرہ کر کے رکھے (اور فروخت نہ کرے) تو وہ قسی القلب ہو جاتا ہے۔

اسی کے برعکس اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود مال کو لوگوں کی ضرورت کے وقت بازار کی قیمت پر فروخت کر دے تو پیغمبر اکرمؐ نے اس کی تعریف فرمائی ہے: "مَنْ جَلَبَ طَعَاماً فَبَاعَهُ بِسِعْرِ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقَ بِهِ" "اگر کسی کے پاس کچھ اشیاء خورد و نوش موجود ہوں (اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو) اور وہ اسے بازار کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دے تو گویا اس نے صدقہ دیدیا ہے۔(۳)

لہٰذا تمام صاحبان ایمان تاجروں کے لئے ضروری ہے کہ احتکار سے پرہیز کریں. اس سلسلہ میں یہ واقعہ منقول ہے کہ بصرہ میں کسی تاجر کا ایک نمائندہ رہتا تھا جس کے پاس وہ تاجر اپنا مال بھیج دیتا تھا اور وہ اسے منڈی میں فروخت کر دیتا تھا ایک دن اس نے ایک کشتی میں بھر کر اناج بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ جس دن مال ملے اسی دن موجودہ بھاؤ میں فروخت کر دینا. جب وہ مال وہاں پہونچا تو اس کے نمائندہ کے بعض دوستوں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ چند دن کے لئے یہ مال روک لو تو تمہارا دوگنا فائدہ ہو جائے گا، اس ایجنٹ کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور اس نے مال بیچنے میں ایک

(۱) احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب و معاشرت

(۲/۳) احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب و معاشرت

دن کی تاخیر کردی جس سے اسے کئی گنا فائدہ ہوا اور اس نے پوری تفصیل سے اصل تاجر کو باخبر کیا تو اس تاجر کو اپنے ایجنٹ کی اس حرکت پر بیحد افسوس ہوا اور اس نے اس کو لکھا کہ میرے لئے معمولی فائدہ ہی کافی تھا کہ اس سے میرا دین بھی صحیح وسالم رہتا، بھلا ایسے نفع سے کیا فائدہ جس سے انسان کا دین تباہ و برباد ہو جائے؟ تم نے اپنی اس حرکت سے میرے اور خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے لہذا خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور تمہارے پاس جو کچھ مال ہے وہ سب بصرہ کے فقیروں اور پریشان حال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو شاید پروردگار عالم اس طرح ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔(۱)

## ۳۔ دعا

پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی نصیحتوں میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام یا بازار کا ارادہ کرے تو خداوند عالم کو یاد رکھے یعنی اپنے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرے اور ہمیشہ اللہ کی مرضی پر نظر رکھے اور کسی معاملہ میں خدا سے غافل نہ رہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے ''مَنْ ذکر اللہ في السُّوقِ مُخلصاً عِندَ غَفلَةِ النّاسِ وَشَغْلِهِمْ بِمَا فِيهِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ ألف حسنةٍ وَيغفِرُ اللّٰهُ لهُ يَوْمَ القِيَامَةِ مَغْفِرَةً لَمْ تَخطُرْ عَلىٰ قَلْبِ بَشَرٍ'' ''جو شخص بازار میں پروردگار عالم کو خلوص کے ساتھ اس وقت یاد کرے جب دوسرے لوگ یاد خدا سے غافل ہوں تو خداوند عالم اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھ دیتا ہے اور روز قیامت اسے ایسی مغفرت عطا فرمائے گا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی ہے۔(۲)

(۱) احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب و معاشرت

(۲) بحار الانوار، ج ۱۰۰ ص ۱۰۲ باب ۱



امام محمد باقرؑ کی دعاؤں میں ہے کہ بازار کا رخ کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْأَلُکَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ أَهْلِهَا''(۱) اور جب کاروبار کے لئے بیٹھ جائے تو یہ دعا پڑھے: ''أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْکَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. اَللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ حَلَالاً طَيِّباً وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ أَظْلِمَ أَوْأُظْلَمَ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ صَفْقَةٍ خَاسِرَةٍ وَيَمِيْنٍ کَاذِبَةٍ'' ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں. بارالٰہا میں تیرے فضل وکرم کے سہارے حلال اور پاکیزہ روزی کا سوال کرتا ہوں اور تیری ذات کی اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں کسی کے اوپر ظلم کروں یا میرے اوپر ظلم کیا جائے اور میں ہر قسم کے گھاٹے اور جھوٹی قسم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''(۲)

ایک مومن تاجر کی سب سے بہترین خوبی یہ ہے کہ دنیاوی معاملات اور کاروبار وغیرہ اسے اس کے واجبات اور یاد الٰہی سے غافل نہ کریں جیسا کہ ہم نے گذشتہ درس میں بھی اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ کاروبار اور معاملات کے باوجود یاد خدا سے غافل نہیں ہوتے پروردگار ان کے رزق میں برکت عطا فرما دیتا ہے۔

## ۴۔ قسم سے پرہیز

اسلام کی نگاہ میں صرف خرید وفروخت کرتے وقت اپنے سامنے والے کو مطمئن کرنے کے لئے قسم کھانا ہی قابل مذمت نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام مراحل اور معاملات میں شریعت نے قسم کھانے سے حتی الامکان پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور صرف بہت ہی اہم مواقع پر اس کی اجازت دی ہے. جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ﴾(۳) ''خبردار خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔''

(۱،۲) اصول کافی ج۵ ص۱۵۵

(۳) سورۂ بقرہ آیت ۲۲۴

اسی بنا پر دنیوی معاملات خاص طور سے خرید وفروخت جیسی معمولی چیزوں کے لئے قسم کھانے کی مذمت کی گئی ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ "مَنْ بَاعَ وَاشْتَرىٰ فَلْيَحْفَظْ خَمْسَ خِصَالٍ وَاِلَّا فَلا يَبِيعَنَّ وَلا يَشْتَرِيَنَّ اَلرِّبا وَالْحَلْفُ وَكِتْمَانُ العَيْبِ وَالحَمْدُ اِذَا بَاعَ وَالذَّمُّ اِذَا اشْتَرىٰ" (۱) "جو شخص خرید وفروخت کرنا چاہے وہ اپنے کو پانچ چیزوں سے بچا کر رکھے ورنہ خرید وفروخت ہی نہ کرے، سود، قسم، عیب چھپانا، بیچتے وقت چیز کی تعریف، اور خریدتے وقت اس کی مذمت۔"

امام موسیٰ کاظمؑ کا ارشاد گرامی ہے۔ "ثَلاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَدُهُمْ رَجُلٌ اتَّخَذَ اللّٰهَ بِضَاعَةً لَا يَبِيعُ اِلَّا بِيَمِينٍ وَلَا يَشْتَرِي اِلَّا بِيَمِينٍ...." "تین افراد کی طرف خداوند عالم روز قیامت نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا ان میں سے ایک وہ ہے جس نے خداوند عالم کو اپنا سرمایہ سمجھ لیا ہے کہ نہ قسم کھائے بغیر کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور نہ کوئی چیز قسم کے بغیر خریدتا ہے۔(۲)

گذشتہ روایت میں جس قسم کی مذمت کی گئی ہے وہ سچی قسم ہے لیکن اگر قسم جھوٹی ہو تو وہ تو گناہ کبیرہ ہے جس سے اسلام نے اور شدت کے ساتھ منع کیا ہے. جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی آپ نے ملاحظہ فرمایا جس میں آپ نے جنس کی تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے۔

## ۵۔ برائیوں کا تذکرہ

تجارت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ انسان جس چیز کو فروخت کرنا چاہتا ہے اس کے عیوب نہ چھپائے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ فریب دہی کا ذمہ دار ہوگا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور اس پر سخت مواخذہ کیا جائے گا. پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں نقل ہوا ہے کہ ایک شخص بازار میں گندم بیچ رہا تھا آپ وہاں سے گذرے تو وہ آپ کو اچھا محسوس ہوا جب آپ نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا تو

(۱) بحار الانوار ج۱۰۰، ص۹۵ باب ۱

(۲) اصول کافی ج۵ ص۱۶۲



اس میں نمی پائی آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا آسمان کی وجہ سے (بارش کی نمی) ہے تو آپؐ نے فرمایا: کہ ان کو قریب کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اچھی طرح دیکھ سکیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا "مَنْ غَشَّنَا لَيْسَ مِنَّا" "جو ہمارے ساتھ ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"(۱)

## ۶۔ انصاف

خرید وفروخت کرتے وقت انصاف سے کام لینا بھی آداب تجارت میں شامل ہے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ عدالت سے کام لے یعنی اگر خریدار کو اس جنس کی ضرورت ہو تو اپنے فائدے کی خاطر اسے اس کی صحیح قیمت سے زیادہ پر فروخت نہ کرے اسی طرح اگر خریدار یہ دیکھے کہ بیچنے والا اس وقت بیچنے کے لئے مجبور ہے تو اس کو بہت کم قیمت ادا نہ کرے مختصر یہ کہ خریدار یا بیچنے والوں میں سے اگر کوئی بھی دوسرے کی چیز کم قیمت میں خریدے گا یا زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا تو یہ اس پر ظلم ہے اور اسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

تاریخ میں ہے کہ امام صادقؑ نے ایک دن اپنے غلام مصادف کو ایک ہزار دینار دئے اور فرمایا اس سے کچھ سامان خرید کر مصر لے جاؤ (کیونکہ میرے اہل وعیال میں اضافہ ہو گیا ہے) اس نے حسب حکم سامان خریدا اور دوسرے تاجروں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا جب یہ لوگ مصر کے قریب پہونچے تو وہاں سے واپس آنے والے ایک قافلہ سے ملاقات ہوئی اور ان سے وہاں کے بازار کا حال پوچھا تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت مصر میں وہ مال موجود نہیں ہے جو ہم لیکر آئے ہیں لہٰذا انہوں نے مل کر یہ قسم کھائی کہ سب لوگ اپنا مال دوگنی قیمت پر بیچیں گے. چنانچہ انہیں دوگنا فائدہ ہوا اور پھر جب وہ سب مدینہ واپس آئے تو مصادف امامؑ کی خدمت میں آئے اور دو تھیلیوں

(۱) صحیح مسلم ج۱

میں بھرے ہوئے دو ہزار دینار امامؑ کی خدمت میں پیش کردئے۔ اور عرض کی میری جان آپ پر قربان اس میں سے آدھا اصل مال ہے اور آدھا فائدہ ہے آپ نے فرمایا: کہ یہ تو بہت زیادہ ہے تو مصادف نے پورا قصہ بیان کردیا یہ ماجرا سننے کے بعد آپ نے فرمایا: "سُبْحَانَ اللّٰهِ تُحَالِفُوْنَ بِاللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ أَلَّا تَبِيعُوْهُمْ أَوْ يَرْبَحُ الدِّيْنَارُ دِيْنَاراً" کیا کہنا کہ تم نے مسلمانوں کے خلاف یہ قسم کھائی کہ انہیں اپنا مال دوگنے سے کم پر نہ بیچیں گے۔ اس کے بعد آپؑ نے اس میں سے ایک تھیلی اٹھالی اور کہا یہ میرا اصل مال ہے اور مجھے فائدہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے پھر آپؑ نے فرمایا: "يَا مُصَادِفُ مُجَادَلَةُ السُّيُوْفِ أَهْوَنُ مِنْ طَلَبِ الْحَلَالِ" "اے مصادف! تلواروں کے زخم کھانا حلال رزق کمانے سے کہیں آسان ہے۔" اس طرح امامؑ نے تجارت کا ایک مکمل اخلاقی اصول معین فرمادیا۔

## ۷۔ غرباء کے ساتھ نرم رویہ

اسلام نے تاجروں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ مول بھاؤ کرتے وقت غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ نرم رویہ رکھیں اور ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت سختی نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بالکل خالی ہاتھ، مایوس اور دل شکستہ اپنے گھر لوٹ جائیں لہذا جتنا بھی ممکن ہو ان کے ساتھ نرم رویہ رکھا جائے اور ان پر کسی قسم کا احسان جتائے بغیر قیمت کو کم کردے یا ادھار دیدے یا قرض ادا کرنے کی مہلت دیدے ایسے شخص کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے یہ دعا فرمائی ہے: "رَحِمَ اللّٰهُ امْرِئً سَهْلَ الْبَيْعِ سَهْلَ الشِّرَاءِ سَهْلَ الْاِقْتِضَاءِ" (۱) "خداوند عالم اس شخص کے اوپر رحم کرے جو خرید و فروخت، فیصلہ اور اپنے مطالبات وصول کرنے میں نرم رویہ رکھے۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً أَوْ تَرَكَ حَاسَبَهُ اللّٰهُ حِسَاباً يَسِيراً" (۲)

(۱) بحار الانوار ج ۷۴، ص ۵۹، باب ۴

(۲) وسائل الشیعہ: ج ۱۷، ص ۴۵۰، ۴۲



"جو شخص کسی پریشان حال کو ادائیگی قرض کی مہلت دیدے یا اسے چھوڑ دے (قرض نہ لے) تو خداوند عالم بھی اس کا بہت آسان حساب لے گا۔"

## ۸۔ ملاوٹ سے پرہیز

ملاوٹی سامان یا خراب مال یا نقلی نوٹ اور سکے دینا (جب کہ اس کے خراب یا نقلی ہونے کا علم ہو) ایک طرح کی خیانت اور چوری ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

دیندار اور ایماندار تاجروں کے یہاں یہ بات عام ہے کہ جب کوئی چیز خراب ہو جاتی ہے یا مثلاً گھی تیل وغیرہ نجس ہو جاتا ہے تو وہ اسے پھینک دیتے ہیں اور خود گھاٹا برداشت کر لیتے ہیں مگر خریدار کو خراب مال نہیں دیتے ہیں۔

## سبق کا خلاصہ:

اسلام میں خرید وفروخت (تجارت) کے کچھ آداب اور قوانین معین ہیں جن پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے. اور یہ اصول اور قوانین کیونکہ شریعت نے بنائے ہیں لہذا بیچنے والے اور خریدار دونوں کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اچھی طرح ان کا علم حاصل کرلیں تاکہ دوسروں کے حقوق کو بخوبی ادا کرسکیں. اور شرعی واخلاقی اعتبار سے معاملہ درست رہے۔

## سوالات:

۱۔ ائمہ اطہارؑ نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ "پہلے فقہ پھر تجارت"؟

۲۔ اسلام میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کیوں حرام اور قابل مذمت ہے؟

۳۔ کیا خرید وفروخت کے وقت قسم کھانا جائز ہے؟

۴۔ بیچنے والے کے فرائض بطور مختصر بیان کیجئے؟

# پندرہواں سبق

## نظافت وآرائش (۱)

صفائی بھی اسلام کے اہم آداب میں سے ایک ہے اور اسلام نے بدن، لباس اور گھر وغیرہ کی صفائی کی خاص تاکید کی ہے. جس طرح اس نے مسواک اور کنگھی کرنے، بال اور ناخن کاٹنے اور ماحول کو صاف ستھرا رکھنے پر زور دیا ہے۔

کوئی مسلمان اس وقت تک واقعی مسلمان نہیں بن سکتا جب تک وہ ان آداب کا خیال نہ رکھے اس کے لئے اپنی ذاتی صفائی میں ڈھیل اور سستی اسلام کی نگاہ میں قابل قبول نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ "انَ اللّٰہ طیّبٌ یُحِبُّ الطَیّبَ، نَظِیْفٌ یُحِبُّ النَّظَافَةَ" (۱) "بیشک خداوند عالم خود بھی طیب ہے اور طیب (پاک وپاکیزہ اشیاء) کو محبوب رکھتا ہے وہ خود بھی پاک وصاف ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔"

☆ "اَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ" (۲) طہارت ایمان کا جز ہے۔

☆ "اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ العَبْدُ اَلطَّهُوْرُ" "بندے سے قیامت کے دن سب سے

---

(۱) سنن ترمذی ج ۱۰

(۲) کنز العمال ح ۲۵۹۹۸

پہلے طہارت کے بارے میں سوال ہوگا۔"

☆ "تَنَظَّفُوا بِكُلِّ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ بَنَىٰ الإِسْلَامَ عَلَىٰ النَّظَافَةِ وَلَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا كُلُّ نَظِيفٍ" (۱) "تمہارے لئے جتنا بھی ممکن ہو صفائی اور ستھرائی کا خیال رکھو کیونکہ خداوند عالم نے صفائی پر اسلام کی بنیاد رکھی ہے اور جنت میں صرف اور صرف صاف ستھرے لوگ ہی جائیں گے۔"

☆ "اَلْإِسْلَامُ نَظِيفٌ فَتَنَظَّفُوا فَإِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَظِيفٌ" (۲) "اسلام صاف ستھرا مذہب ہے لہذا صاف ستھرے رہا کرو بیشک جنت میں صاف ستھرے لوگوں کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں ہوسکتا ہے۔"

☆ "إِنَّ اللهَ يُحِبُّ النَّاسِكَ النَّظِيفَ" (۳) "خداوند عالم صاف ستھرے عبادت گذار سے محبت کرتا ہے۔"

امام رضاؑ نے فرمایا ہے: "مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ التَّنَظُّفُ" (۴) "صفائی وستھرائی انبیاء کی سیرت ہے۔"

صفائی سے متعلق کچھ چیزیں تو ہر مسلمان پر شرعی اعتبار سے واجب ہیں جیسے وضو وغسل وتیمم وغیرہ جن کی تفصیل توضیح المسائل و دیگر فقہی کتب میں موجود ہے لیکن ان کے علاوہ کچھ اور

(۱) کنزالعمال ح ۳۱۰۱۰

(۲) کنزالعمال: ح ۲۶۰۰۲

(۳) کنزالعمال: ح ۲۶۰۰۰

(۴) بحارالانوار ج ۷۵، ص ۳۳۵، باب ۲۶



بھی آداب ہیں جو مستحب ہیں جنھیں اس سبق کے علاوہ آئندہ دو اسباق میں ذکر کیا جائے گا۔

## ۱۔ بدن کی صفائی

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "طَهِّرُوا هٰذِهِ الْأَجْسَادَ طَهَّرَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَبْدٌ يَبِيتُ طَاهِراً إِلَّا بَاتَ مَعَهُ مَلَكٌ فِي شِعَارِهِ وَلَا يَتَقَلَّبُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِراً" (۱) "اپنے بدن کو پاک وصاف رکھ کرو خدا تمہیں صاف ستھرا رکھے گا، کیونکہ کوئی بندہ جب رات کو پاک وصاف سوتا ہے تو ایک فرشتہ رات بھر اس کے ساتھ رہتا ہے اور رات میں جب بھی وہ کروٹ بدلتا ہے تو وہ فرشتہ یہ دعا کرتا ہے بار الہا تو اپنے اس بندے کو معاف کردے کہ اس نے طہارت کی حالت میں رات گزاری ہے۔"

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "تَنَظَّفُوا بِالْمَاءِ مِنَ النَّتَنِ الرِّيحِ الَّذِي يُتَأَذَّى بِهِ تَعَهَّدُوا أَنْفُسَكُمْ فَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُبْغِضُ مِنْ عِبَادِهِ الْقَاذُورَةَ الَّذِي يَتَأَنَّفُ بِهِ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ" (۲) "پانی کے ذریعہ اپنی وہ بد بو دھوڈالو جس سے دوسروں کو تکلیف پہونچتی ہے اور (اپنے جسم اور لباس) کا خیال رکھو کیونکہ خداوند عالم اس گندے اور کثیف انسان سے نفرت کرتا ہے جس کی بد بو کی بنا پر اس کے پاس بیٹھنے والوں کو زحمت ہوتی ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "بِئْسَ الْعَبْدُ الْقَاذُورَةُ" (۳) سب سے برا انسان گندہ اور آلودہ انسان ہے۔"

(۱) کنزالعمال: ح ۲۶۰۰۳

(۲) بحارالانوار: ج ۱۰، ص ۹۸، باب ۷

(۳) اصول کافی ج ۶، ص ۴۳۹

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "هَلَكَ الْمُتَقَذِّرُوْنَ" "گندے اور ملیچ لوگ ہلاک ہو گئے۔"(۱)

## ۲۔ حمام کے آداب

حمام کی اہمیت کے بارے میں مولائے کائنات نے ارشاد فرمایا ہے: "نِعْمَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ تَذْكُرُ فِيْهِ النَّارَ وَيَذْهَبُ بِالدَّرَنِ" (۲) "بہترین گھر حمام ہے جس (کی گرمی) میں انسان کو جہنم کی آگ یاد آ جاتی ہے اور گندگی دور ہو جاتی ہے۔"

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ يَهْتِكُ السِّتْرَ وَيَذْهَبُ بِالْحَيَاءِ" (۳) "سب سے برا گھر حمام ہے جہاں لباس اتر جاتا ہے اور حیاء کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔"

یہ حدیث گذشتہ حدیث کے بالکل برعکس ہے لہذا اگر حمام میں معقول دیواریں اور چھت وغیرہ ہوں تو بے پردگی اور بے حیائی کا امکان باقی نہ رہ جائے گا۔

امام جعفر صادقؑ کی روایت میں حمام کے آداب کا تذکرہ پایا جاتا ہے چنانچہ حمام میں داخل ہونے سے پہلے کہے: "اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنِّي الرِّجْسَ النَّجِسَ وَطَهِّرْ جَسَدِيْ وَقَلْبِيْ" (۴) "بارالٰہا مجھ سے نجاست اور گندگی کو دور فرما اور میرے جسم اور دل کو پاک و پاکیزہ بنا دے۔"

جس وقت بدن کے اوپر گرم پانی ڈالے تو یہ کہے: "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ وَنَسْأَلُهُ الْجَنَّةَ" "پروردگار کی پناہ چاہتے ہیں آگ سے اور اس سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔"

---

(۱) کنز العمال: ح ۷۳۳۲

(۲) مکارم الاخلاق ص ۵۳ (واضح رہے کہ عربی ممالک کے حمام ہمارے یہاں کے غسل خانوں سے الگ طرح کے ہوتے ہیں۔ مترجم)

(۳) مکارم الاخلاق: ص ۵۳

(۴) مکارم الاخلاق: ص ۵۳



اور جب نہا کر فارغ ہو جائے تو کپڑے پہننے سے پہلے کہے: "اَللّٰهُمَّ أَلْبِسْنِيَ التَّقْوٰى وَجَنِّبْنِي الرَّدٰى" (۱) "بارالٰہا مجھے لباس تقویٰ پہنا دے اور پستیوں سے محفوظ رکھنا۔"

حمام میں داخل ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اچھی طرح سے اپنی شرمگاہ چھپائے رہے پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "لَا يَدْخُلَنَّ أَحَدُكُمُ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ" (۲) "کوئی بھی شخص حمام میں بغیر لنگی کے ہرگز داخل نہ ہو۔"

اسی طرح امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "مِنَ الْأَدَبِ اَنْ لَا يُدْخِلَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ مَعَهُ الْحَمَّامَ فَيَنْظُرَ اِلٰى عَوْرَتِهِ" (۳) "حمام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ حمام کے اندر نہ لیکر جائے تا کہ اس کی نظریں اس کی شرمگاہ پر نہ پڑنے پائیں۔"

آپؑ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے: "مَنْ دَخَلَ الْحَمَّامَ بِمِئْزَرٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ بِسِتْرِهِ" (۴) "جو شخص لنگی پہن کر حمام میں داخل ہو گا خداوند عالم اپنے پردوں کے ذریعہ اسے چھپا کر رکھے گا۔"

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كَرِهَ لَكُمْ أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ ... دُخُوْلَ الْأَنْهَارِ إِلَّا بِمِئْزَرٍ." (۵) "اے لوگو! (امت مسلمہ) خداوند عالم کو یہ پسند نہیں ہے..... کہ تم بغیر لنگی کے نہر میں داخل ہو جاؤ۔"

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۵۲

(۲) بحار الانوار ج ۷۳، ص ۶۹، باب ۳

(۳) مکارم الاخلاق: ص ۵۳

(۴) بحار الانوار ج ۷۳، ص ۷۴، باب ۳

(۵) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۶۹، باب ۳

نہانا صرف حمام ہی میں ضروری نہیں ہے البتہ اپنی شرمگاہ کو چھپانا ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے ضروری ہے بلکہ دوسروں کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے. جیسا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "مَنْ دخَلَ الْحَمَّامَ فغضَّ طَرْفَهُ عَنِ النَّظَرِ اِلىٰ عَوْرَةِ أَخِيْهِ آمَنَهُ اللّٰهُ مِنَ الْحَمِيْمِ يَوْمَ الْقِيامة" (۱) "جو شخص حمام میں داخل ہوا اور اپنے کسی برادر مومن کی شرمگاہ کو نہ دیکھے تو خداوند عالم اسے قیامت کی جلا دینے والی گرمی سے محفوظ رکھے گا۔"

کسی نے امام محمد باقرؑ سے یہ سوال کیا کہ کیا امیر المومنینؑ نے حمام میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے؟

تو آپؑ نے فرمایا: "لاٰ، اِنَّمَا نَهَىٰ أَنْ يَّقْرَأَ الرَّجُلُ وَهُوَ عُرْيَانٌ فَإِذَا كَانَ عَلَيْهِ اِزَارٌ فَلاَ بَأْسَ" (۲) "نہیں بلکہ امیر المومنینؑ نے بالکل برہنہ ہو کر قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے لیکن اگر وہ لنگی وغیرہ پہنے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔"

یہ بھی سنت ہے کہ بدن کے فالتو بال مثلاً بغل، زیر ناف بالوں کو پندرہ دن یا تین ہفتوں میں یا چالیس دن سے پہلے ایک بار ضرور تراش لے اور اگر چالیس دن گذر جائیں تو پھر کوئی فضیلت نہ رہ جائے گی۔ (۳)

## ۳۔ لباس کی صفائی

اسلام نے لباس کے رنگ اور اس کی جنس یا شکل وصورت سے پہلے اس کی صفائی اور ستھرائی پر زور دیا ہے روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو گندے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپؐ نے فرمایا:

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۷۴، باب ۳

(۲) مکارم الاخلاق ص ۵۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۶ باب ۲



"أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَاءً يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟" (۱) "کیا اسے اتنا پانی نہیں ملا جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا۔" اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "مِنَ الدِّيْنِ اَلْمُتْعَةُ وَاِظْهَارُ النِّعْمَةِ" (۲) "نعمت سے استفادہ اور نعمت کا اظہار دین کا جز ہے۔"

اسی طرح پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "مَنِ اتَّخَذَ ثَوْباً فَلْيُنَظِّفْهُ" (۳) "جو شخص کوئی کپڑا پہنے تو اسے صاف ستھرا بھی رکھنا چاہئے۔"

آپؐ نے حضرت عائشہ سے خطاب کر کے فرمایا: "يَا عَائِشَةُ اِغْسِلِي هٰذَيْنِ الثَّوْبَيْنِ أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ الثَّوْبَ يُسَبِّحُ فَإِذَا اتَّسَخَ اِنْقَطَعَ تَسْبِيْحُهُ" (۴) "اے عائشہ ان دونوں کپڑوں کو دھو ڈالو کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ کپڑا بھی تسبیح خدا کرتا ہے مگر جب وہ کپڑا گندہ ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔"

مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے: "اَلنَّظِيْفُ مِنَ الثِّيَابِ يُذْهِبُ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ وَهُوَ طَهُوْرٌ لِلصَّلَاةِ" (۵) "صاف ستھرے کپڑوں سے رنج وغم دور ہوتا ہے اور یہ نماز کی طہارت وپاکیزگی کا ذریعہ ہے۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "اَلثَّوْبُ النَّقِيُّ يُكْبِتُ الْعَدُوَّ" (۶) "صاف ستھرا لباس دشمن کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔"

(۱) سنن ابی داؤد: ج ۴

(۲) اصول کافی ج ۶، ص ۴۳۹

(۳) اصول کافی ج ۶، ص ۴۴۱

(۴) کنز العمال ح ۲۶۰۰۹

(۵) اصول کافی ج ۶، ص ۴۴۴

(۶) مکارم الاخلاق: ص ۱۰۳

مولائے کائناتؑ نے آیۂ شریفہ "وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" "اور اپنے لباس کو پاکیزہ رکھو" (۱) کی یہ وضاحت فرمائی ہے. "فَشَمِّرْ" "یعنی اس کو چھوٹا کرلو۔"

اسی آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ نے یہ فرمایا ہے. "أيْ فَارْفَعْهَا وَلا تَجُرَّهَا" "یعنی اسے اوپر اٹھائے رکھو اور زمین پر نہ گھسیٹو. کیونکہ اگر کپڑا زمین پر لگتا ہے تو وہ گندہ ہو جاتا ہے۔"

احادیث پیغمبر اکرمؐ اور معصومینؑ کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے افضل و بہتر سفید کپڑا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ اکثر اوقات سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید فرماتے تھے: "اِلْبَسُوْا الْبَيَاضَ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ وَأَطْهَرُ وَكَفِّنُوْا فِيْهِ مَوْتَاكُمْ" (۲) "سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ زیادہ صاف ستھرا اور پاک و پاکیزہ ہوتا ہے. اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔"

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "أَحْسَنُ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِهِ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمْ اَلْبَيَاضُ" (۳) "تمہارے لئے اپنی قبروں اور مسجدوں میں زیارت خدا کرنے کے لئے سب سے بہترین رنگ سفید ہے۔"

آپؐ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے: "مِنْ أَحَبِّ ثِيَابِكُمْ اِلَى اللّٰهِ اَلْبَيَاضُ فَصَلُّوْا فِيْهَا وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ" (۴) "خداوند عالم کو تمہارا سفید لباس سب سے زیادہ پسند ہے لہذا اسی میں نماز پڑھو اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔"

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۱۰۳

(۲) کنز العمال ح ۴۱۱۰۱. کافی ج ۶ ص ۴۴۵

(۳) میزان الحکمہ: باب ۳۵۴۸

(۴) کنز العمال: ح ۴۱۱۱۷



کپڑے کی قسموں کے بارے میں روایات میں سوتی کپڑوں کی تاکید وارد ہوئی ہے جبکہ مردوں کے لئے ریشمی کپڑے حرام ہیں البتہ عورتیں ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں جیسا کہ مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے "اِلْبَسُوْا ثِيَابَ الْقُطْنِ فَإِنَّمَا هُوَ لِبَاسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَهُوَ لِبَاسُنَا" (۱) "سوتی کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ رسول اللہ کا لباس ہے اور یہی ہمارا لباس بھی ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے "حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ وَاُحِلَّ لِاُنَاثِهِمْ" (۲) "میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونے کا لباس حرام ہے اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔"

کپڑے کا اصل مقصد بدن کو ڈھانپنا ہے شان و شوکت کے اظہار اور فخر و مباہات کے لئے کپڑے پہننا شریعت کی نگاہ میں معیوب ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ لَبِسَ ثَوْباً يُبَاهِيْ بِهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ حَتّٰى يَنْزَعَهُ" (۳) "جو شخص لوگوں کو دکھانے اور فخر و مباہات کرنے کے لئے کوئی کپڑا پہنتا ہے تو جب تک وہ اسے نہیں اتار دیتا خداوند عالم اس کی طرف نظر کرم نہیں کرتا۔"

(۱) اصول کافی: ج ۶ ص ۴۴۶

(۲) کنز العمال ح ۱۲۱۰

(۳) کنز العمال: ح ۴۱۲۰۳

## سبق کا خلاصہ:

اسلام کا اعلان ہے کہ "صفائی ایمان کا جزء ہے" لہٰذا مسلمان کا حلیہ اچھا ہونا چاہئے جیسے بال مناسب ہوں اور کپڑے گندے نہ ہوں۔

نہانا، بدن اور لباس کو صاف ستھرا رکھنا بھی اسلامی آداب کا جزء ہے جن پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے۔

## سوالات:

۱۔ حدیث نبویؐ کے مطابق اسلام میں صفائی کی اہمیت کیا ہے؟

۲۔ خداوند عالم کس بندے سے نفرت کرتا ہے، ایک حدیث بیان کیجئے؟

۳۔ مختصر طور پر حمام کے آداب بیان کیجئے؟

۴۔ پیغمبر اکرمؐ نے سفید کپڑے پہننے کی کیوں تاکید فرمائی ہے؟

۵۔ اسلام نے کس لباس کو حرام قرار دیا ہے؟

# سولہواں سبق

## نظافت و آرائش (۲)

### ۴۔ مسواک

مسواک کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "مَازَالَ جَبْرَئِیلُ یُوَصِّیْنِی بِالسِّوَاکِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَیَجْعَلُهُ فَرِیْضَةً" "جبرئیل نے مجھ سے مسواک کی اتنی تاکید کی ہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اسے واجب قرار دیدیں گے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "مِنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِیَاءِ السِّوَاکُ" "مسواک کرنا انبیاء کی سیرت ہے۔"(۲)

نیز پیغمبر اکرمؐ کے یہ اقوال بھی قابل توجہ ہیں: "لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ وُضُوْءِ کُلِّ صَلَاةٍ" "اگر میری امت کے لئے دشوار (اور مشکل) نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے لئے وضو کرنے سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"(۳)

.................................

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۲۶ باب ۱۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۱ باب ۱۸

(۳) سنن ابن ماجہ حدیث ۲۸۷، بحار ج ۷۳ ص ۱۲۷، باب ۱۸

سے منہ صاف ستھرا ہوجاتا ہے۔"(۱)

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "اَلسِّوَاکُ یَجْلُوا الْبَصَرَ" "مسواک کرنے سے آنکھوں کی بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: "عَلَیْکُمْ بِالسِّوَاکِ فَإِنَّهُ یُذْهِبُ وَسْوَسَةَ الصَّدْرِ" "مسواک کیا کرو کیونکہ اس سے سینے کے وسوسے دور ہوجاتے ہیں۔"(۳)

امام رضاؑ نے فرمایا ہے: "اَلسِّوَاکُ یَجْلُوا الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ وَیُذْهِبُ بِالدَّمْعَةِ" "مسواک سے آنکھیں تیز ہوتی ہیں بال اگتے ہیں اور آنکھوں سے پانی گرنا بند ہوجاتا ہے۔"(۴)

پیغمبر اکرمؐ نے مسواک کا ایک فائدہ یہ بھی بیان فرمایا ہے: "اَلسِّوَاکُ یَزِیْدُ الرَّجُلَ فَصَاحَةً" "مسواک سے انسان کی فصاحت میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۵)

## مسواک کا طریقہ

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "اِسْتَاكُوْا عَرْضاً وَلَا تَسْتَاكُوْا طُوْلاً" عرض (چوڑائی) میں مسواک کیا کرو طول (لمبائی) کی طرف مسواک نہ کیا کرو۔(۶)

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸
(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۳، باب ۱۸
(۳) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸
(۴) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۷، باب ۱۸
(۵) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۵، باب ۱۸
(۶) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸



پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "اِذَا صُمْتُمْ فَاسْتَاكُوا بِالْغَدَاةِ وَلَا تَسْتَاكُوا بِالْعَشِيِّ، فَاِنَّهُ لَيْسَ مِنْ صَائِمٍ تَيْبَسُ شَفَتَاهُ بِالْعَشِيِّ اِلَّا كَانَ نُوراً بَيْنَ عَيْنَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "جب تم روزہ رکھو تو صبح سویرے (اذان سے پہلے) مسواک کیا کرو اور شام کو (مغرب سے پہلے) مسواک نہ کیا کرو کیونکہ ہر روزہ دار کے دونوں ہونٹ شام تک خشک ہوجاتے ہیں اور یہ کیفیت روز قیامت اس کی آنکھوں کے سامنے ایک نور کی طرح نمودار ہوگی۔"(۱)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اِنَّ السِّوَاكَ فِي السَّحَرِ وَقَبْلَ الْوُضُوءِ مِنَ السُّنَّةِ" "سحر میں وضو سے پہلے مسواک کرنا سنت ہے۔"(۲)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "لَا تَدَعْهُ (أَيِ السِّوَاكَ) فِي كُلِّ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَوْ أَنْ تُمِرَّهُ مَرَّةً وَاحِدَةً" "تین دن میں ایک بار مسواک ضرور کرلیا کرو چاہے اسے ایک بار ہی دانتوں پر پھیرلو۔"(۳)

## ۵۔ بال کٹوانا

سر کے بال اور مونچھیں چھوٹی کرنا اور داڑھی نہ مونڈنا بھی اسلام کے آداب میں شامل ہے جسکی پابندی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں: "لِيَأْخُذْ اَحَدُكُمْ مِنْ شَارِبِهِ وَالشَّعْرِ الَّذِي فِي اَنْفِهِ وَلْيَتَعَاهَدْ نَفْسَهُ فَاِنَّ ذٰلِكَ يَزِيْدُ فِي جَمَالِهِ" "تم میں سے ہر ایک اپنی مونچھیں اور ناک کے اندر اگنے والے بال ضرور کاٹتا رہے اور اپنی شکل وصورت کا خیال رکھے اس سے حسن وجمال میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۴)

(۱) بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸
(۲) وسائل الشیعہ، ج ۱
(۳) اصول کافی، ج ۳، بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۱۳۷، باب ۱۸
(۴) بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۱۰۹، باب ۱۲

☆ "صَلَاةٌ عَلی اَثَرِ السِّوَاکِ أَفْضَلُ مِنْ خَمْسٍ وَسَبعِینَ صَلَاةٍ بِغَیْرِ السِّوَاکِ" ''مسواک کے ساتھ ایک نماز پڑھنا بغیر مسواک کئے پچھتر نمازوں سے بہتر ہے۔''(۱)

آپؐ نے حضرت علیؑ کو وصیت فرمائی: "عَلَیْکَ بِالسِّوَاکِ لِکُلِّ صَلَاةٍ" ''ہر نماز سے پہلے مسواک ضرور کیا کرو۔''(۲)

☆ ''اَلسِّوَاکُ شَطْرُ الْوُضُوْءِ وَالْوُضُوْءُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ'' ''مسواک وضو کا اور وضو ایمان کا جزء ہے۔''(۳)

☆ ''اِنَّ أَفْوَاهَکُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَیِّبُوْهَا بِالسِّوَاکِ'' ''تمہارا منہ قرآن مجید کی گذرگاہ ہے لہذا اسے مسواک کے ذریعہ صاف ستھرا رکھو۔''(۴)

☆ "طَهِّرُوْا أَفْوَاهَکُمْ فَاِنَّهَا طُرُقُ الْقُرْآنِ"'' اپنے منہ کو صاف ستھرا رکھو کیونکہ یہ قرآن مجید کا راستہ ہے۔''(۵)

☆ "نَظِّفُوْا طَرِیْقَ الْقُرْآنِ" قرآن مجید کی راہوں کو صاف ستھرا رکھو عرض کیا گیا یہ قرآن کی راہیں کونسی ہیں؟

فرمایا: ''أَفْوَاهُکُمْ'' منہ، کسی نے پوچھا: انہیں کس طرح صاف رکھا جائے؟ تو فرمایا: "بالسّواک" مسواک کے ذریعہ۔(۶)

(۱) بحار الانوار: ج ۷۷ ص ۳۴۴، باب ۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۳ ص ۱۳۲، باب ۱۸

(۳) کنز العمال حدیث ۲۶۹۹، بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۰ باب ۱۸

(۴) سنن ابن ماجہ حدیث ۲۹۱، بحار الانوار: ج ۸۱ ص ۳۳۰

(۵) کنز العمال حدیث ۲۸۰۴، المستدرک ج ۱ ص ۳۶۷

(۶) بحار الانوار ج ۷۳ ص ۱۳۰، باب ۱۸



☆ ''أَفْوَاهُکُمْ طَرِیْقٌ مِنْ طُرُقِ رَبِّکُمْ فَأَحَبُّهَا اِلَی اللّٰهِ أَطْیَبُهَا رِیْحاً فَطَیِّبُوْهَا بِمَا قَدَرْتُمْ عَلَیْهِ"

''تمہارے منہ تمہارے رب کے راستے ہیں چنانچہ ان میں سے خدا کو سب سے زیادہ پسندیدہ منہ وہ ہے جو زیادہ خوشبودار ہو لہذا جتنا ممکن ہو انہیں صاف ستھرا رکھا کرو۔''(۱)

☆ "مَالِيْ أَرَاکُمْ تَدْخُلُوْنَ عَلَيَّ قُلْحاً مُرْغاً مَا لَکُمْ لَا تَسْتَاکُوْنَ" "جب تم میرے پاس آتے ہو تو تمہارے دانت پیلے کیوں رہتے ہیں تم لوگ مسواک کیوں نہیں کرتے ہیں۔(۲)

## مسواک کے فائدے

پیغمبر اکرمؐ نے مولائے کائناتؑ سے فرمایا: "یَا عَلِیُّ فِي السِّوَاکِ اِثْنَتَا عَشْرَةَ خَصْلَةً: هُوَ مِنَ السُّنَّةِ وَهُوَ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَجْلَاتٌ لِلْبَصَرِ وَیُرْضِي الرَّحْمٰنَ وَیُبَیِّضُ الْأَسْنَانَ وَیُذْهِبُ بِالْحَفَرِ وَیَشُدُّ اللِّثَةَ وَیُشَهِّي الطَّعَامَ وَیُذْهِبُ بِالْبَلْغَمِ وَیَزِیْدُ فِي الْحِفْظِ وَیُضَاعِفُ الْحَسَنَاتِ وَیُفْرِحُ الْمَلَائِکَةَ" ''اے علی مسواک میں بارہ خاصیتیں ہیں: یہ سنت ہے اور منہ کو صاف ستھرا، بینائی کو زیادہ، خدائے رحمان کو راضی، دانتوں کو سفید، اور ان کی گندگی کو دور، جڑوں کو مضبوط، کھانے کی اشتہا میں اضافہ، بلغم کو دور، حافظہ کو قوی، حسنات کو دوگن اور ملائکہ کو خوشحال کرتی ہے۔''(۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''اَلسِّوَاکُ مِنْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةٌ لِلنَّبِيِّ وَمَطْیَبَةٌ لِلْفَمِ" ''مسواک کرنے میں خدا کی رضا ہے اور یہ پیغمبر اکرمؐ کی سنت پر عمل ہے اور اس

(۱) بحار الانوار ج ۷۳ ص ۱۳۱، باب ۱۸

(۲) اصول کافی ج ۶، بحار ج ۷۳ ص ۱۳۲، باب ۱۸

(۳) بحار الانوار: ج ۷۷ ص ۳۳۶، باب ۷

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "أَخْذُ الشَّعْرِ مِنَ الْأَنْفِ يُحْسِنُ الْوَجْهَ" "ناک کے بال کاٹنے سے چہرہ حسین معلوم ہوتا ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "لَا يُطَوِّلَنَّ أَحَدُكُمْ شَارِبَهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَتَّخِذُهُ مَخْبَأً يَسْتَتِرُ بِهِ" "لمبی مونچھیں نہ رکھو کیونکہ شیطان اسے اپنی پناہ گاہ بنا کر اسی میں چھپ جاتا ہے۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: "مَنْ لَمْ يَأْخُذْ شَارِبَهُ فَلَيْسَ مِنَّا" "جو شخص اپنی مونچھیں نہ کتروائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحَى وَلَا تَتَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ" "مونچھیں چھوٹی رکھو، اور داڑھی لمبی اور اپنے کو یہودیوں کی شبیہ نہ بناؤ۔"(۳)

جناب علی بن جعفر نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے داڑھی کا حکم معلوم کیا تو آپ نے فرمایا: "أَمَّا مِنْ عَارِضَيْهِ فَلَا بَأْسَ وَأَمَّا مِنْ مُقَدَّمِهَا فَلَا يَأْخُذْ" "رخسار کے اوپر سے تراشنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ سامنے کی طرف سے صاف نہ کرو۔"(۴)

امام جعفر صادقؑ نے داڑھی کے حدود کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے: "تَقْبِضُ بِيَدِكَ عَلَى اللِّحْيَةِ وَتَجُزُّ مَا فَضَلَ" "اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر دیکھو چنانچہ جتنی مٹھی سے زیادہ ہوا سے کاٹ دو۔"(۵)

---

(۱) بحار الانوار ص ۱۰۹، باب ۱۲

(۲) بحار الانوار: ص ۱۱۲، باب ۱۳

(۳) مکارم الاخلاق طبرسی

(۴) بحار الانوار: ج ۷۶ باب ۱۳، مکارم الاخلاق ص ۶۸

(۵) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳، ص ۱۱۲



آپؑ ہی سے منقول ہے: "مَا زَادَ مِنَ اللِّحْيَةِ عَنِ الْقَبْضَةِ فَفِي النَّارِ" "ایک مٹھی سے اضافی داڑھی جہنم کا حصہ ہے۔"(۱)

بالوں کی خوبصورتی کے متعلق پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "اَلشَّعْرُ الْحَسَنُ مِنْ كِسْوَةِ اللهِ فَأَكْرِمُوهُ" "اچھے بال، خدائی پوشاک ہیں لہٰذا ان کا احترام کرو۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا گیا ہے: "اَلْمُشْطُ يَنْفِي الْفَقْرَ وَيُذْهِبُ الدَّاءَ" "کنگھی کرنے سے فقر اور مرض دور ہوتا ہے۔"(۳)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اِمْرَارُ الْمُشْطِ عَلَى صَدْرِكَ يُذْهِبُ بِالْهَمِّ" "سینہ کے اوپر کنگھی پھیرنے سے رنج و غم دور ہوتا ہے۔"(۴)

امام رضاؑ سے قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾(۵) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: "مِنْ ذٰلِكَ التَّمَشُّطُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ" "انہیں زینتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر نماز سے پہلے بالوں میں کنگھا کرے۔"(۶)

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: "كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ إِذَا طَالَ، طَالَ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ" "پیغمبر اکرمؐ کے سر کے بال زیادہ سے زیادہ کانوں کی لووں تک لمبے رہتے تھے۔"(۷)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۲۹، باب ۱۳

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۱۶، باب ۱۴

(۳) بحار الانوار: ص ۱۱۳، ۱۴

(۴) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۱۴، باب ۱۵

(۵) سورۂ اعراف آیت ۳۱

(۶) مکارم الاخلاق: ص ۶۹

(۷) مکارم الاخلاق، ص ۷۰

## ناخن کاٹنا

پیغمبر اکرمؐ نے ناخن کاٹنے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَخْرَجَ اللّٰهُ مِنْ أَنامِلِهِ دَاءً وَأَدْخَلَ فِيهَا شِفَاءً"" جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹے خداوند عالم اس کی انگلیوں سے بیماری باہر نکال کر ان میں شفا داخل کردے گا۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ سے آپ کے ایک صحابی نے یہ عرض کی کہ مجھے ایسی دعا تعلیم فرمائیں جس سے میرے رزق میں اضافہ ہو جائے تو آپؑ نے فرمایا: "خُذْ مِنْ شَارِبِكَ وَأَظْفَارِكَ وَلْيَكُنْ ذٰلِكَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ" "اپنی مونچھیں اور ناخن کاٹو اور یہ کام روز جمعہ کیا کرو۔"(۲)

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے: "تَقْلِيمُ الْاَظْفَارِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يُؤْمِنُ مِنَ الْجُذَامِ وَالْبَرَصِ وَالْعَمىٰ" "روز جمعہ ناخن کاٹنے سے جذام، برص اور نابینائی سے نجات مل جاتی ہے۔"(۳)

آپؑ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے: "مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ وَقَصَّ شَارِبَهُ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ ثُمَّ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلىٰ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ أُعْطِيَ بِكُلِّ قُلَامَةٍ وَجُزَازَةٍ عِتْقَ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيلَ" جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ناخن اور مونچھیں کاٹے اور پھر یہ کہے، بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلىٰ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، تو اسے ہر ناخن کاٹنے کے عوض اولاد جناب اسماعیلؑ میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔(۴)

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۶۴

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۱۰، باب ۱۳

(۳) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۱۰، باب ۱۳،

(۴) بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۱۰، باب ۱۱



روز جمعہ کی تاکید اس لئے ہے تاکہ کم از کم ہر ہفتہ ہمیں صفائی کی عادت رہے ورنہ صفائی کا خیال رکھنا ہمیشہ اور ہر وقت ضروری ہے لہٰذا ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اگر ناخن بڑے ہو جائیں تو جمعہ کا انتظار کرنا ضروری ہے جیسا امام موسیٰ کاظمؑ سے کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ناخن اور مونچھیں صرف جمعہ کے دن ہی کاٹنا ضروری ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: "سُبْحَانَ اللّٰهِ! خُذْهَا اِنْ شِئْتَ فِي الْجُمُعَةِ وَاِنْ شِئْتَ فِي سَائِرِ الْأَيَّامِ" "تمہارا دل چاہے تو جمعہ کے دن کاٹ لو اور اس کے علاوہ بھی جس دن چاہو کاٹ سکتے ہو۔(۱)

یعنی اگر وقت نہ مل سکے تو کبھی بھی کاٹ سکتا ہے البتہ جمعہ کے دن کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ روز جمعہ یہ سارے کام مستحب ہیں چنانچہ جب امام جعفر صادقؑ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا یہ ثواب بیان فرمایا: "لَايَزَالُ مُطَهَّراً اِلىٰ يَوْمِ الْجُمُعَةِ الْاُخْرىٰ" "وہ آئندہ جمعہ تک پاکیزہ رہے گا۔"(۲)

اور پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت ہے: "مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ وأَخَذَ مِنْ شَارِبِهِ عُوفِيَ مِنْ وَجَعِ الْأَضْرَاسِ وَوَجَعِ الْعَيْنَيْنِ"" جو شخص ہفتہ اور جمعرات کو اپنے ناخن اور مونچھیں کاٹے گا وہ دانتوں اور آنکھوں کے درد سے محفوظ رہے گا۔"(۳)

امام محمد باقرؑ نے ناخن کاٹنے کا یہ طریقہ بیان فرمایا ہے: "اِنَّ مَنْ يُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَبْدَأُ بِخِنْصِرِهِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرىٰ وَيَخْتِمُ بِخِنْصِرِهِ مِنْ يَدِهِ الْيُمْنىٰ" "جو شخص روز جمعہ اپنے ناخن کاٹے وہ بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے"(۴)

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۶۴

(۲) مکارم الاخلاق: ص ۶۵

(۳) مکارم الاخلاق: ص ۶۵

(۴) مکارم الاخلاق: ص ۶۶

## سبق کا خلاصہ:

اسلام نے صفائی اور حفظان صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے اسی لئے مومنین کرام کو ہر روز مسواک کرنے اور ہر ہفتہ بال اور ناخن کاٹنے کی بھی بہت تاکید کی ہے۔

## سوالات:

۱۔ مسواک کرنے کے بعد نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے اس بارے میں ایک حدیث نبویؐ بیان کیجئے؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ نے مسواک کرنے کے کیا فوائد بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ مسواک کرنے کے بہترین اوقات اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

۴۔ سر کے بال اور داڑھی، مونچھیں کیسی ہونا چاہئیں؟ حدیث کی روشنی میں بتایئے۔

۵۔ کنگھا کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۶۔ ناخن کاٹنے کا صحیح طریقہ اور اس کا مناسب وقت کیا ہے؟

# سترہواں سبق

# نظافت و آرائش (۳)

## ۷۔ عطریات اور خوشبو کا استعمال

روایات اور احادیث معصومینؑ میں عطر اور خوشبو استعمال کرنے کی کافی تاکید موجود ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

"اَلطِّيبُ يَشُدُّ الْقَلْبَ" "خوشبو سے دل مضبوط ہوتا ہے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے: "اَلْعِطْرُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ" "عطر مرسلین کی سنت ہے۔"(۲)

امام رضاؑ نے فرمایا ہے: "اَلطِّيبُ مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ" "خوشبو انبیاء کے اخلاق کا جز ہے۔"(۳)

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے: "مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ التَّطَيُّبُ" " اخلاق انبیاء میں خوشبو کا استعمال کرنا بھی شامل ہے۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی، ج۶ ص۵۱۰

(۲) اصول کافی، ج۶ ص۵۱۰

(۳) مکارم الاخلاق، ص۴۰

(۴) مکارم الاخلاق، ص۴۰

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "إِنَّ اللّٰهَ تَعالى يُحِبُّ الْجَمالَ وَالتَّجَمُّلَ وَيَكْرَهُ الْبُؤْسَ وَالتَّباؤُسَ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعالى إِذا أَنْعَمَ عَلى عَبْدٍ نِعْمَةً أَحَبَّ أَنْ يَرى عَلَيْهِ أَثَرَها. قِيلَ: وَكَيْفَ ذلِكَ؟ قالَ يُنَظِّفُ ثَوْبَهُ وَيُطَيِّبُ رِيحَهُ وَيُبَيِّضُ دارَهُ وَيَكْنُسُ أَفْنِيَتَهُ حَتّى أَنَّ السِّراجَ قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَيَزِيدُ فِي الرِّزْقِ" "خداوند عالم حسن وجمال اور زینت کو پسند کرتا ہے نیز بدصورت اور گندہ بنے رہنے سے کراہیت رکھتا ہے. خداوند عالم اپنے کسی بندے پر جب کوئی نعمت نازل کرتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے اوپر اس کا اثر بھی نمایاں ہو. عرض کیا گیا وہ کس طرح؟ فرمایا: اس طرح کہ اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھے، خوشبو لگائے، گھر کی صفائی کرے، جھاڑو لگائے حتی کہ سورج ڈوبنے سے پہلے چراغ روشن کرنے سے فقر دور ہوتا ہے اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْياكُمْ: النِّساءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلاةِ" "تمہاری دنیا میں سے عورتوں اور خوشبو کو میرے لئے پسندیدہ بنایا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"(۲)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا ہے: "أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: الْعِطْرُ وَالنِّساءُ وَالسِّواكُ وَالْحِناءُ" "چار چیزیں انبیاء کی سنت ہیں عطر، عورتیں، مسواک، مہندی۔"(۳)

ایک اور روایت میں آپؐ سے نقل کیا گیا ہے: "لا تَدَعِ الطِّيبَ فَإِنَّ الْمَلائِكَةَ

(۱) مکارم الاخلاق ص ۴۱
(۲) بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۴۲ باب ۱۹
(۳) بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۴۲ باب ۱۹



تَسْتَنْشِقُ رِيحَ الطِّيبِ مِنَ الْمُؤْمِنِ فَلا تَدَعِ الطِّيبَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ" "خوشبو کے استعمال کو ترک نہ کرنا کیونکہ ملائکہ مومن کی خوشبو کو سونگھتے ہیں لہذا جمعہ کے دن خوشبو کے استعمال کو ترک نہ کرنا۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "مَنْ تَطَيَّبَ أَوَّلَ النَّهارِ لَمْ يَزَلْ عَقْلُهُ مَعَهُ إِلَى اللَّيْلِ" "جو شخص دن کے آغاز میں خوشبو استعمال کرے گا تو رات تک اس کی عقل اس کے ساتھ رہے گی۔"(۲)

امام موسی کاظمؑ نے فرمایا: "لا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَدَعَ الطِّيبَ فِي كُلِّ يَوْمٍ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ فَيَوْمٌ وَيَوْمٌ لا، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ" "انسان کو کسی بھی دن خوشبو ترک نہیں کرنا چاہئے اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایک دن چھوڑ کر لگائے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو پھر ہر جمعہ کو خوشبو استعمال کرے۔"(۳)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: "ما أَنْفَقْتَ فِي الطِّيبِ فَلَيْسَ بِسَرَفٍ" "خوشبو کے لئے جتنا خرچ کیا جائے اسراف نہیں ہے۔"(۴)

آپؑ سے یہ بھی منقول ہے: "كانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُنْفِقُ فِي الطِّيبِ أَكْثَرَ مِمّا يُنْفِقُ فِي الطَّعامِ" "پیغمبر اکرمؐ خوشبو کے لئے اپنے کھانے سے زیادہ خرچ کیا کرتے تھے۔"(۵)

(۱) اصول کافی ج ۶ ص ۵۱۱
(۲) اصول کافی ج ۶ ص ۵۱۰
(۳) اصول کافی ج ۶ ص ۵۱۰
(۴) مکارم الاخلاق ص ۴۱
(۵) وسائل الشیعہ: ج ۲ ص ۱۴۶

مولائے کائنات بیان فرماتے ہیں: "إِنَّ النَّبِيَّ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ وَالْحَلْوَاءَ" "نبی اکرمؐ خوشبو اور حلوے سے کبھی منع نہیں کرتے تھے۔"(۱)

انس بن مالک کا بیان ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں جب کبھی عطر پیش کیا جاتا تھا تو آپ اسے واپس نہیں کرتے تھے۔(۲)

امام جعفر صادقؑ سے آپ کے کسی صحابی نے یہ سوال کیا کہ جسے ہدیہ میں عطر دیا جائے اور وہ اسے واپس کردے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: "لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَرُدَّ الْكَرَامَةَ" "اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کریمانہ کار خیر کو رد کرے۔"(۳)

## ۸۔ گھر اور اسکے اطراف کی صفائی

اسلام نے جس طرح بدن اور لباس کی صفائی ستھرائی کی تاکید کی ہے اور اس کے لئے خاص آداب وضع کئے ہیں اسی طرح اس نے گھر اور گلی کوچوں بلکہ انسان سے متعلق تمام چیزوں کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے مختصر یہ کہ اسلام ہر چیز کو صاف ستھرا اور جاذب نظر دیکھنا چاہتا ہے۔ مسلمان کو صرف اپنے اخلاق اور معنویات ہی نہیں بلکہ اپنے عادات و اطوار، نظافت، خوشنما ظاہر اور صاف ستھرے سماج اور معاشرہ کی بنا پر غیروں کے لئے نمونہ عمل ہونا چاہئے. مذہب اسلام اور ہادیان دین کو اسلامی معاشرہ میں کثافت وگندگی اور نحوست کسی بھی سطح پر گوارہ نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس سے مختلف قسم کی بیماریوں اور وباؤں سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے. اسی لئے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ بعض روایات میں "شیطان" سے مراد جراثیم اور بیماری کے وائرس ہیں مثال کے طور پر پیغمبر اکرمؐ کی یہ

---

(۱) اصول کافی: ج۶ ص۵۱۳

(۲) سنن ابن ماجہ: ج۸

(۳) وسائل الشیعہ. ج۲ ص۱۴۷



حدیث ملاحظہ فرمائیں: "لَا يُطَوِّلَنَّ أَحَدُكُمْ شَارِبَهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَتَّخِذُهُ مَخْبَأً يَسْتَتِرُ بِهِ" "تم میں سے کوئی بھی مونچھیں نہ بڑھائے کیونکہ شیطان اس میں گھونسلا بنالیتا ہے اور اس میں چھپا رہتا ہے۔"(۱)

چنانچہ اگر ہم سب پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی ان تعلیمات پر باقاعدہ عمل کریں تو ہماری زندگی بالکل صاف وشفاف ہوجائے گی اور ہمارا ماحول بھی ہر طرح کی آلودگی، گندگی، بیماری، اور وبا سے محفوظ رہے گا۔

اس بارے میں دو طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں. کچھ احادیث میں ماحول کی صفائی پر زور دیا گیا ہے جبکہ کچھ احادیث میں اس کے آداب اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہم جس حد تک اپنے گھر کی صفائی کا خیال رکھیں گے اتنا ہی ہمیں ماحول اور اپنے گھر کے اطراف کی صفائی کا خیال بھی رہے گا. کیونکہ گھر سے باہر کی صفائی کا دارومدار بھی دراصل گھر کی صفائی پر ہے. کیونکہ جو شخص اپنے گھر میں صاف ستھرا رہنے کا عادی ہو وہ گھر سے باہر بھی صاف ستھرا رہنے کی کوشش کرے گا اور گلی کوچوں اور سڑکوں کو گندہ کر کے دوسروں کے حقوق ضائع نہیں کرے گا۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "كَنْسُ الْبُيُوتِ يُنْفِي الْفَقْرَ" "گھر میں جھاڑو لگانے سے فقر دور ہوتا ہے۔"(۲)

امام صادقؑ نے فرمایا: "غَسْلُ الْإِنَاءِ وَكَنْسُ الْفِنَاءِ مَجْلَبَةٌ لِلرِّزْقِ" "برتن دھونے اور گھر میں جھاڑو لگانے سے رزق بڑھتا ہے۔"(۳)

---

(۱) اصول کافی: ج۶ ص۴۸۸

(۲) وسائل الشیعہ. ج۵ ص۳۱۷

(۳) وسائل الشیعہ ج۵ ص۳۱۷

(۳) بحار الانوار: ج۷۳ ص۱۷۴، باب ۳۶

حدیث نبویؐ میں ہے کہ: "لا تُؤْوُوا مِنْدِيلَ اللَّحْمِ فِي الْبَيْتِ فَإِنَّهُ مَرْبَضُ الشَّيْطَانِ، ولاتُؤْوُوا التُّرابَ خَلْفَ الْبَابِ فَإِنَّهُ مَأْوَى الشَّيْطَانِ" "گوشت کے کپڑے کو گھر میں نہ چھوڑو کیونکہ وہ شیطان کا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح کوڑا کرکٹ دروازے کے پیچھے نہ چھوڑ دو کیونکہ وہ شیطان کی پناہ گاہ ہے۔"(۱)

اسی طرح آپؐ سے یہ بھی نقل ہوا ہے: "لا تُبَيِّتُوا الْقُمَامَةَ فِي بُيُوتِكُمْ وَأَخْرِجُوهَا نَهَاراً فَإِنَّهَا مَقْعَدُ الشَّيْطَانِ" "رات کو اپنے گھر میں کوڑا نہ رہنے دو بلکہ دن میں ہی اسے باہر پھینک دو کیونکہ وہ شیطان کا مسکن ہے۔"(۲)

امیرالمومنینؑ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے: "لَا تَذَرُوا مِنْدِيلَ الْغَمَرِ فِي الْبَيْتِ فَإِنَّهُ مَرْبَضُ الشَّيْطَانِ" "چربی لگے ہوئے کپڑے کو گھر میں نہ چھوڑا کرو کیونکہ وہ شیطان کا ٹھکانہ ہے۔"(۳)

آپؐ سے یہ بھی منقول ہے: "بَيْتُ الشَّيَاطِينِ مِنْ بُيُوتِكُمْ بَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ" "تمہارے گھروں کے اندر شیطان کا گھر مکڑی کے جالے ہیں۔"(۴)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "نَظِّفُوا بُيُوتَكُمْ مِنْ حَوْكِ الْعَنْكَبُوتِ فَإِنَّ تَرْكَهُ فِي الْبَيْتِ يُورِثُ الْفَقْرَ" "گھر کو مکڑی کے جالوں سے صاف رکھو کیونکہ انہیں گھر میں چھوڑ دینے سے غربت پیدا ہوتی ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "نَهَى رَسُولُ اللَّهِ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتاً مُظْلِماً إِلَّا بِمِصْبَاحٍ"

(۱) بحارالانوار: ج۷۳ ص۱۷۴، باب۳۶

(۲) وسائل الشیعہ: ج۵ ص۳۱۸

(۳) بحارالانوار: ج۷۳ ص۱۷۶، باب۳۶

(۴) وسائل الشیعہ: ج۵ ص۳۲۲



"رسول اللہ نے تاریک گھر میں چراغ لئے بغیر داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔"(۱) یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے: "إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَرِهَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتاً مُظْلِماً إِلَّا بِسِرَاجٍ" "پیغمبر اکرمؐ تاریک گھر میں چراغ کے بغیر داخل ہونے سے کراہت رکھتے تھے۔"

آپؐ ہی سے یہ روایت بھی ہے: "السِّرَاجُ قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَيَزِيدُ فِي الرِّزْقِ" "سورج ڈوبنے سے پہلے چراغ جلانے سے غربت دور ہوتی ہے اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۲)

امام رضاؑ فرماتے ہیں: "إِسْرَاجٌ قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ يَنْفِي الْفَقْرَ" "سورج ڈوبنے سے پہلے چراغ جلانے سے فقر دور ہوتا ہے۔"(۳)

## ماحولیاتی صفائی

روایات میں عام لوگوں کے استعمال میں آنے والے مقامات جیسے سڑک، گلی کوچے، پانی کے چشمے (ٹنکیاں) پھل دار درخت، سایہ دار درخت جنکے سائے میں لوگ بیٹھتے ہیں مسجد اور گھروں کے آس پاس یا جس جگہ بھی لوگوں کو پریشانی ہو وہاں پیشاب، پائخانہ کرنے اور ان جگہوں کو گندہ کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے آباء طاہرینؑ کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت نقل کی ہے: "نهى رَسُولُ اللّٰهِ أَنْ يَتَغَوَّطَ عَلىٰ شَفِيرِ بِئْرِ مَاءٍ يُسْتَعْذَبُ مِنْهَا أَوْ نَهْرٍ يُسْتَعْذَبُ أَوْ تَحْتَ شَجَرَةٍ فِيهَا ثَمَرَتُهَا" "جس کنویں سے لوگ پینے کا پانی بھرتے ہیں اس کے دہانے پر

(۱) وسائل الشیعہ: ج۵ ص۳۲۲

(۲) بحارالانوار ج۷۳ ص۱۷۵، باب۳۶

(۳) وسائل الشیعہ: ج۳ ص۵۷۳

یا پینے کے پانی کی نہر کے راستے پر یا پھل دار درخت کے نیچے پائخانہ کرنے سے رسول اللہؐ نے منع فرمایا ہے۔"(۱)

آپؐ نے یہ روایت کی ہے کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثَلاثٌ (ثَلٰثَةٌ)، مَلْعُوْنٌ مَنْ فعلَهُنَّ: اَلْمُتَغَوِّطُ فِي ظِلِّ النَّزَالِ وَالْمَانِعُ الْماءِ الْمُنْتَابِ وَسَادُّ الطَّرِيْقِ الْمَسْلُوْكِ" رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: "تین آدمی، تین آدمی، اپنی حرکتوں کی وجہ سے ملعون ہیں. سایہ دار جگہ پر (جہاں لوگ ٹھہرتے ہیں) پائخانہ کرنے والا، دوسروں کا پانی روکنے والا، عام راستوں کو بند کرنے والا۔"(۲)

مولائے کائنات نے فرمایا ہے: "نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنْ يَبُوْلَ أَحَدٌ تَحْتَ شَجَرَةٍ مُثْمِرَةٍ أَوْ عَلَى الْقارِعَةِ الطَّرِيْقِ" "پیغمبر اکرمؐ نے پھل دار درخت اور راستوں پر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔"(۳)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے اجداد طاہرینؑ کے واسطہ سے پیغمبر اکرمؐ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ أَيَّتُهَا الْاُمَّةُ أَرْبَعاً وَعِشْرِيْنَ خَصْلَةً ونهاكُمْ عَنْهَا. اِلىٰ أَنْ قَالَ: وَكَرِهَ الْبَوْلَ عَلىٰ شَطِّ نَهْرٍ جارٍ وَكَرِهَ أَنْ يَحْرُثَ الرَّجُلُ تَحْتَ شَجَرَةٍ مُثْمِرَةٍ قَدْ اَيْنَعَتْ أَوْ نَخْلَةٍ قَدْ أَيْنَعَتْ يَعنِيْ أَثْمَرَتْ" "اے میری امت کے لوگو! خداوند عالم کو تمہارے لئے چوبیس چیزیں پسند نہیں ہیں اسی لئے اس نے تمہیں ان سے منع کیا ہے. یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: کہ کوئی جاری نہر کے ساحل پر پیشاب کرے یا کسی پھل دار درخت کے نیچے یا جس درخت پر کھجوریں لگی ہوں اس کے نیچے پائخانہ کرے یہ بھی اسے پسند نہیں ہے۔"(۴)

(۱) وسائل الشیعہ ج۱ ص۳۲۵

(۲) وسائل الشیعہ ج۱ ص۳۲۵

(۳) وسائل الشیعہ ج۱ ص۳۲۵

(۴) وسائل الشیعہ: ج۱ ص۳۲۸



کسی شخص نے امام زین العابدینؑ سے سوال کیا کہ پائخانہ کس جگہ کر سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: "يَتَّقِيْ شُطُوْطَ الْأَنْهَارِ وَالطُّرُقِ النَّافِذَةِ وَتَحْتَ الْأَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ وَمَوَاضِعَ اللَّعْنِ فَقِيْلَ لَهُ: وَأَيْنَ مَوَاضِعُ اللَّعْنِ؟ قالَ: أَبْوَابَ الدُّوْرِ" "نہروں کے ساحل، عام راستوں، پھل دار درختوں کے نیچے اور لعنت و ملامت کی جگہ سے دور، عرض کیا گیا کہ یہ لعنت و ملامت والی جگہیں کونسی ہیں تو فرمایا: گھروں کے دروازے۔"(۱)

(۱) وسائل الشیعہ ج۱ ص۳۲۴

## سبق کا خلاصہ:

عطر لگانے اور، گھر اور ماحول کو صاف رکھنے کے لئے بھی اسلام نے خاص تاکید کی ہے اس سے اسلامی سماج اور معاشرہ صاف ستھرا رہتا ہے۔

## سوالات:

۱۔ خوشبو اور عطر لگانے کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث بیان فرمائیں؟

۲۔ عطریات پر مسلمان کس حد تک خرچ کر سکتا ہے؟

۳۔ گھر کی صفائی کے بارے میں معصومینؑ نے کیا فرمایا ہے؟

۴۔ کن جگہوں پر پیشاب، پائخانہ کرنا منع ہے؟

# اٹھارہواں سبق

## بیت الخلاء کے آداب

بدن، لباس، گھر اور ماحول کی صفائی کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کے بعد اس موضوع کی تکمیل کے لئے بیت الخلاء کے آداب کے بارے میں بھی اسلامی تاکیدات کی طرف ایک اشارہ کیا جا رہا ہے۔

### ۱۔ لوگوں کی نگاہ سے دور:

ایسی جگہ رفع حاجت کرے کہ جہاں لوگ اسے نہ دیکھ سکیں. لہٰذا اگر بیت الخلاء بنا ہو تو وہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کی دیواریں بلند ہوں اور حتی الامکان چھت اور دروازہ بھی ہو تاکہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے اور اگر صحرا و بیابان میں ہو تو لوگوں کی نگاہوں سے دور چلا جائے یا کسی گہرائی میں یا ٹیلہ کے پیچھے بیٹھے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "مَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ" "جو آدمی پائخانہ کرنے جائے وہ اپنے کو (دوسروں کی نظروں سے) چھپائے۔"(۱)

آپؑ ہی سے یہ روایت منقول ہے: "قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: إِذَا سَافَرْتَ مَعَ قَوْمٍ

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۰۶

فأكثِر استشارتهم، (إلى أنْ قالَ) وَإذا أَرَدْتَ قضاءَ حاجَتِكَ فَأَبْعِدِ الْمَذْهَبَ فِي الْأَرْض" "جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: جب تم کسی قوم وقبیلہ کے ساتھ سفر کروتو ان سے زیادہ سے زیادہ مشورہ کرو یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اور جب تمہیں بیت الخلاء کی حاجت ہوتو راستہ سے دور چلے جاؤ۔"

آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے: "مَا اُوتِيَ لُقْمانُ الْحِكْمَةَ لِحَسَبٍ وَلَامَالٍ ولابسطٍ في جسمٍ ولا جمالٍ وَلٰكِنَّهُ كَانَ رَجُلاً قوِيّاً فِي أَمْرِ اللّٰهِ مُتَوَرِّعاً فِي اللّٰهِ ساكناً مِسْكِيناً (إلى أنْ قَالَ:) وَلَمْ يَرَهُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ عَلى بَوْلٍ وَلَاغَائِطٍ قَطُّ وَلَا اغْتِسالٍ لِشِدَّةِ تَسَتُّرِهِ وَتَحَفُّظِهِ فِي أَمْرِهِ (إلى أنْ قَالَ:) فَبِذٰلِكَ أُوتِيَ الْحِكْمَةَ وَمُنِحَ الْقَضِيَّةَ" "جناب لقمان کو حسب ونسب، مال ودولت، جسمانی صحت یا حسن وجمال کی وجہ سے حکمت نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ خدائی معاملات میں بہت مضبوط تھے اور خدا سے بہت زیادہ ڈرنے والے، صاحب ورع، پرسکون ورخاموش مزاج تھے. یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: کہ وہ ستر کے اس قدر پابند تھے کہ ان کو کسی نے کبھی بھی پیشاب یا پائخانہ یا غسل کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا اسی لئے انہیں حکمت اور دوسری صلاحیتیں عطا کی گئی تھیں۔"(۱)

## ۲۔ شرمگاہ چھپانا

ہر مسلمان پر دوسروں سے اپنے شرمگاہ کو چھپانا ہمیشہ واجب ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی مشہور حدیث "حدیث مناہی" میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "إِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فِي فَضَاءِ مِنَ الْأَرْضِ فَلْيُحَاذِرْ عَلى عَوْرَتِهِ وَقَالَ: لَا يَدْخُلُ أَحَدُكُمُ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۰۵



وبهى أنْ ينظُر الرَّجُلُ إلى عوْرةِ أخيهِ الْمُسْلِمِ وقالَ: مَنْ تأَمَّلَ عوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ لَعنهُ سَبْعُونَ أَلْفِ ملكٍ، ونَهَى الْمَرْأَةَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَقالَ مَنْ نَظَرَ إِلىٰ عوْرةِ أخيهِ الْمُسْلِمِ أوْ عَوْرَةِ غَيْرِ أَهْلِهِ مُتَعَمِّداً أَدْخلهُ اللّٰهُ مَعَ الْمُنافِقِينَ الَّذِينَ كَانُوا يَبْحَثُونَ عَنْ عَوْرَاتِ النَّاسِ وَلَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى يَفْضَحَهُ اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يَتُوبَ" "اگر تم میں سے کوئی شخص کھلی جگہ پر نہائے تو اپنی شرمگاہ کو چھپائے رکھے۔ اور آپؐ نے فرمایا: "کہ کوئی بھی حمام میں بغیر لنگی کے داخل نہ ہو. اور کسی مسلمان کی شرمگاہ کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: "کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی شرمگاہ کو غور سے دیکھے اس پر ستر ہزار فرشتوں کی لعنت ہے. اسی طرح آپؐ نے عورتوں کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنے سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "جو شخص اپنے شریک زندگی کے علاوہ کسی مسلمان یا کسی اور کی شرمگاہ کو جان بوجھ کر دیکھے گا خداوند عالم اسے منافقین میں شامل کردے گا جو لوگوں کی شرمگاہوں کی ٹوہ میں رہتے تھے، اور وہ شخص دنیا سے اس عالم میں جائے گا کہ خداوند عالم اس کو رسوا اور ذلیل کر کے رکھ دے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ سے پروردگار عالم کے اس قول ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكىٰ لَهُمْ﴾(۲) کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا: "كُلُّ مَا كَانَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ حِفْظِ الْفَرْجِ فَهُوَ مِنَ الزِّنَا إِلَّا فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ فَإِنَّهُ لِلْحِفْظِ مِنْ أَنْ يُنْظَرَ إِلَيْهِ" "قرآن مجید میں جس جگہ بھی شرمگاہ کی حفاظت کا تذکرہ ہے اس سے مراد 'زنا' ہے مگر صرف اس آیت میں اسے دوسروں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"(۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۲۹۹

(۲) سورۂ نور آیت ۳۰

(۳) وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۰۰

## ۳۔ قبلہ کی سمت سے بچنا

قبلہ کی طرف پیٹھ یا رخ کر کے پیشاب، پاخانہ کے لئے کھڑے ہونا یا بیٹھنا حرام ہے اسے اسلام نے گناہ قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اِذَا دَخَلْتُمُ الْغَائِطَ فَتَجَنَّبُوا الْقِبْلَةَ" "جب بیت الخلاء میں داخل ہو تو قبلہ کی سمت نہ بیٹھو۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: "نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ بِبَوْلٍ اَوْ غَائِطٍ" "رسول اکرمؐ نے پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت روبقبلہ ہونے سے منع کیا ہے۔"(۲)

اسی طرح ایک اور حدیث نبوی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اِذَا دَخَلْتَ الْمَخْرَجَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا" "جب تم بیت الخلاء میں داخل ہو تو قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھو بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب مڑ جاؤ۔"(۳)

(واضح رہے کہ اس حدیث میں مشرق یا مغرب کی طرف مڑ جانے سے مراد یہ ہے کہ قبلہ کی سمت نہ ہو لہذا کسی ملک کا قبلہ اگر مغرب یا مشرق میں ہو تو پھر شمال یا جنوب کی طرف مڑ جائے)

اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ ہوا کے رخ پر نہ بیٹھے جیسا کہ امام رضاؑ کا ارشاد ہے: "لَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرْهَا وَلَا تَسْتَقْبِلِ الرِّيْحَ وَلَا تَسْتَدْبِرْهَا" "پیشاب پاخانہ کے لئے روبقبلہ یا پشت بقبلہ نہ بیٹھے اور نہ ہی ہوا کے رخ پر اور نہ اس کی طرف پیٹھ کر کے۔"(۴)

---

(۱) وسائل الشیعہ۔ ج ۱ص ۳۰۲

(۲) وسائل الشیعہ ج ۱ص ۳۰۰

(۳) وسائل الشیعہ: ج ۱ص ۳۰۲

(۴) بحار الانوار ج ۷۷ص ۱۸۲، باب ۲



## ۴۔ خاموش رہنا

پاخانہ کرتے وقت بولنا یا تلاوت قرآن کرنا بھی صحیح نہیں ہے. البتہ اگر اذان کی آواز سنائی دے رہی ہو تو ذکر الٰہی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے. جیسا کہ امام رضاؑ نے بیان فرمایا ہے کہ: "نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ يُجِيْبَ الرَّجُلُ آخَرَ وَهُوَ عَلَى الْغَائِطِ اَوْ يُكَلِّمَهُ حَتّٰى يَفْرُغَ" "پاخانہ کرتے وقت کسی دوسرے کا جواب نہ دینے اور جب تک فارغ نہ ہو جائے بات کرنے سے رسول اللہؐ نے منع فرمایا ہے۔"(۱)

مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے: "سَبْعَةٌ لَا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ: اَلرَّاكِعُ وَالسَّاجِدُ وَفِي الْكَنِيْفِ وَفِي الْحَمَّامِ وَالْجُنُبُ وَالنُّفَسَاءُ وَالْحَائِضُ" "سات افراد تلاوت قرآن نہ کریں، رکوع و سجود کرنے والے، بیت الخلاء اور حمام میں موجود افراد، مجنب، نفساء، اور حائض۔"(۲)

امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ: "اِذَا سَمِعْتَ الْاَذَانَ وَاَنْتَ عَلَى الْخَلَاءِ فَقُلْ مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ وَلَا تَدَعْ ذِكْرَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ تِلْكَ الْحَالِ لِمَا اَنَّ ذِكْرَ اللّٰهِ حَسَنٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" "جب اذان کی آواز سنو اور تم بیت الخلاء کے اندر ہو تو جو کچھ موذن کہے اسے دہراتے رہو اور اس وقت بھی ذکر الٰہی کو ترک نہ کرو کیونکہ ذکر الٰہی ہر حال میں بہتر ہے۔"(۳)

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے "لَا بَاْسَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَاَنْتَ تَبُوْلُ فَاِنَّ ذِكْرَ اللّٰهِ حَسَنٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَلَا تَسْاَمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" "اگر تم پیشاب کر رہے ہو تب بھی ذکر الٰہی میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ذکر الٰہی ہر حالت میں بہتر اور حسن ہے اور ذکر الٰہی سے کبھی رنجیدہ خاطر مت ہونا۔"(۴)

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۱ص ۳۰۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۷ص ۱۷۴، باب ۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۱۷۵، باب ۲

(۴) بحار الانوار: ج ۷۷ص ۱۹۰، باب ۲

## ۵۔ بقیہ آداب

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پیر رکھے اور باہر نکلتے وقت پہلے داہنا پیر باہر نکالے۔

کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرے جیسے کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: "اَلْبَوْلُ قَائِماً مِنْ غَیْرِ عِلَّةٍ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْاِسْتِنْجَاءِ بِالْیَمِیْنِ مِنَ الْجَفَاءِ" "بلا سبب کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ظلم و جفا ہے اور اسی طرح داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا بھی جفا ہے۔"(۱)

سخت جگہ پر جیسے پتھر پر یا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے. امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے اجداد طاہرین کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ سے نقل فرمایا ہے کہ آپ کا ارشاد ہے: "اَلْبَوْلُ فِي الْمَاءِ الْقَائِمِ مِنَ الْجَفَاءِ" "ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا جفا ہے۔"(۲)

اسی طرح آداب بیت الخلاء کے سلسلہ میں امام محمد باقرؑ سے نقل کیا گیا ہے کہ: "نَهَیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنْ یَطْمَحَ الرَّجُلُ بِبَوْلِهِ مِنَ السَّطْحِ فِي الْهَوَاءِ" "رسول اللہؐ نے بلندی سے ہوا میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔"(۳)

اس کے علاوہ بھی بیت الخلاء کے کچھ اور آداب ہیں جن میں سے کچھ تو آپ گذشتہ دو اسبق میں پڑھ چکے ہیں. البتہ نجاسات سے اجتناب اور طہارت کرنے کا طریقہ کیا ہے اس کی وضاحت آئندہ سبق میں پیش کی جائے گی۔

(۱) بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۱۷۴، باب ۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۱۸۸، باب ۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۱۸۸، باب ۲



## سبق کا خلاصہ:

اسلام نے بیت الخلاء کے مندرجہ ذیل آداب بتائے ہیں۔

شرمگاہ کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا، قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ نہ کرنا، خاموش رہنا البتہ اگر اذان کی آواز سنائی دے تو اس کو دہرا کر کے ذکر الٰہی کرتا رہے۔

## سوالات:

۱۔ جناب لقمان کو کن اسباب کی بنا پر حکمت عطا کی گئی؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ نے کسی کی شرمگاہ دیکھنے والے کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۳۔ بیت الخلاء کے وقت کس رخ بیٹھنا حرام ہے؟

۴۔ کیا رفع حاجت کے دوران بات کر سکتے ہیں؟

۵۔ بیت الخلاء کے آداب مختصر طور سے بیان کیجئے؟

# انیسواں سبق

## کھانے پینے کے آداب (۱)

انسانی زندگی کی نشونما اور بقاء کا دارومدار کھانے پینے پر ہے لہذ کھانا پینا فطری شے ہے اسی لئے اسلام نے اس کو خاص اہمیت دی ہے. اور اس کے لئے مخصوص اخلاقی، فقہی آداب اور احکام بیان کئے ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ اگر ان آداب پر اچھی طرح عمل کیا جائے تو نہ صرف ایک مسلمان بلکہ پورا اسلامی معاشرہ بڑے سکون کے ساتھ پاک و پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اسلامی نکتۂ نظر کے مطابق پاک و پاکیزہ زندگی اسی کو کہا جاتا ہے کہ جس میں انسان اپنی تمام مادی اور روحانی ضروریات حاصل کر سکے۔

انشاء اللہ آئندہ اسباق میں ہم آپ کو کھانے پینے کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں گے۔

### ۱۔ حلال اور پاک غذا:

کسی غذا کو استعمال کرنے سے پہلے ہر مسلمان کو چند بنیادی چیزوں پر توجہ رکھنا چاہئے۔

۱۔ غذا حلال ہو، اسلام میں حرام چیزوں کا استعمال ممنوع ہے. جیسے مردار، سور کا گوشت، یا شراب لہذا گوشت کھاتے وقت مسلمان کو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ گوشت کس جانور کا ہے اور

دوسرے یہ کہ جانور اسلامی احکامات کے مطابق ذبح ہوا ہے یا نہیں؟

۲۔ غذا پاک ہو یعنی کھانا تیار کرتے وقت اس میں کوئی نجس یا حرام چیز نہ ملی ہو کیونکہ اگر کھانے میں کوئی حرام چیز موجود ہو تو اس سے دل کی نورانیت اور روح کی شفافیت ختم ہو جاتی ہے اور انسان روحانی کمالات کی بلندیوں تک نہیں پہونچ پاتا. یہی وجہ ہے کہ اسلامی منابع میں بازار کے بنے ہوئے کھانے سے پرہیز کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ غذائی اشیاء بنانے والے شرعی احکام کا مکمل خیال نہیں رکھتے البتہ یہ دھیان رہے کہ اگرچہ اسلامی ممالک میں بازار کے کھانے حلال اور پاک ہیں پھر بھی ان کے استعمال سے منع کیا گیا ہے تاکہ انسان کے اخلاقیات پر برا اثر نہ پڑنے پائے یہ صرف ایک اخلاقی حکم ہے۔

۳۔ غذا حلال ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو ہمیشہ رزق حلال استعمال کرے اسلام میں حلال اور حرام کمائی کے طریقوں کی بخوبی وضاحت موجود ہے. اسی طرح حلال طور پر حاصل ہونے کے بعد اس کو پاک و پاکیزہ رکھنا بھی ضروری ہے یعنی شریعت نے ہمارے اموال میں جو خمس یا زکات واجب کی ہے اسے بھی ضرور ادا کیا جائے. لہٰذا ہر مسلمان کو یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ اس کی پوری کمائی بالکل حلال ہو اور اس کے کاروبار یا تجارت میں مال حرام شامل نہ ہو۔

## ۲۔ ہاتھ دھونا

صبح سے شام تک انسان نہ جانے کتنے کام کرتا ہے جن سے اس کے ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں لہٰذا کھانا شروع کرنے سے پہلے ہر مسلمان کو ہاتھ ضرور دھونا چاہئے جیسا کہ پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے: "الْوُضُوْءُ قَبْلَ الطَّعَامِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَبَعْدَهُ يَنْفِي اللَّمَمَ وَيُصِحُّ الْبَصَرَ" کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے غربت دور ہوتی ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے جنون دور ہوتا ہے اور آنکھوں کی بینائی درست رہتی ہے۔(۱)

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۱۳۹



بعض نسخوں میں 'اللمم' کے بجائے 'ینفی الھم' آیا ہے یعنی "رنج و غم دور ہوتا ہے" آپ سے یہ بھی منقول ہے: "مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْثُرَ خَيْرُهُ، فَلْيَتَوَضَّأْ عِنْدَ حُضُوْرِ طَعَامِهِ" "جسے اپنی بھلائی اور خیر کی زیادتی درکار ہے تو وہ کھانا کھانے سے پہلے وضو کر لیا کرے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "مَنْ غَسَلَ يَدَهُ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ بُوْرِكَ لَهُ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ وَعَاشَ مَا عَاشَ فِي سَعَةٍ وَعُوْفِيَ مِنْ بَلْوَى فِي جَسَدِهِ" "جو شخص کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تو وہ کھانا شروع سے آخر تک اس کے لئے بابرکت ہو جائے گا اور جب تک زندہ رہے گا زندگی آسان رہے گی اور جسمانی بلاؤں (بیماریوں) سے محفوظ رہے گا۔"(۲)

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے: "مَنْ غَسَلَ يَدَهُ قَبْلَ الطَّعَامِ فَلَا يَمْسَحْهَا بِالْمِنْدِيْلِ فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ الْبَرَكَةُ فِي الطَّعَامِ مَادَامَتِ النَّدَاوَةُ فِي الْيَدِ" "کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر اسے رومال سے خشک نہ کرو کیونکہ جب تک ہاتھ میں تری باقی رہے گی کھانے میں بھی برکت رہے گی۔"(۳)

امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی جناب صفوان جمال بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امامؑ کی خدمت میں حاضر تھا جب دسترخوان بچھایا گیا تو ایک خادم نے برتن میں آپ کے ہاتھ دھلائے اور جب اس خادم نے آپ کی خدمت میں تولیہ پیش کیا تو آپؑ نے فرمایا: "اِنَّمَا الْوُضُوْءُ مِنْ هٰذَا وَأَمْثَالِهِ" "ہم نے ایسی ہی چیزوں کے لئے ہاتھ دھوئے ہیں۔"

امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک صحابی نے دیکھا کہ آپ نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے اور انہیں خشک نہیں کیا لیکن کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر کپڑے سے خشک کر لیا۔(۴)

(۱) مکارم الاخلاق ص ۱۳۹

(۲، ۳، ۴) مکارم الاخلاص ص ۱۳۹

## ۳۔ دسترخوان پر بیٹھنے کا طریقہ

مسلمان کو دسترخوان پر اس طرح بیٹھنا چاہئے جس سے خداوند عالم کے حضور زیادہ سے زیادہ تواضع وانکساری کا اظہار ہو اور اس طرح کھانا کھائے جس سے اس کی بندگی اور عبودیت نیز اس کے ساتھ ساتھ نعمت پر شکر اور حمد وثنا جھلکتی ہو. جیسا کہ انس بن مالک کی روایت ہے۔ "مَا أَكَلَ رَسُوْلُ اللهِ عَلىٰ خُوَانٍ ولا فِيْ سُكرُجةٍ. قِيْلَ لَهُ: فَعَلىٰ مَاذَا كُنتُمْ تَأْكُلُونَ؟ قَالَ: عَلَىٰ السُّفرةِ" پیغمبر اکرمؐ نے کبھی بھی خوان (سینی) اور سکرجہ(۱) میں کھانا نہیں کھایا سوال کیا گیا تو تم کس طرح کھانا کھاتے تھے؟ جواب دیا کہ دسترخوان پر بیٹھ کر۔(۲)

پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں: "أَنَا لَا آكُلُ مُتَّكِئاً إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ" "میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا ہوں بلکہ میں خدا کا بندہ ہوں لہذا بندوں (غلاموں) کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔"(۳)

مولائے کائناتؑ نے فرمایا: "إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلىٰ الطَّعَامِ فَلْيَجْلِسْ جِلْسَةَ الْعَبْدِ وَلْيَأْكُلْ عَلىٰ الْأَرْضِ وَلَايَضَعْ إِحدىٰ رِجْلَيْهِ عَلَىٰ الْأُخرىٰ يَتَرَبَّعُ فَإِنَّهَا جِلْسَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ عزَّوجلَّ وَيَمْقِتُ صاحِبَهَا" جب تم کھانا کھانے بیٹھو تو غلاموں کی طرح بیٹھا کرو اور اپنے ایک پیر کو دوسرے پیر کے اوپر نہ رکھو (پالتھی مار کر نہ بیٹھو) کیونکہ خداوند عالم کو بیٹھنے کا یہ انداز ہرگز پسند نہیں ہے اور وہ اس طرح بیٹھنے والے سے ناراض اور بیزار ہے۔(۴)

............................................................

(۱) سکرجہ: چھوٹا برتن یا چھوٹی رکابی

(۲) احیاء العلوم الدین. کتاب آداب اکل

(۳) سنن ابن ماجہ: حدیث ۳۲۶۳۰

(۴) اصول کافی ج ۶ ص ۲۷۲



امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے. "مَا أَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مُتَّكِئاً مُنْذُ بَعَثَهُ اللّٰهُ عزَّوجلَّ الىٰ أَنْ قَبَضَهُ وَكَانَ يَأْكُلُ أُكْلَةَ الْعَبْدِ وَيَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ قِيلَ: وَلِمَ ذلكَ؟ قَالَ: تَواضُعاً لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ" "پیغمبر اکرمؐ نے وقت بعثت سے آخر عمر تک کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا بلکہ آپ غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور انہیں کی طرح بیٹھا کرتے تھے. عرض کیا گیا اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بارگاہ الٰہی میں تواضع کی وجہ سے۔(۱)

## ۴۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا

پیغمبر اکرمؐ نے مولائے کائناتؑ سے فرمایا تھا: "يَاعَلِيُّ إِذَا أَكَلْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَإِذَا فَرَغْتَ فَقُلْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَإِنَّ حَافِظَيْكَ لَايَسْتَرِيْحَانِ مِنْ أَنْ يَكْتُبَا لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰى تَنْبذَهُ عَنْكَ" اے علی جب کھانا شروع کرو تو پہلے بسم اللہ کہو اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو الحمد للہ کہو تو تمہارے اوپر مقرر دونوں فرشتوں کو تمہارے حسنات لکھنے سے فرصت نہ ملے گی۔(۲)

حضرت علیؑ کا قول ہے. "ضَمِنْتُ لِمَنْ سَمَّى عَلَى طَعَامِهِ أَنْ لَايَشْتَكِيَ مِنْهُ" جو شخص کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ کہے گا میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اس کھانے سے اسے کوئی شکایت (تکلیف) نہ ہوگی۔(۳)

امام جعفر صادقؑ کا قول ہے: "إِنَّ مَنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ عَلىٰ كُلِّ لَوْنٍ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ عَلىٰ أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ" "جو شخص غذا کی ہر قسم سے پہلے بسم اللہ کہنا بھول جائے تو وہ کھانے سے

............................................................

(۱) اصول کافی. ص ۲۷۰

(۲) مکارم الاخلاق ص ۱۴۲

(۳) اصول کافی ج ۶ ص ۲۹۵

پہلے اور اس کے آخر میں ہی بسم اللہ کہہ لے۔(۱)

علماء اخلاق کی تاکید یہ ہے کہ ہر لقمہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ کہے کیونکہ یہ بھی عبادت کا جزء ہے۔

## ۵۔نیت

کھانا کھاتے وقت ہر مسلمان کی یہ نیت ہونا چاہئے کہ اس سے بدن کو جو طاقت ملے گی اس طاقت کو وہ خداوند عالم کی راہ میں خرچ کرے گا نہ یہ کہ صرف زبان کے مزے اور چٹخارے یا اپنا پیٹ بھرنے کی فکر میں رہے کیونکہ صرف لطف اندوزی کے لئے کھانا کھانے سے انسان حیوانیت کی پستیوں میں پہونچ جاتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد خداوند عالم کی اطاعت میں زندگی بسر کرنا ہونا چاہئے نہ یہ کہ کھانے پینے کے لئے زندگی گذارنا۔

مولائے کائنات نے امام حسنؑ کو یہ وصیت فرمائی تھی: "يَا بُنَيَّ لَا تَطْعَمَنَّ لُقْمَةً مِنْ حَارٍّ وَلَا بَارِدٍ وَلَا تَشْرَبَنَّ شَرْبَةً وَلَا جُرْعَةً إِلَّا وَأَنْتَ تَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ تَأْكُلَهُ وَقَبْلَ أَنْ تَشْرَبَهُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِيْ أَكْلِيْ وَشُرْبِيْ السَّلَامَةَ مِنْ وَعْكَةٍ وَالْقُوَّةَ بِهِ عَلٰى طَاعَتِكَ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ فِيْمَا بَقِيَتُهُ فِيْ بَدَنِيْ وَأَنْ تُشَجِّعَنِيْ بِقُوَّتِهِ عَلٰى عِبَادَتِكَ وَأَنْ تُلْهِمَنِيْ حُسْنَ التَّحَرُّزِ مِنْ مَعْصِيَتِكَ" "اے بیٹا کوئی گرم یا ٹھنڈا لقمہ منھ میں رکھنے اور ایک گھونٹ بھی نہ پانی پینے سے پہلے یہ ضرور کہہ لینا۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِيْ أَكْلِيْ وَشُرْبِيْ" بارالٰہا! میں اپنے کھانے پینے کے بارے تجھ سے میری یہ دعا ہے کہ اس کے ذریعہ مجھے بیماری سے حفاظت اور اپنی اطاعت کی طاقت عطا فرما اور اس میں سے جو غذا میرے جسم میں باقی رہ جائے اس کے شکر کی توفیق عطا فرما اور اس کی طاقت کے ذریعہ مجھے اپنی عبادت کی توانائی عطا فرما اور اپنی معصیت سے پرہیز کرنے کے بہترین راستے کا الہام عطا فرما۔

(۲،۱) مکارم الاخلاق ص۱۴۳



## ۶۔کھانا شروع کرنے کا طریقہ

دسترخوان پر بیٹھنے اور بسم اللہ کہنے کے بعد مستحب ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھائے اور کھانے کا آغاز نمک سے کرے۔ امام جعفر صادقؑ سے کھانے کے آداب کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "لَا يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ وَلَا يَتَنَاوَلُ بِهَا شَيْئاً" بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں سے کوئی چیز پیئے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز پکڑے۔(۱)

آپ ہی سے منقول ہے: "لَا تَأْكُلْ بِالْيُسْرٰى وَأَنْتَ تَسْتَطِيْعُ" جب تک تمہارے لئے ممکن ہو بائیں ہاتھ سے مت کھایا کرو۔(۲)

مولائے کائناتؑ کا ارشاد گرامی ہے: "اِبْدَؤُوْا بِالْمِلْحِ فِيْ أَوَّلِ الطَّعَامِ فَلَوْ عَلِمَ النَّاسُ مَا فِي الْمِلْحِ لَاخْتَارُوْهُ عَلَى التِّرْيَاقِ الْمُجَرَّبِ" کھانے کی ابتدا نمک سے کیا کرو۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمک کے اندر کیا فوائد ہیں تو وہ اسے مجرب تریاق پر ترجیح دیں گے۔(۳)

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: "إِنَّمَا نَبْدَأُ بِالْمِلْحِ وَنَخْتُمُ بِالْخَلِّ" ہم نمک سے کھانے کا آغاز کرتے ہیں اور سرکہ پر کھانا تمام کرتے ہیں۔(۴)

(۱) وسائل الشیعہ: ج۲۴ص۲۵۸

(۲) وسائل الشیعہ: ج۲۴ص۲۵۹

(۳) مکارم الاخلاق: ص۱۴۲

(۴) مکارم الاخلاق ص۱۴۲

## سبق کا خلاصہ:

کھانا پینا بھی انسان کے ضروریات زندگی میں شامل ہے اور اس کے لئے بھی اسلام نے کچھ آداب اور قوانین معین کئے ہیں جن میں سے بعض واجب ہیں اور بعض اخلاقی اصول ہیں جن پر عمل کر کے انسان کمالات کے زینہ طے کر سکتا ہے۔

پاک اور حلال کھانا، کھانے سے پہلے اور اس کے بعد دونوں ہاتھ دھونا، دسترخوان پر انکساری کے ساتھ بیٹھنا، اور یاد خدا کو اسلام نے کھانے کے آداب کا حصہ قرار دیا ہے۔

## سوالات:

۱۔ کھانے پینے کے بارے میں ایک مسلمان کا سب سے اہم فریضہ کیا ہے؟

۲۔ دسترخوان پر بیٹھنے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟

۳۔ کھانے کی ابتدا کیسے کرنا چاہئے؟

۴۔ کھانے کا مقصد اور نیت کیا ہونی چاہئے؟

# بیسواں سبق

# کھانے پینے کے آداب (۲)

### ۷۔ کھانے کا طریقہ

دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد جو کچھ سامنے رکھا ہو صرف وہی کھانا چاہئے اور دوسروں کے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔

چھوٹا لقمہ لینا چاہئے کیونکہ اس کو چبانا اور ہضم کرنا آسان ہے اور یہ کہ بڑا لقمہ مسلمان کے شایان شان نہیں ہے اور اس کے علاوہ اسے چبانا، نگلنا اور اسے ہضم کرنا بھی مشکل ہے۔ جس چیز میں کھانا رکھا ہو اس کے کنارے سے کھانا شروع کرے درمیان سے شروع نہ کرے اور جب تک پہلا لقمہ اچھی طرح نہ کھالے دوسرا لقمہ منھ میں نہ رکھے۔

جہاں تک ممکن ہو دوسرے کی طرف نہ دیکھے اور جلدی جلدی کھانا نہ کھائے۔ بلکہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ کھائے اور تا دیر دسترخوان پر بیٹھا رہے اور اگر کسی کے سامنے ایسا کھانا آجائے جو اسے بالکل پسند نہ ہو تو اپنی ناگواری کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی اس کھانے کی مذمت کرے جیسا کہ امام حسنؑ کا ارشاد گرامی ہے "فِي الْمائِدَةِ اثْنَا عَشْرَةَ خَصْلَةً يَجِبُ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَعْرِفَهَا: أَرْبَعٌ مِنْهَا فَرْضٌ وَأَرْبَعٌ مِنْهَا سُنَّةٌ وَأَرْبَعٌ مِنْهَا تَأْدِيبٌ. فَأَمَّا الْفَرْضُ

فالمعرفۃُ والرِّضا والتَّسمیۃُ والشُّکرُ. وأمّا السُّنَّۃُ فالوُضوءُ قبلَ الطَّعامِ والجُلوسُ علی الجانبِ الأیسرِ والأکلُ بثلاثِ أصابعَ ولَعقُ الأصابعِ. وأمّا التّأدیبُ فالأکلُ ممّا یلیهِ وتصغیرُ اللُّقمۃِ والمضغُ الشّدیدُ وقلّۃُ النّظرِ في وجوهِ النّاسِ" "دسترخوان کے اندر بارہ (۱۲) خصوصیت پائی جاتی ہیں ہر مسلمان کے لئے انکو جاننا ضروری ہے چار خصلتیں فرض ہیں، چار سنت ہیں اور چار آداب میں شمار ہوتی ہیں۔

چار فرض چیزیں یہ ہیں: ۱۔ معرفت ۲۔ رضا ۳۔ بسم اللہ کہنا ۴۔ شکر۔

چار سنتیں یہ ہیں: ۱۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا۔ ۲۔ بائیں پہلو پر بیٹھنا۔ ۳۔ تین انگلیوں سے کھانا۔ ۴۔ انگلیوں کو چاٹنا۔

اور آداب یہ ہیں: ۱۔ سامنے رکھا ہوا کھانا کھانا۔ ۲۔ چھوٹا لقمہ بنانا۔ ۳۔ اچھی طرح چبانا۔ ۴۔ لوگوں کی طرف کم سے کم دیکھنا۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: "قالَ رسولُ اللّٰهِ إذا أکلَ أحدُکُم فلیأکُل ممّا یلیهِ" "جب تم کھانا کھاؤ تو جو تمہارے سامنے رکھا ہو وہی کھاؤ۔"(۲)

یہ بھی منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "إنّ لکلِّ شيءٍ حدّاً ینتهي إلیهِ وما من شيءٍ إلّا ولهُ حدٌّ فأتی بالخوانِ فقیلَ ما حدُّهُ؟ فقالَ: حدُّهُ إذا وضعَ الرّجلُ یدَهُ قالَ بسمِ اللّٰهِ وإذا رفعَها قالَ الحمدُ للّٰهِ ویأکلُ کلُّ إنسانٍ من بینِ یدیهِ ولا یتناولُ من قُدّامِ الآخرِ" "ہر چیز کے حدود ہوتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی کوئی حد نہ ہو اسی دوران

(۱) مکارم الاخلاق ص ۱۴۱

(۲) وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۳۶۹



خوان لایا گیا تو آپؐ سے پوچھا گیا کہ اس کے حدود کیا ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ جب کھانا شروع کرے تو بسم اللہ کہے اور جب کھانے سے ہاتھ کھینچ لے تو الحمد للہ کہے اور ہر انسان اپنے سامنے سے ہی کھائے اور دوسروں کے سامنے سے اٹھا کر نہ کھائے۔"(۱)

آپؐ ہی سے یہ بھی منقول ہے: "أطیلوا الجلوسَ علی الموائدِ فإنّها ساعۃٌ لا تُحسبُ من أعمارِکُم" "دسترخوان پر تادیر بیٹھا کرو کیونکہ یہ مدت تمہاری عمر میں شمار نہیں کی جاتی ہے۔"(۲)

آپ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے: "أقِرّوا الحارَّ حتّی یبرُدَ فإنّ رسولَ اللّٰهِ قُرِّبَ إلیهِ طعامٌ حارٌّ. فقالَ: أقِرّوا حتّی یُمکِنَ ما کانَ اللّٰهُ لیُطعِمَنا النّارَ والبرکۃُ في البارِدِ" "گرم کھانے کو ٹھنڈ ہونے تک رکھا رہنے دو کیونکہ جب رسول اکرمؐ کے سامنے گرم کھانا پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اسے اسی طرح رہنے دو یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جائے خداوند عالم ہمیں آگ کھلانا نہیں چاہتا ہے اور ٹھنڈے کھانے میں برکت ہے۔"(۳)

دوسری حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: "إنّ رسولَ اللّٰهِ نهی أن یُنفَخَ في طعامٍ أو شرابٍ" "رسول اللہؐ نے کھانے یا پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔"(۴)

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۳۷۰

(۲) مکارم الاخلاق: ص ۱۴۱

(۳) وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۳۹۹

(۴) وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۴۰۱

## ۸۔ پرخوری سے پرہیز

کھانے پینے میں پرخوری سے پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے انسان کے جسم وروح دونوں پر ہی خطرناک اثرات طاری ہوتے ہیں اسی لئے روایات معصومینؑ میں پرخوری سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "لَا تُمِيتُوا الْقُلُوبَ بِكَثْرَةِ الطَّعامِ وَالشَّرابِ فَإنَّ الْقَلْبَ يَمُوتُ كَالزَّرْعِ إذَا أُكْثِرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ" "پرخوری (زیادہ کھانے پینے) کے ذریعہ اپنے دلوں کو مردہ نہ بناؤ کیونکہ جس طرح پانی کی زیادتی سے کھیتی خراب ہوجاتی ہے اسی طرح (کثرت طعام سے) دل بھی مردہ ہوجاتا ہے۔"(۱)

آپؐ ہی سے یہ بھی منقول ہے: "لا يَدْخُلُ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَنْ مَلَأَ بَطْنَهُ" "جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو وہ آسمان اور زمین کے ملکوت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔"(۲)

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "لَيْسَ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَى اللّٰهِ مِنْ بَطْنٍ مَلْآءٍ" (۳) "خداوند عالم کے نزدیک بھرے ہوئے پیٹ سے زیادہ مبغوض کوئی چیز نہیں ہے۔"

آپؐ ہی کا ارشاد ہے: "إيَّاكُمْ وَفُضُولَ الْمَطْعَمِ فَإنَّهُ يَسِمُ الْقَلْبَ بِالْقَسْوَةِ وَيُبَطِّئُ بِالْجَوَارِحِ عَنِ الطَّاعَةِ وَيُصِمُّ الْهِمَمَ عَنْ سَمَاعِ الْمَوْعِظَةِ" "فضول (زیادہ) کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے دل سخت ہوجاتا ہے اور اعضاء وجوارح اللہ کی اطاعت میں سست اور موعظہ سننے میں کمزور پڑجاتے ہیں۔"(۴)

حضرت علیؑ کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۱۴۹
(۲) میزان الحکمۃ: باب ۹۹
(۳) وسائل الشیعہ: ج ۲۵، ص ۴۲
(۴) بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۱۸۴، باب ۷



☆ "كَثْرَةُ الْأَكْلِ وَالنَّوْمِ يُفْسِدَانِ النَّفْسَ وَيَجْلِبَانِ الْمَضَرَّةَ" "کھانے اور نیند کی زیادتی نفس کے فساد اور نقصان کا باعث ہے۔"(۱)

☆ "مَنْ كَثُرَ أَكْلُهُ قَلَّتْ صِحَّتُهُ وَثَقُلَتْ عَلَى نَفْسِهِ مَؤُونَتُهُ" "جس کی خوراک زیادہ ہوجائے اس کی صحت گھٹ جاتی ہے اور خود اپنے اوپر اس کے اخراجات زیادہ ہوجاتے ہیں۔"(۲)

☆ "إيَّاكُمْ وَالْبِطْنَةَ فَإنَّهَا مَقْسَاةٌ لِلْقَلْبِ، مَكْسَلَةٌ عَنِ الصَّلَاةِ مُفْسِدَةٌ لِلْجَسَدِ" "پرخوری سے دور رہو اس سے دل سخت ہوجاتا ہے نماز (کے بارے) میں سستی چھائی رہتی ہے اور بدن بیکار ہوجاتا ہے۔"(۳)

☆ "لا فِطْنَةَ مَعَ الْبِطْنَةِ" "پرخوری کے ساتھ ذہانت جمع نہیں ہوسکتی۔"(۴)

☆ "الشِّبَعُ يُفْسِدُ الْوَرَعَ" "پرخوری ورع وتقویٰ کو برباد کرکے رکھ دیتی ہے۔"(۵)

☆ "نِعْمَ عَوْنُ الْمَعَاصِي الشِّبَعُ" گناہوں کی بہترین مددگار پرخوری ہے۔(۶)

پیغمبر اکرمؐ کی حدیث میں ہے کہ: "مَنْ قَلَّ طَعَامُهُ صَحَّ بَدَنُهُ وَصَفَا قَلْبُهُ وَمَنْ كَثُرَ طَعَامُهُ سَقُمَ بَدَنُهُ وَقَسَا قَلْبُهُ" "جس کی خوراک کم ہوتی ہے اس کا بدن تندرست اور دل صاف وشفاف ہوجاتا ہے اور جس کی خوراک زیادہ ہوتی ہے اس کا بدن بیمار اور دل سخت ہوجاتا

---

(۱) مستدرک الوسائل: ج ۱۶، ص ۲۱۴
(۲) مستدرک الوسائل: ج ۱۶، ص ۲۱۴
(۳) غرر الحکم: ص ۳۶۰
(۴) غرر الحکم: ص ۳۶۰
(۵) غرر الحکم ص ۳۶۰
(۶) غرر الحکم: ص ۳۶۱

ہے۔"(۱)

آنحضرتؐ کا یہ بھی ارشاد ہے: "مَنْ قَلَّ اَکْلُهُ قَلَّ حِسابُهُ" "جس کی خوراک کم ہوتی ہے اس کا حساب بھی مختصر ہوتا ہے۔"(۲)

حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے: "قِلَّةُ الغذاءِ اَکْرَمُ لِلنَّفسِ وَأَدْوَمُ لِلصِّحَّةِ" "مختصر خوراک کرامت نفس اور پائیدار صحت کی ضمانت ہے۔"(۳)

آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "اِذَا أَرَادَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ صَلَاحَ عَبْدِهِ أَلْهَمَهُ قِلَّةَ الْكَلامِ وَقِلَّةَ الطَّعامِ وقِلَّةَ الْمنامِ" "جب خداوندعالم اپنے کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے کم بولنے کم کھانے اور کم سونے کا الہام کردیتا ہے۔"(۴)

آپؑ کا یہ ارشاد بھی ہے "قِلَّةُ الْأَكْلِ مِنَ الْعِفَافِ وَكَثْرَتُهُ مِنَ الْاِسْرَافِ" "کم کھانا عفت اور زیادہ کھانا اسراف میں شامل ہے۔"(۵)

دسترخوان اور کھانے کے آداب میں صرف بھوک کے وقت کھانا بھی شامل ہے چنانچہ پیغمبراکرمؐ کا ارشاد ہے۔ "کُلْ وَأَنْتَ تَشْتَهِي وَأَمْسِکْ وَأَنْتَ تَشْتَهِي" "جب بھوک لگے تو کھاؤ اور اشتہا (خواہش) ختم ہونے سے پہلے کھانا چھوڑدو۔"(۶)

مولائے کائناتؑ نے اسی بارے میں یہ فرمایا ہے: "لَا تَرْفَعَنَّ يَدَکَ مِنَ الطَّعَامِ

---

(۱) بحارالانوار: ج۵۹، ص۲۶۸، باب۸۸

(۲) بحارالانوار ج۵۹، ص۲۹۲

(۳) غررالحکم: ص۳۲۰

(۴) غررالحکم: ص۳۱۱

(۵) غررالحکم: ص۳۶۰

(۶) بحارالانوار ج۵۹، ص۲۹۰، باب۸۹



إِلَّا وَأَنْتَ تَشْتَهِيهِ. فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَأَنْتَ تَسْتَمْرِئُهُ" "جب تک تمہیں خواہش نہ ہو کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اگر تم اس پر عمل کروگے تو تمہارے لئے کھانا خوشگوار رہے گا۔"(۱)

## ۹۔ایک ساتھ کھانا کھانا

اسلامی آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، تنہا کھانا نہ کھائے اور کم از کم اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی کھانے کو اسلام نے بہتر قرار دیا ہے اور چند لوگوں کے ساتھ کھانے کی تاکید کی ہے۔ جیسا کہ پیغمبراکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "اِجْتَمِعُوا عَلَىٰ طَعَامِكُمْ يُبَارَکْ لَكُمْ فِيهِ" "سب ایک ساتھ مل کر کھانا کھاؤ اس میں تمہارے لئے برکت رکھی گئی ہے۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ پیغمبراکرمؐ نے فرمایا ہے: "قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، اَلطَّعَامُ إِذَا جَمَعَ أَرْبَعَ خِصَالٍ فَقَدْ تَمَّ: إِذَا كَانَ مِنْ حَلَالٍ وَكَثُرَتِ الْأَيْدِي، وَسُمِّيَ فِي أَوَّلِهِ وَحُمِدَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي آخِرِهِ" "اگر کھانے میں چار خصوصیات جمع ہوجائیں تو وہ مکمل ہے۔

۱۔غذا حلال ہو۔ ۲۔کھانے والے زیادہ ہوں۔ ۳۔شروع میں بسم اللہ کہا جائے۔ ۴۔اور آخر میں حمد الٰہی کی جائے۔(۳)

## ۱۰۔ایک ساتھ کھانا کھانے کے آداب

☆ چھوٹے بزرگوں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں اور کھانا شروع نہ کریں اسی طرح بزرگوں کو بھی یہ خیال رہے کہ وہ دوسروں کو حتی الامکان انتظار کی زحمت نہ دیں۔

---

(۱) بحارالانوار، ج۶۳، ص۳۱۹

(۲) سنن ابن ماجہ: ح۳۲۸۶

(۳) اصول کافی: ج۶، ص۲۷۳

☆ کھانے کے دوران کم بولنا مستحب ہے خاص طور سے جب منہ میں لقمہ موجود ہو تو بولنا مکروہ ہے. دسترخوان پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا خیال رکھنا چاہئے اور کوئی ایسی بات نہ کرنا چاہئے جس سے انہیں زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

☆ میزبان ایسا طریقہ کار اختیار کرے جس کی بنا پر مہمان سکون واطمینان کے ساتھ کھانا کھا سکے اور اسے کسی شرمندگی یا تکلف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

☆ کھانا کھاتے وقت دوسرے لوگوں کی طرف نہ دیکھے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شرمندگی کی وجہ سے سیر ہو کر نہ کھا سکیں، اور بزرگوں خاص طور سے میزبان کو سست رفتاری سے کھانا چاہئے. کیونکہ اگر یہ کھانا کھا کر جلد فارغ ہو جائیں تو ان کی وجہ سے دوسرے شکم سیر ہونے سے پہلے ہی ہاتھ روکنے پر مجبور ہو جائیں گے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

☆ دسترخوان پر بیٹھنے والے تمام لوگوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے دوسروں کو کراہیت محسوس ہو. جیسے کھاتے وقت منہ سے آواز نکلنا، ڈکار لینا وغیرہ۔

☆ میزبان سب سے پہلے کھانا، کھانا شروع کرے اور سب سے بعد تک کھاتا رہے. تاکہ تمام مہمان آسانی کے ساتھ سیر ہو کر کھا سکیں۔

☆ مہمان اپنے میزبان سے ایسے کھانوں کا مطالبہ نہ کرے جو اس کے امکان سے باہر ہوں کیونکہ روایت میں ہے کہ سب سے بدترین دوست وہ ہے جس کی بنا پر زحمت اٹھانا پڑے۔

☆ جب دسترخوان پر روٹی آجائے تو کھانا شروع کر دینا چاہئے. جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''أَكْرِمُوا الْخُبْزَ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا إِكْرَامُهُ؟ قَالَ، إِذَا وُضِعَ لَايُنْتَظَرُ بِهِ غَيْرُهُ'' ''روٹی کا احترام کرو سوال کیا گیا یا رسولؐ اللہ اس کے



احترام کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا جب اسے دسترخوان پر رکھ دیا جائے تو پھر کسی دوسری چیز کا انتظار نہ کیا جائے۔(۱)

(۱) اصول کافی: ج۶، ص۳۰۳

## سبق کا خلاصہ:

کھانے کے آداب مندرجہ ذیل ہیں. اپنے سامنے رکھا ہوا کھانا کھائے، لقمہ چھوٹا ہو، اچھی طرح چبا کر، آہستہ آہستہ کھائے، کھانے سے پہلے بسم اللہ، کہے اور اختتام پر حمد وثنائے الٰہی کرے۔

پرخوری اور زیادہ کھانے سے پرہیز اور چند لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا بھی اسلامی تعلیمات میں شامل ہے۔

ایک ساتھ کھانا کھاتے وقت بزرگوں کا احترام کرنا، دوسروں کا خیال رکھنا، اور کھانا حاضر ہونے سے پہلے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرنا، کھانا شروع کرنے کے بعد گفتگو نہ کرنا اور دوسروں کی طرف نہ دیکھنا بھی کھانے کے آداب کا جزء ہیں۔

## سوالات:

۱۔ کھانا کھانے کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟

۲۔ امام حسنؑ نے دسترخوان کے کیا آداب بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ پرخوری کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟

۴۔ کھانے سے کس وقت ہاتھ روک لینا چاہئے؟

۵۔ ایک ساتھ کھانا کھانے کے آداب کیا ہیں؟

# اکیسواں سبق

## عبادت

قافلۂ بشریت اور حیاتِ انسانی میں روز اول سے ہی عبادت کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے چنانچہ دنیا کا کوئی ایسا معاشرہ اور سماج نہیں جس میں کسی نہ کسی شکل میں عبادت کا وجود نہ پایا جاتا ہو جو اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت و پرستش انسان کی فطرت میں داخل ہے. اسی لئے وہ کسی نہ کسی خدا کی عبادت کرتا ہے البتہ قوموں کے درمیان مختلف اسباب کی بنا پر عبادتوں کی صحیح شکل وصورت باقی نہیں رہی اور وہ شیاطین اور تحریف کرنے والوں کے چنگل میں پھنس کر خود ساختہ خداؤں، بتوں اور طاغوتوں کی عبادت کرنے لگے. لیکن پھر بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کے اندر عبادت کا فطری وجود اتنی عام اور روشن چیز ہے کہ اگر کوئی شخص تن تنہا دنیا کے ہر انسان سے دور اور مذہبی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہو کر زندگی بسر کر رہا ہو تب بھی اسے اپنے سے بلند و برتر کسی نہ کسی ایسے وجود کی تلاش ہوتی ہے جس کے سامنے وہ اپنا سر نیاز خم کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ عبادت کی تاکید تمام انبیاء کی تعلیمات میں سرفہرست دکھائی دیتی ہے. اور انہیں اسی لئے مبعوث بھی کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو خداوند عالم کی عبادت کی طرف دعوت دیں اور جاہلانہ عبادت سے باز رکھیں۔

عبادت کی اسی عظمت و اہمیت کے پیش نظر ہم اس درس میں عبادت کے مختلف اسباب، انواع واقسام اور اثرات ونتائج وغیرہ کا جائزہ پیش کریں گے۔

## ۱۔عبادت ـــــ مقصد خلقت وبعثت

پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾(۱) ''اور ہم نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔''

یہ طے ہے کہ خداوند عالم کو ہماری عبادتوں کی ضرورت نہیں ہے اور نہ خدا کو اس سے کوئی فائدہ پہنچنے والا ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ﴾(۲) بیشک خداوند عالم تم سے بے نیاز اور مستغنی ہے۔

امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں خداوند عالم کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں: ''اَنْتَ الْغَنِيُّ بِذَاتِکَ اَنْ يَصِلَ اِلَيْکَ النَّفْعُ مِنْکَ فَکَيْفَ لَا تَکُوْنُ غَنِياً عَنِّي'' ''تو بذاتہ اس سے مستغنی ہے کہ خود تیری ذات سے تجھے کوئی فائدہ پہونچے تو پھر تو مجھ سے کیوں بے نیاز اور مستغنی نہ ہوگا۔''(۳)

دوسرے یہ کے خداوند عالم نے اپنے انبیاء کی بعثت کا مقصد اپنے دین کی تبلیغ اور اپنی عبادت کی طرف دعوت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ کُلِّ اُمَّةٍ رَسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾(۴) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے

(۱) سورۂ ذاریات آیت ۵۶
(۲) سورۂ زمر آیت ۷
(۳) بحار الانوار: ج ۹۵ ص ۲۲۶، باب ۲
(۴) سورۂ نحل آیت ۳۶



کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔''

مذکورہ دونوں نکتوں سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ خداوند عالم کی عبادت کا فائدہ خود انسان کو پہونچتا ہے اور اس فائدہ کی انتہا منزل کمال تک پہونچنا ہے. منزل کمال تک پہونچنے کے لئے قرب خدا ضروری ہے اور قرب خدا عبادت و پرہیزگاری سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا ہے: ﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾(۱)

''اے انسانو! پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے والوں کو بھی شاید کہ تم اس طرح متقی و پرہیزگار بن جاؤ''

امام جعفر صادقؑ نے عبادت کے ایک اہم رکن نماز کے بارے میں فرمایا ہے: ''اَلصَّلَاةُ قُرْبَانُ کُلِّ تَقِيٍّ'' ''نماز ہر پرہیزگار کے لئے وسیلۂ تقرب ہے۔''(۲)

مختصر یہ کہ عبادت قرب الٰہی کی منزل تک پہونچنے کا واحد راستہ ہے۔

## ۲۔عبادت کی فضیلت

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''اَلْعِبَادَةُ فَوْزٌ'' عبادت کامیابی ہے۔(۳)

☆ ''فَضِيْلَةُ السَّادَةِ حُسْنُ الْعِبَادَةِ'' سرداروں کی فضیلت حسن عبادت ہے۔(۴)

☆ ''اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْداً اَلْهَمَهُ حُسْنَ الْعِبَادَةِ'' جب خداوند عالم کسی بندے سے.

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲۱
(۲) من لا یحضرہ الفقیہ: ج۱، ص ۲۱۰
(۳) غرر الحکم: ص ۱۹۸، ح ۳۹۳۲
(۴) غرر الحکم: ص ۱۹۹، حدیث ۳۹۲۷

محبت کرتا ہے تو اسے اچھی طرح عبادت کرنے کا الہام عطا کر دیتا ہے۔(۱)

☆ "دَوَامُ الْعِبَادَةِ بُرْهَانُ الظَّفَرِ بِالسَّعَادَةِ" مسلسل عبادت کرنا کامیابی کے ساتھ سعادت تک پہونچنے کی دلیل ہے۔(۲)

☆ "مَا تَقَرَّبَ مُتَقَرِّبٌ بِمِثْلِ عِبَادَةِ اللّٰهِ" کسی تقرب حاصل کرنے والے نے عبادت خدا سے بہتر کسی اور طریقہ سے اللہ کا تقرب حاصل نہیں کیا۔(۳)

## ۳۔عبادت وبندگی کی حقیقت

امام رضاؑ فرماتے ہیں: "أَوَّلُ عِبَادَةِ اللّٰهِ مَعْرِفَتُهُ وَأَصْلُ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ تَوْحِيْدُهُ" خداوند عالم کی اولین عبادت اس کی معرفت ہے اور معرفت خدا کی بنیاد توحید خدا ہے۔(۴)

امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے عبودیت وبندگی کے بارے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا: "ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ: أَنْ لَايَرَىٰ الْعَبْدُ لِنَفْسِهِ فِيْمَا خَوَّلَهُ اللّٰهُ مِلْكاً لِأَنَّ الْعَبِيْدَ لَايَكُوْنُ لَهُمْ مِلْكٌ؛ يَرَوْنَ الْمَالَ مَالَ اللّٰهِ يَضَعُوْنَهُ حَيْثُ أَمَرَهُمُ اللّٰهُ بِهِ وَلَايُدَبِّرَ الْعَبْدُ لِنَفْسِهِ تَدْبِيْراً وَجُمْلَةُ اِشْتِغَالِهِ فِيْمَا أَمَرَهُ تَعَالَىٰ بِهِ وَنَهَاهُ عَنْهُ... فَهٰذَا أَوَّلُ دَرَجَةِ التُّقَىٰ"

---

(۱) غرر الحکم: ص۱۹۸، حدیث ۳۹۳۵

(۲) غرر الحکم: ص۱۹۸، حدیث ۳۹۳۶

(۳) غرر الحکم: ص۱۹۹، حدیث ۳۹۴۲

(۴) بحار الانوار: ج۴، ص۲۴۷، باب۴



بندگی کی حقیقت تین چیزیں ہیں، پہلے یہ کہ خداوند عالم نے جو کچھ اس کے اختیار میں دیا ہے اسے اپنی ملکیت نہ سمجھے، کیونکہ غلام (بندہ) کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور وہ اپنے مال کو خدا کا مال سمجھتا رہے اور اس کو وہیں خرچ کرتا رہے جہاں خدا نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ خود اپنے لئے کوئی تدبیر نہ کرے بلکہ جو خداوند عالم نے اس کو جیسے حکم دیا ہے تمام امور اسی طرح انجام دے اور جس سے منع کیا ہے اسے ترک کرتا رہے.... یہ تقوی کا پہلا زینہ ہے۔(۱)

مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے: "الْعُبُوْدِيَّةُ خَمْسَةُ أَشْيَاءَ خَلَاءُ الْبَطْنِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَقِيَامُ اللَّيْلِ وَالتَّضَرُّعُ عِنْدَ الصُّبْحِ وَالْبُكَاءُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" بندگی پانچ چیزوں کا نام ہے۔ ۱۔ پیٹ خالی ہونا ۲۔تلاوت قرآن ۳۔شب زندہ داری ۴۔صبح کے وقت تضرع و زاری ۵۔خوف الٰہی سے گریہ کرنا۔(۲)

## ۴۔بامعرفت عبادت

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "اِعْلَمْ اَنَّ أَوَّلَ عِبَادَتِهِ الْمَعْرِفَةُ بِهِ" عبادت کی ابتدا خداوند عالم کی معرفت ہے۔(۳)

مولائے کائناتؑ نے فرمایا: "لَاخَيْرَ فِيْ عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَفَقُّهٌ" جس عبادت میں معرفت نہ ہو اس میں کچھ بھلائی نہیں ہے۔(۴)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے "سَكِّنُوْا فِيْ أَنْفُسِكُمْ مَعْرِفَةَ مَا تَعْبُدُوْنَ حَتّٰى يَنْفَعَكُمْ

---

(۱) بحار الانوار: ج۱، ص۲۲۴، باب۷

(۲) مستدرک الوسائل ج۱۱، ص۲۴۴

(۳) امالی طوسی: ص۵۲۶ و بحار الانوار، ج۷۷، ص۴۷

(۴) بحار الانوار: ج۲، ص۴۹

مَا تَحَرَّكُوْنَ مِنَ الْجَوَارِحِ لِعِبَادَةِ مَنْ تَعْرِفُوْنَ" جس کی تم عبادت کرتے ہو پہلے اس کی معرفت کو اپنے دل میں بالکل راسخ کرلو تاکہ جس کے عرفان کے بعد تم عبادت کے لئے اعضاء و جوارح کو حرکت دیتے ہو اس کا تمہیں فائدہ حاصل ہو سکے۔(۱)

آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے: "اَلْمُتَعَبِّدُ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَحِمَارِ الطَّاحُوْنَةِ يَدُوْرُ وَلَا يَبْرَحُ مِنْ مَكَانِهِ" علم و معرفت کے بغیر عبادت کرنے والا کولہو کے بیل کی طرح ہے جو چکر لگاتا رہتا ہے مگر اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھتا۔(۲)

## ۵۔ عبادت کے اسباب

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "اِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللّٰهَ رَغْبَةً، فَتِلْكَ عِبَادَةُ التُّجَّارِ، وَاِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللّٰهَ رَهْبَةً، فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِيْدِ، وَاِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللّٰهَ شُكْراً فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ" کچھ لوگوں نے ثواب اور جنت کی لالچ میں خدا کی عبادت کی ہے تو یہ تاجروں کی عبادت ہے اور کچھ لوگوں نے جہنم کے خوف سے خدا کی عبادت کی ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے اور کچھ لوگوں نے شکر ادا کرنے کے لئے خدا کی عبادت کی یہ عبادت آزاد منش لوگوں کی عبادت ہے۔(۳)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: اِنَّ النَّاسَ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: فَطَبَقَةٌ يَعْبُدُوْنَهُ رَغْبَةً فِيْ ثَوَابِهِ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْحُرَصَاءِ وَهُوَ الطَّمَعُ، وَآخَرُوْنَ يَعْبُدُوْنَهُ فَرَقاً مِنَ النَّارِ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِيْدِ وَهِيَ رَهْبَةٌ، وَلٰكِنِّيْ أَعْبُدُهُ حُبّاً لَهُ عَزَّوَجَلَّ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْكِرَامِ وَهُوَ الْأَمْنُ لِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ

---

(۱) تحف العقول: ص۲۲۳، بحار الانوار: ج۷۸، ص۶۳

(۲) غرر الحکم: ج۲، ص۱۲۵

(۳) نہج البلاغہ: حکمت ۲۳۷



آمِنُوْنَ﴾ وَلِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ فَمَنْ أَحَبَّ اللّٰهَ أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كَانَ مِنَ الْآمِنِيْنَ" لوگ تین وجوہات کی بنا پر خداوند عالم کی عبادت کرتے ہیں، ایک طبقہ ثواب کی لالچ میں عبادت کرتا ہے یہ حریص لوگوں کی عبادت ہے جو در اصل طمع و لالچ ہے دوسرا طبقہ جہنم سے بچنے کے لئے عبادت کرتا ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے جو در اصل خوف ہے لیکن میں، اللہ تعالی کی محبت کی بنا پر عبادت کرتا ہوں یہ شرفاء کی عبادت ہے اور یہ امن و امان ہے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُوْنَ﴾(۱) "اور وہ لوگ روز قیامت کے خوف سے امان میں رہیں گے۔"

خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔(۲) چنانچہ جو شخص خداوند عالم سے محبت کرے گا تو خداوند عالم بھی اس سے محبت کرے گا اور جس سے خداوند عالم محبت کرتا ہو وہ امان یافتہ ہے۔(۳)

## ۶۔ عبادت کی قسمیں

پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں: "اَلْعِبَادَةُ سَبْعُوْنَ جُزْءاً وَأَفْضَلُهَا جُزْءاً طَلَبُ الْحَلَالِ" عبادت کے ستر اجزاء ہیں جن میں سب سے افضل جزء طلب حلال ہے۔(۴)

---

(۱) سورۂ نمل آیت ۸۹

(۲) سورۂ آل عمران آیت ۳۱

(۳) بحار الانوار: ج۶۷، ص۲۰۲، باب ۵۳

(۴) بحار الانوار: ج۱۰۰، ص۱۷، باب ۱

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: "اَلتَّفَکُّرُ فِيْ آلاءِ اللّٰهِ نِعْمَ الْعِبَادَةِ" خداوند عالم کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا سب سے بہترین عبادت ہے۔(۱)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "اَلتَّفَکُّرُ فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عِبَادَةُ الْمُخْلِصِيْنَ" آسمان وزمین کے بارے میں غور وفکر کرنا مخلصین کی عبادت ہے۔(۲)

یا آپ نے فرمایا ہے: "اِنَّ مِنَ الْعِبَادَةِ لِيْنُ الْكَلَامِ وَاِفْشَاءُ السَّلَامِ" نرم گفتگو اور بلند آواز سے سلام کرنا بھی عبادت ہے۔(۳)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "اَلنَّظَرُ اِلَى الْعَالِمِ عِبَادَةٌ وَالنَّظَرُ اِلَى الْإِمَامِ الْمُقْسِطِ عِبَادَةٌ وَالنَّظَرُ اِلَى الْوَالِدَيْنِ بِرَأْفَةٍ وَرَحْمَةٍ عِبَادَةٌ وَالنَّظَرُ اِلَى الْاَخِ تَوَدُّهُ فِي اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عِبَادَةٌ" عالم کی طرف نظر کرنا عبادت ہے، عادل امام کی طرف دیکھنا عبادت ہے، والدین کی طرف رأفت ومحبت سے دیکھنا عبادت ہے اوراس بھائی کو دیکھنا بھی عبادت ہے جس سے خدا کے لئے محبت کرتا ہے۔(۴)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا: "مَنْ خَرَجَ يَطْلُبُ بَاباً مِنْ عِلْمٍ لِيَرُدَّ بِهِ بَاطِلاً اِلَى الْحَقِّ أَوْ ضَلَالَةً اِلَى هُدَىً كَانَ عَمَلُهُ كَعِبَادَةِ مُتَعَبِّدٍ أَرْبَعِيْنَ عَاماً" جو شخص علم کا کوئی باب حاصل کرنے کے لئے اس نیت سے گھر سے نکلے کہ اس کے ذریعہ باطل کو حق کی طرف اور گمراہی کو ہدایت کی طرف پلٹائے گا تو اس کا یہ عمل چالیس سال عبادت کرنے والے عابدوں کی عبادتوں کے مانند ہے۔(۵)

---

(۱) غرر الحکم: ص۵۶

(۲) غرر الحکم: ص۵۶

(۳) غرر الحکم: ص۲۱۵

(۴) بحار الانوار ج۱۷، ص۲۷۸

(۵) بحار الانوار ج۱، ص۱۸۱، باب ۱



روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے پیغمبر اکرمؐ سے اپنی یہ خواہش بیان کی: "يَا مُحَمَّدُ لَوْ كَانَتْ عِبَادَتُنَا عَلَىٰ وَجْهِ الْأَرْضِ لَعَمِلْنَا ثَلَاثَ خِصَالٍ سَقْيُ الْمَاءِ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَاِغَاثَةُ أَصْحَابِ الْعِيَالِ وَسَتْرُ الذُّنُوْبِ" اے محمد! اگر ہمیں زمین کے اوپر عبادت کا موقع ملتا تو ہم تین اعمال انجام دیتے۔ ۱۔مسلمانوں کو پانی پلانا ۲۔کثیر العیال افراد کی مدد کرنا ۳۔گناہوں کو چھپانا۔(۱)

---

(۱) میزان الحکمہ، باب ۲۳۹

## سبق کا خلاصہ:

کیونکہ انسان کی خلقت کا مقصد کمال حقیقی تک پہونچنا ہے اور یہ مقصد صرف خداوند عالم کی محبت اور رضا کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے اسی لئے اسلام میں عبادت کو مقصد خلقت قرار دیا گیا ہے کیونکہ خداوند عالم کی رضا حاصل کرنے کا تنہا ذریعہ اس کی عبادت و بندگی اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔

## سوالات:

۱۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں عبادت کو مقصد خلقت کیوں قرار دیا ہے؟

۲۔ انسان کی زندگی میں عبادت کیا کردار ادا کرتی ہے احادیث کی روشنی میں بتایئے؟

۳۔ بندگی کیا ہے؟

۴۔ عبادت کیسی ہونا چاہیئے؟

۵۔ عبادت کے مختلف مقاصد بیان کیجئے؟

۶۔ اسلام میں کس کس عمل کو عبادت قرار دیا گیا ہے؟

# بائیسواں سبق

## نماز کی فضیلت

تمام اسلامی عبادتوں کے درمیان نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے. روایات میں اسے دین کا ستون، مومن کی معراج اور اسلام کی تقویت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے روز قیامت ہر شخص سے سب سے پہلے اسی کے بارے میں سوال ہوگا چنانچہ اگر نماز قبول ہوگئی تو اس کے دوسرے اعمال بھی قبول ہوجائیں گے اور اگر نماز قبول نہ ہوئی تو دوسرے اعمال بھی قبول نہ ہونگے۔

نماز سے متعلق آیات اور احادیث، اس کی قدر و قیمت اور منزلت، اس کے شرائط اور خصوصیات، اصول، آداب وارکان، تعداد، اقسام اور نمازی کے فرائض ووظائف اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کو یکجا بیان کرنے کے لئے متعدد جلدوں کی کتاب درکار ہے لہٰذا اس سبق میں نماز کی عظمت و اہمیت کے صرف ایک گوشہ کو اجاگر کرنے کے لئے بعض آیات اور روایات ذکر کی جارہی ہیں۔

### ۱۔ نماز کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

نماز کی عظمت کے بارے میں پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

☆﴿وَ مَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَ ذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ ''اور انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ خدا کی عبادت کریں اور

عبادت کو اس کے لئے خالص رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکات دیں اور یہی سچا اور مستحکم دین ہے۔(۱)

☆ ﴿وَ أَقِمِ الصَّلاةَ إِنَّ الصَّلاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ﴾ ''اور نماز قائم کریں کہ نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے اور اس کا ذکر بہت بڑی شی ہے۔''(۲)

☆ ﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکات ادا کی۔''(۳)

☆ ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ☆ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ﴾ ''آخر تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہونچادیا ہے وہ کہیں گے ہم نماز گذار نہیں تھے۔''(۴)

☆ ﴿وَ اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ ''صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو، نماز بہت مشکل کام ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو خضوع وخشوع والے ہیں۔''(۵)

☆ ﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ''اور جب تک زندہ رہوں نماز اور زکات کی وصیت کی ہے۔''(۶)

☆ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ﴾ ''پروردگار مجھے اور میری ذریت میں نماز قائم کرنے والے قرار دے اور پروردگار میری دعا کو قبول کرلے۔''(۷)

(۱) سورۂ بینہ آیت ۵
(۲) سورۂ عنکبوت آیت ۴۵
(۳) سورۂ حج آیت ۴۱
(۴) سورۂ مدثر آیت ۴۲/۴۳
(۵) سورۂ بقرہ آیت ۴۵
(۶) سورۂ مریم آیت ۳۱
(۷) سورۂ ابراہیم آیت ۴۰



☆ ﴿إِنَّ الصَّلاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَوْقُوتاً﴾ بیشک نماز، صاحبان ایمان کے لئے ایک وقت معین کے ساتھ فریضہ ہے۔(۱)

## ۲۔ احادیث پیغمبرؐ میں نماز کی اہمیت

نماز کی اہمیت اور عظمت کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''جَعَلَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ وَحَبَّبَ إِلَيَّ الصَّلَاةَ كَمَا حَبَّبَ إِلَى الْجَائِعِ الطَّعَامَ وَإِلَى الظَّمْآنِ الْمَاءَ، وَإِنَّ الْجَائِعَ إِذَا أَكَلَ شَبِعَ وَإِنَّ الظَّمْآنَ إِذَا شَرِبَ رَوِيَ وَأَنَا لَا أَشْبَعُ مِنَ الصَّلَاةِ'' اللہ تعالیٰ نے نماز کو میرے لئے خنکی چشم قرار دیا ہے اور نماز کی محبت میرے دل میں اس طرح رکھی ہے جس طرح بھوکے کو کھانے سے اور پیاسے کو پانی سے محبت ہوتی ہے لیکن بھوکا کھانے کے بعد اور پیاسا پانی پینے کے بعد سیر و سیراب ہوجاتا ہے لیکن میں نماز سے ہرگز سیر نہیں ہوتا۔(۲)

☆ ''اَلصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ فَمَنْ تَرَكَ صَلَاتَهُ مُتَعَمِّداً فَقَدْ هَدَمَ دِينَهُ وَمَنْ تَرَكَ أَوْقَاتَهَا يَدْخُلُ الْوَيْلَ؛ وَالْوَيْلُ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ☆ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ ''نماز دین کا ستون ہے جو شخص جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دے تو اس نے اپنے دین کو منہدم کر ڈالا اور جو شخص اسے اس کے وقت پر نہ پڑھے وہ ویل میں داخل ہوگیا۔ اور ویل جہنم کی ایک گھاٹی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: وَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ.(۳) ویل ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔

(۱) سورۂ نساء آیت ۱۰۳
(۲) بحار الانوار ج ۷۷، ص ۸۰، باب ۴
(۳) سورۂ ماعون آیت ۴/۵

☆ "لا تُضَيِّعُوا صَلاتَكُمْ. فَإِنَّ مَنْ ضَيَّعَ صَلاتَهُ حَشَرَهُ اللّٰهُ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَأَخْزَاهُمْ وَكَانَ حَقّاً عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ النَّارَ مَعَ الْمُنَافِقِيْنَ. فَالْوَيْلُ لِمَنْ لَمْ يُحَافِظْ صَلاتَهُ" اپنی نماز کو ضائع نہ کرو جو شخص نماز کو ضائع کرے گا خداوند عالم اسے قارون وفرعون اور ہامان کے ساتھ محشور کرے گا اللہ ان پر لعنت کرے اور انہیں ذلیل وخوار کرے۔ اور خداوند عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے منافقین کے ساتھ جہنم میں داخل کرے۔ لہذا اس کے لئے ویل (وای) ہے جو اپنی نماز کی حفاظت نہ کرے۔(۱)

☆ ''مَثَلُ الصَّلاةِ مَثَلُ عَمُوْدِ الْفُسْطَاطِ إِذَا ثَبَتَ الْعَمُوْدُ نَفَعَتِ الْأَطْنَابُ وَالْأَوْتَادُ وَالْغِشَاءُ وَإِذَا انْكَسَرَ الْعَمُوْدُ لَمْ يَنْفَعْ طَنَبٌ وَلا وَتَدٌ وَلا غِشَاءٌ'''' نماز کی مثال ستون خیمہ کی سی ہے جب تک وہ ستون قائم رہتا ہے تو رسیاں، کیلیں اور پردے فائدہ مند رہتے ہیں لیکن جب وہ ستون ہی ٹوٹ جاتا ہے تو نہ کوئی رسی فائدہ دیتی ہے نہ کیلیں اور نہ پردے۔''(۲)

☆ ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَأْتِيْ بِالْعَبْدِ فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَسْأَلُهُ عَنْهُ الصَّلاةَ فَإِنْ جَادَ بِهَا تَامَّةً وَإِلَّا زُخَّ فِي النَّارِ'' ''نماز کی حفاظت کرو کیونکہ پروردگار عالم روز قیامت بندوں سے حساب وکتاب کرتے وقت سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کرے گا اگر اس نے کامل نماز پیش کردی تو نجات مل جائے گی ورنہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''(۳)

(۱) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۰۲، باب۱

(۲) اصول کافی: ج۳، ص۲۶۶

(۳) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۰۲، باب۱



☆ "إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلاةِ وَتَوَجَّهْتَ وَقَرَأْتَ أُمَّ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ مِنَ السُّوَرِ، ثُمَّ رَكَعْتَ فَأَتْمَمْتَ رُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا وَتَشَهَّدْتَ وَسَلَّمْتَ غُفِرَ لَكَ كُلُّ ذَنْبٍ فِيْمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الصَّلاةِ الَّتِيْ قَدَّمْتَهَا إِلَى الصَّلاةِ الْمُؤَخَّرَةِ" ''جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو اور نیت کر کے سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورہ پڑھ لو پھر اچھی طرح رکوع وسجود بھی کرلو اور تشہد وسلام بھی پڑھ لو تو تمہاری گذشتہ نماز اور اس نماز کے درمیان جتنے گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔''(۱)

☆''مَادُمْتَ فِي الصَّلاةِ فَإِنَّكَ تَقْرَعُ بَابَ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ وَمَنْ يُكْثِرْ قَرْعَ بَابِ الْمَلِكِ يُفْتَحْ لَهُ'' ''جب تک تم نماز میں مشغول ہو تو تم جبار بادشاہ (خداوند عالم) کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو اور جو شخص کثرت سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے دروازہ کھول ہی دیا جاتا ہے۔''(۲)

☆ "مَا مِنْ صَلاةٍ يَحْضُرُ وَقْتُهَا إِلَّا نَادَى مَلَكٌ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ: أَيُّهَا النَّاسُ! قُوْمُوْا إِلَى نِيْرَانِكُمُ الَّتِيْ أَوْقَدْتُمُوْهَا عَلَى ظُهُوْرِكُمْ فَأَطْفِئُوْهَا بِصَلاتِكُمْ" ''جب بھی کسی نماز کا وقت ہوتا ہے تو ایک فرشتہ لوگوں کے سامنے پکار کر یہ کہتا ہے۔ اٹھو اور جو آگ تم نے اپنی پشت کے اوپر جلا رکھی ہے اسے اپنی نماز کے ذریعہ بجھا ڈالو۔''(۳)

☆ "الصَّلاةُ مِنْ شَرَائِعِ الدِّيْنِ وَفِيْهَا مَرْضَاةُ الرَّبِّ عَزَّوَجَلَّ فَهِيَ مِنْهَاجُ الْأَنْبِيَاءِ" نماز دین تک پہونچنے کا راستہ ہے اس میں خداوند عالم کی خوشی اور رضا ہے اور یہ انبیاء کی سیرت ہے۔(۴)

(۱) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۰۵، باب۱

(۲) بحار الانوار: ج۷۴، ص۸۰، باب۴

(۳) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۰۹، باب۱

(۴) بحار الانوار: ص۲۳۱ باب۱

## ۳۔احادیث ائمہؑ طاہرین میں نماز کی عظمت

حضرت علیؑ کے مندرجہ اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

☆"اَلصَّلاۃُ حِصْنٌ مِنْ سَطَوَاتِ الشَّیْطَانِ"

"نماز شیطانی حملوں سے بچاؤ کا محکم قلعہ ہے۔"(۱)

☆"اَلصَّلاۃُ تُنْزِلُ الرَّحْمَۃَ"

"نماز رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔"(۲)

☆"اَللّٰہَ اللّٰہَ فِي الصَّلَاۃِ فَاِنَّھَا عَمُوْدُ دِیْنِکُمْ"

"خدا کے لئے، خدا کے لئے نماز کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔"(۳)

☆ "فَرَضَ اللّٰہُ الْاِیْمَانَ تَطْھِیْراً مِنَ الشِّرْکِ وَالصَّلَاۃَ تَنْزِیْھاً عَنِ الْکِبْرِ"

"خداوند عالم نے ایمان کو شرک سے پاک کرنے اور نماز کو تکبر سے بچانے کے لئے فرض کیا ہے۔"(۴)

☆ "لَوْ یَعْلَمُ الْمُصَلِّیْ مَا یَغْشَاہُ مِنْ جَلَالِ اللّٰہِ، مَا سَرَّہُ اَنْ یَرْفَعَ رَأْسَہُ مِنَ السُّجُوْدِ" "اگر نمازی کو یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ جلالت الٰہی میں کس طرح غرق ہے تو سجدہ سے سر اٹھانے میں کبھی خوشی محسوس نہ کرتا۔"(۵)

(۱) غرر الحکم: ص۱۷۵، حدیث ۳۳۳۳
(۲) غرر الحکم: حدیث ۳۳۳۱
(۳) نہج البلاغہ: مکتوب ۴۷
(۴) نہج البلاغہ: حکمت ۵۱۲
(۵) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۰۷، باب۱



اسی طرح آپؐ نے فرمایا: "اِذَا اسْتَقْبَلَ الْمُصَلِّي الْقِبْلَۃَ اِسْتَقْبَلَ الرَّحْمٰنُ بِوَجْھِہٖ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ" "جب نمازی روبقبلہ کھڑا ہوتا ہے تو خدائے رحمان جسکے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے نماز کی طرف اپنا رخ کر لیتا ہے۔"(۱)

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِہِ الْعَبْدُ الصَّلَاۃُ فَاِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاھَا" "سب سے پہلے ہر شخص سے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر نماز قبول ہو گئی تو بقیہ اعمال بھی قبول ہو جائیں گے۔"(۲)

اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ "لِکُلِّ شَيْءٍ وَجْہٌ وَوَجْہُ دِیْنِکُمُ الصَّلَاۃُ"

"ہر چیز کا ایک چہرہ ہوتا ہے اور تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے۔"(۳)

☆"اِنَّ طَاعَۃَ اللّٰہِ خِدْمَۃٌ فِي الْاَرْضِ فَلَیْسَ شَيْءٌ مِنْ خِدْمَۃٍ یَعْدِلُ الصَّلَاۃَ"

"خداوند عالم کی اطاعت روئے زمین پر اس کی خدمت ہے اور نماز کے ہم پلہ کوئی خدمت نہیں ہے۔"(۴)

☆ "مَنْ اَتَی الصَّلَاۃَ عَارِفاً بِحَقِّھَا غُفِرَ لَہٗ"

"جو شخص نماز کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے نماز ادا کرے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"(۵)

(۱) بحار الانوار ج۷۹، ص۲۱۹، باب۱
(۲) بحار الانوار: ج۸۰، ص۲۵، باب۶
(۳) بحار الانوار ج۷۹، ص۲۲۷، باب۱
(۴) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۱۹، باب۱
(۵) بحار الانوار: ج۷۹، ص۲۰۷، باب۱

☆ "لَاحَظَّ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ"

"بے نمازی کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔"(۱)

☆ "اِعْلَمْ أَنَّ الصَّلَاةَ حِجْزَةُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَعْلَمَ مَا يُدْرِكُ مِنْ نَفْعِ صَلَاتِهِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ كَانَتْ صَلَاتُهُ حَجَزَتْهُ عَنِ الْفَوَاحِشِ وَالْمُنْكَرِ فَإِنَّمَا أَدْرَكَ مِنْ نَفْعِهَا بِقَدَرِ مَا احْتَجَزَ" "یادرکھو! نماز زمین کے اوپر خداوند عالم کا ایک باندھ ہے لہذا جو شخص یہ جاننا چاہے کہ اس کی نماز سے اسے کتنا فائدہ پہونچا ہے تو وہ یہ دیکھے کہ اس کی نماز نے اسے برائیوں سے کس مقدار میں روکا ہے۔ چنانچہ وہ جتنی مقدار میں برائیوں سے رکا رہا اس کو اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا۔"(۲)

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۹، ص۲۳۴، باب۱

(۲) بحارالانوار: ج۸۱، ص۲۶۳، باب۱۶



## سبق کا خلاصہ:

نماز اسلام کی سب سے اہم عبادت ہے اس کو دین کا ستون کہا گیا ہے۔

نماز ہر عبادت کی بنیاد اور ستون ہے اسی لئے روایات میں آیا ہے کہ روز قیامت ہر بندہ سے نماز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا۔

## سوالات:

۱۔ اسلامی احکام کے درمیان نماز کی کیا عظمت ہے؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کو نماز کتنی عزیز تھی؟

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے نماز کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟

۴۔ ائمہ طاہرینؑ نے نماز کے کیا فضائل بیان کئے ہیں؟

# تیئیسواں سبق

## آداب نماز

### ۱۔اجزاء وشرائط کا خیال

نمازی کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ نماز کے تمام اجزا اور شرائط کا بخوبی خیال رکھے اور انہیں بالکل صحیح طریقہ سے انجام دے نماز سے متعلق مسائل جیسے وضو، طہارت، لباس، جگہ، وقت، قبلہ، قرائت، نیز دوسرے تمام واجبات اور اذکار نماز صحیح طریقہ سے جاننے کے لئے معتبر علماء کرام سے دریافت کرنا چاہئے یا مراجع تقلید کی توضیح المسائل کو ملاحظہ فرمائیں اور اس کے مطابق مسائل کو اچھی طرح یاد کرنا ضروری ہے ورنہ نماز باطل ہے اور ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔

### ۲۔بارگاہ الٰہی میں حضور

نمازی کو مسلسل یہ احساس رہنا چاہئے کہ جب وہ قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کرتا ہے تو وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں پہونچ جاتا ہے لہٰذا جس طرح وہ اپنے بزرگوں کے سامنے بڑے ادب واحترام سے کھڑا ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ ادب و احترام کے ساتھ حالت نماز میں کھڑے ہونا چاہئے اور غیر متعلق کاموں سے اجتناب کرنا چاہئے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''اُعْبُدِ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ کُنْتَ لَاتَرَاہُ فَاِنَّہُ یَرَاکَ'' ''خداوند عالم کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس

کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو ضرور دیکھ رہا ہے۔"(۱)

روایت میں ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ انس بن مالک نماز میں ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں آنحضرتؐ نے انس سے فرمایا: يَا أَنَسُ! صَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ تَرىٰ أَنَّکَ لَا تُصَلِّيْ بَعْدَهَا صَلَاةً أَبَداً اِضْرِبْ بِبَصَرِکَ مَوْضِعَ سُجُودِکَ لَاتَعْرِفُ مَنْ عَنْ يَمِيْنِکَ وَلَا عَنْ شِمَالِکَ وَاعْلَمْ أَنَّکَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ يَرَاکَ وَلَا تَرَاهُ" "اے انس اپنی ہر نماز کو آخری نماز سمجھ کر ادا کرو کہ گویا اب اس کے بعد کبھی بھی تم نماز نہ پڑھو گے، اپنی نگاہوں کو اپنی سجدہ گاہ پر جمائے رکھو. اور دائیں یا بائیں طرف ہرگز توجہ نہ کرو. اور یاد رکھو کہ تم اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو جو تمہیں دیکھ رہا ہے اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو۔"(۲)

ایک دن پیغمبر اکرمؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا: "أَمَا اِنَّهُ لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ" "یقیناً اگر اس کے دل میں خضوع وخشوع ہوتا تو اس کے اعضاء وجوارح بھی خاضع وخاشع ہوتے۔"(۳)

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ کَرِهَ لَکُمْ سِتّاً: اَلْعَبَثُ فِي الصَّلَاةِ" "خداوند عالم کو تمہاری چھ چیزیں ناپسند ہیں... نماز میں فضول کام کرنا۔"(۴)

امام محمد باقرؑ اپنے والد امام زین العابدینؑ کے بارے میں فرماتے ہیں: "اِذَا قَامَ

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، ص ۷۵، باب ۴

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، ص ۲۶۴، باب ۱۶

(۳) بحار الانوار: ص ۲۲۸، باب ۱۶

(۴) بحار الانوار: ص ۲۶۷، باب ۱۶



فِي الصَّلَاةِ کَأَنَّهُ سَاقُ شَجَرَةٍ لَا يَتَحَرَّکُ مِنْهُ إِلَّا مَا حَرَّکَهُ الرِّيْحُ مِنْهُ" "جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے درخت ہو جس میں صرف اتنی حرکت ہوتی ہے جتنا وہ ہوا سے ہلتا ہے۔"(۱)

### ۳۔ نشاط وولولہ

نمازی اپنی ہر نماز کو شوق نشاط اور دل جمعی ودلچسپی کے ساتھ ادا کرے اور ہر قسم کی سستی و کاہلی وغیرہ سے دور رہے کیونکہ قرآن مجید نے منافقین کے مختلف فریب اور ہتھکنڈوں کو بیان کرتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ نماز کے معاملہ میں بہت سست رہتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی مذمت اس طرح کی ہے: إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا کُسَالَىٰ يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلاً" "منافقین خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور خدا ان کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے اور یہ نماز کے لئے اٹھتے بھی ہیں تو سستی کے ساتھ. لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔"(۲)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: أَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ عَشِقَ الْعِبَادَةَ فَعَانَقَهَا وَأَحَبَّهَا بِقَلْبِهِ وَبَاشَرَهَا بِجَسَدِهِ وَتَفَرَّغَ لَهَا فَهُوَ لَا يُبَالِيْ عَلىٰ مَا أَصْبَحَ مِنَ الدُّنْيَا عَلىٰ عُسْرٍ أَمْ عَلىٰ يُسْرٍ"(۳) "سب سے افضل انسان وہ ہے جو نماز سے اتنا عشق رکھتا ہو کہ اسے گلے لگائے اس سے قلبی محبت رکھتا ہو، نماز اس کے وجود میں بالکل پیوست ہو جائے. اور وہ اس کے لئے ہر چیز سے بے فکر رہتا ہے، یعنی اسے یہ پرواہ نہیں رہتی ہے کہ اس کا یہ دن پرسکون گذرے گا یا پریشاں حالی میں۔"

(۱) بحار الانوار: ص ۲۲۸، باب ۱۶

(۲) سورۂ نساء آیت ۱۴۲

(۳) بحار الانوار: ج ۶۷، ص ۲۵۳ باب ۵۵

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: لَا تَقُمْ اِلَی الصَّلَاةِ مُتَكَاسِلاً وَلَا مُتَنَاعِساً وَلَا مُتَثَاقِلاً فَاِنَّهَا مِنْ خَلَلِ النِّفَاقِ فَاِنَّ اللّٰهَ نَهَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَقُوْمُوْا اِلَى الصَّلَاةِ وَهُمْ سُكَارٰى يَعْنِيْ مِنَ النَّوْمِ"(۱) ''نماز میں سست، اونگھتے ہوئے، یا سوتے ہوئے نہ کھڑے ہوا کرو، کیونکہ ایسا نفاق کے باعث ہوتا ہے اور خداوند عالم نے مومنین کو مستی کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور وہ (مستی) نیند ہے۔''

## ۴۔ خضوع و خشوع

خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان مومنین کو فلاح اور کامیابی کی بشارت دی ہے جو خضوع و خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ☆ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ ''یقیناً صاحبان ایمان کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں گڑگڑانے والے ہیں۔''(۱)

پیغمبر اکرمؐ سے خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اَلتَّوَاضُعُ فِي الصَّلَاةِ وَاَنْ يُقْبِلَ الْعَبْدُ بِقَلْبِهِ كُلِّهِ عَلٰى رَبِّهِ" ''خشوع کا مطلب نماز میں تواضع ہے کہ انسان قلب کی گہرائیوں سے خدا کی جانب متوجہ ہو۔''(۲)

علماء اخلاق نے کہا ہے کہ نماز میں خشوع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ قلبی خشوع۔ یعنی اپنے دل کو ہر طرح کے فکر و خیال سے خالی کرے اور صرف خدا کی طرف متوجہ رہے۔

۲۔ جسمانی خشوع۔ اس کے اعضاء و جوارح کوئی ایسا کام نہ کریں جو نماز کی شان کے

(۱) بحار الانوار: ج۸۱، ص۲۱۳

(۲) سورۂ مومنون آیت ۲/۱

(۳) بحار الانوار ج۸۱، ص۲۶۴، باب ۱۶



خلاف ہوں۔ لہٰذا اس کی نظریں صرف سجدہ گاہ پر ہوں نہ کہ ادھر ادھر یا ہاتھوں اور پیروں کی حرکت بھی احکام نماز کے مطابق ہو۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: ''اِنَّمَا الصَّلَاةُ تَمَسْكُنٌ وَتَوَاضُعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَبَاُّسٌ وَتَنَدُّمٌ وَتَقَنُّعٌ بِمَدِّ يَدَيْكَ فَتَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ، اَللّٰهُمَّ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَهِيَ خِدَاجٌ" نماز مسکینی، تواضع، تضرع و زاری فقر اور پشیمانی کے اظہار کا نام ہے یعنی تم ہاتھ پھیلا کر ''اللھم اللھم..'' کہو اور جو شخص یہ نہ کرے اس کی نماز ناقص ہے۔(۱)

## ۵۔ حضور قلب

نمازی کو نماز کے ہر مرحلہ میں خاص طور سے نیت کے وقت اپنے دل و دماغ کو ہر طرح کے فکر و خیال سے دور رکھ کر خدا کی طرف متوجہ رکھنا چاہیئے۔ یعنی اسے یہ دھیان رہے کہ اس وقت وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا و مناجات اور راز و نیاز میں مشغول ہے نہ کہ زندگی کے دوسرے معاملات میں...... پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ عَبْدٍ لَا يَحْضُرُ قَلْبُهُ مَعَ بَدَنِهِ'' اس شخص کی نماز قطعاً قبول نہ ہوگی جس کا دل اس کے بدن کے ساتھ حاضر نہ ہو۔(۲)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: لَا يَقُوْمَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ مُتَكَاسِلاً وَلَا نَاعِساً وَلَا يُفَكِّرَنَّ فِيْ نَفْسِهِ فَاِنَّهُ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِنَّمَا لِلْعَبْدِ مِنْ صَلَاتِهِ مَا اَقْبَلَ عَلَيْهِ مِنْهَا بِقَلْبِهِ"

(۱) احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الصلاۃ

(۲) بحار الانوار ج۸۱، باب ۱۶، ص۲۴۲

"کسی بھی شخص کو نماز کے لئے سستی، کاہلی اور جمائی لیتے ہوئے نہ کھڑا ہونا چاہئے اور اپنی فکر میں نہ ڈوبا رہے کیونکہ وہ پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہے یقیناً ہر بندہ کو اپنی نماز کا صرف اتنا حصہ ہی نصیب ہوتا ہے جتنی دیر نماز میں اس کا دل حاضر رہتا ہے۔"(۱)

ابو حمزہ ثمالیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدینؑ کو دیکھا کہ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عبا آپ کے ایک شانے سے نیچے گری ہوئی تھی لیکن آپ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا یہاں تک کہ نماز تمام ہوگئی میں نے عرض کی. آپ نے اپنی عبا کیوں ٹھیک نہیں کی تھی؟

آپ نے فرمایا: "وَيْحَكَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ كُنْتُ؟ إِنَّ الْعَبْدَ لَا يُقْبَلُ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَّا مَا أَقْبَلَ عَلَيْهِ مِنْهَا بِقَلْبِهِ" تم پر وائے ہو! تمہیں معلوم نہیں میں کس کے حضور میں کھڑا تھا؟ ہر بندہ کی صرف اتنی ہی مقدار نماز قبول ہوتی ہے جس مقدار میں اس کا دل حاضر رہتا ہے۔(۲)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "إِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ لَا يُكْتَبُ لَهُ سُدُسُهَا وَلَا عُشْرُهَا وَإِنَّمَا يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلَاتِهِ مَا عَقَلَ مِنْهَا" جب کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے تو اس کے (نامۂ عمل) میں اس کا چھٹا یا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جاتا بلکہ ہر بندہ کی اتنی ہی نماز اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے جتنی مقدار میں وہ اسے سمجھا ہے۔(۳)

## ۶۔ نماز کا احترام

ہر مسلمان اور مومن کے لئے ضروری ہے کہ نماز کا احترام کرے اور اس کو واقعاً عظیم سمجھے

(۱) بحار الانوار، ج۸۱ ص۲۳۹

(۲) بحار الانوار، ج۸۱ ص۲۳۷

(۳) بحار الانوار، ج۸۱ ص۲۳۹



کیونکہ نماز کو حقیر یا ہلکا سمجھنا گناہ کبیرہ ہے اسی لئے جو لوگ نماز کو معمولی سمجھتے ہیں پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ نے ان کی مذمت کی ہے اور انہیں اپنے سے دور قرار دیا ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "لَيْسَ مِنِّي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهِ لَا يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ لَا وَاللّٰهِ" "وہ مجھ سے نہیں ہے جو اپنی نماز کو معمولی سمجھے خدا کی قسم وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہونچ سکتا۔"(۱)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "لَا تَتَهَاوَنْ بِصَلَاتِكَ فَإِنَّ النَّبِيَّ قَالَ عِنْدَ مَوْتِهِ: لَيْسَ مِنِّي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهِ" "اپنی نماز کو حقیر مت سمجھنا کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی رحلت کے وقت فرمایا تھا: اپنی نماز کو معمولی سمجھنے والا مجھ سے نہیں ہے۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "شَفَاعَتُنَا لَا تَنَالُ مُسْتَخِفّاً بِصَلَاتِهِ" "نماز کو حقیر اور سبک سمجھنے والے کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔"(۳)

## ۷۔ اول وقت کا خیال

نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا چاہئے. روایات میں اول وقت کے لئے بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے. اول وقت نماز پڑھنا. اور نماز سے قلبی محبت اور نمازی کی نظر میں نماز کی عظمت واہمیت کی بہترین دلیل ہے۔

چنانچہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: اِعْلَمْ أَنَّ أَوَّلَ وَقْتٍ أَبَداً أَفْضَلُ فَعَجِّلْ بِالْخَيْرِ مَا اسْتَطَعْتَ وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ مَا دَاوَمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ" "یاد رکھو

(۱) وسائل الشیعہ: ج۳، ص۲۳، باب۶

(۲) بحار الانوار ج۷۹، ص۲۲۴، باب۱

(۳) بحار الانوار: ج۸۲، باب۱

اول وقت ہمیشہ افضل ہے لہذا جتنا ممکن ہو کار خیر کے لئے جلدی کرو اور خداوند عالم کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ کار خیر ہے جسے بندہ مسلسل بجالاتا رہے چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔(۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "فَضْلُ الْوَقْتِ الْأَوَّلِ عَلَى الْآخِرِ كَفَضْلِ الْآخِرَةِ عَلَى الدُّنْيَا" ''اول وقت کی فضیلت آخری وقت پر ویسی ہی ہے جیسی فضیلت آخرت کو دنیا پر حاصل ہے۔''(۲)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "لَفَضْلُ الْوَقْتِ الْأَوَّلِ عَلَى الْآخِرِ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ عَنْ مَالِهِ وَوَلَدِهِ" ''آخری وقت کے مقابلہ اول وقت کی فضیلت مومن کے لئے اس کے مال اور اولاد سے زیادہ ہے۔''(۳)

## ۸۔ زینت وآرائش

قرآن مجید میں پروردگار عالم نے اپنے بندوں سے خطاب کر کے فرمایا ہے: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ...﴾ اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس اپنی زینت ساتھ رکھو۔(۴)

لہذا مناسب یہی ہے کہ نمازی نماز پڑھتے وقت پاک وصاف رہے اور مناسب لباس پہنے یعنی اس کی ظاہری شکل وصورت بھی مناسب ہو اور پھر وہ خدا کی بارگاہ میں حاضری دے (جس کی وضاحت گذشتہ درس میں گذر چکی ہے)

(۱) اصول کافی ج ۳، ص ۲۷۴

(۲) مستدرک الوسائل، ج ۳، ص ۱۰۲، باب ۳

(۳) بحار الانوار: ج ۸۲، باب ۵

(۴) سورۂ اعراف آیت ۳۱



## ۹۔ نماز جماعت

نمازی کے لئے جہاں تک ممکن ہو ہر نماز کو مسجد میں اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے کیونکہ نماز جماعت کی قدر وقیمت ہر ایک کے فہم وخیال اور تصورات سے بالاتر ہے روایت میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ جب نماز جماعت میں دس آدمی ہو جائیں تو سب فرشتے مل کر بھی اس جماعت کا ثواب نہیں لکھ سکتے ہیں۔

## سبق کا خلاصہ:

نماز کے تمام اجزاء وشرائط کا لحاظ بارگاہ خداوندی میں حاضری، ذوق وشوق کے ساتھ نماز پڑھنا، حضور قلب، خضوع وخشوع، نماز کا احترام، اول وقت کا خیال رکھنا نماز کے اہم ترین آداب میں سے ہے، جن کی پابندی ہر نمازی کے لئے ضروری ہے۔

## سوالات:

۱۔ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے آداب کیا ہیں؟

۲۔ منافقین کی نماز کیسی ہوتی ہے؟

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے سب سے افضل کس شخص کو قرار دیا ہے؟

۴۔ نماز میں خضوع وخشوع کے کیا معنی ہیں؟

۵۔ روایت کی بنا پر پیغمبرؐ نے کن لوگوں کو اپنی شفاعت سے محروم قرار دیا ہے؟

۶۔ اول وقت کی فضیلت کتنی زیادہ ہے؟

# چوبیسواں سبق

## روزہ کی اہمیت

اسلام میں نماز کے بعد سب سے اہم عبادت روزہ ہے، اور اس کو پروردگار عالم نے تمام مسلمانوں کے اوپر ماہ مبارک رمضان میں واجب قرار دیا ہے. جس کی تفصیلات فقہی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

روزہ نفس کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے اور اس کے ذریعہ ہر مسلمان اپنے باطن اور قلب و دماغ کو پاک و پاکیزہ، اپنے ارادہ کو مضبوط اور مستحکم بنا سکتا ہے اور حیوانی خواہشات سے نجات حاصل کر کے روحانی بلندیوں تک پہونچ سکتا ہے جس سے وہ محبت اور رضائے الٰہی کا حقدار بن کر جنت میں جگہ پا سکتا ہے۔

اس سبق میں پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی احادیث کی روشنی میں روزہ کی اہمیت اس کے آداب اور شرائط اور اس کے فوائد ونتائج بیان کئے جائیں گے۔

### ۱۔ روزہ میرے لئے ہے

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ، کُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا اِلیٰ سَبْعَ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَّا الصِّیَامَ فَإِنَّهُ لِيُ وَأَنَا أَجْزِيُ بِه" خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی کے بدلے دس

سے لیکر سات سوگنا تک جزا دی جاتی ہے سوائے روزہ کے، روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دونگا۔(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: ''اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ يَعْنِيْ بِالصَّبْرِ: الصَّوْمَ'' (۲) صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو اس آیت میں صبر سے مراد روزہ ہے ایک اور آیۂ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے ''اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' (۴۴) ''بس صبر کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔'' چونکہ امام جعفر صادقؑ کے ارشاد کے مطابق صبر سے مراد روزہ ہے اس طرح دونوں آیتوں کو ملانے سے بخوبی یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے روزہ دار کا درجہ بے حساب ہے۔

گویا کہ انسان روزے کے علاوہ جتنی بھی عبادتیں کرتا ہے ان سب کے ثواب کا علم محدود ہے لیکن روزہ کا ثواب صرف پروردگار عالم کو ہے اور یہی چیز روزہ کی عظمت اور منزلت کے لئے کافی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی حدیث میں ہے: ''قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ هُوَ لَهُ غَيْرُ الصِّيَامِ هُوَ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ وَالصِّيَامُ جُنَّةُ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا يَقِيْ اَحَدَكُمْ سِلَاحُهُ فِي الدُّنْيَا وَلَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصَّائِمُ يَفْرَحُ بِفَرْحَتَيْنِ: حِيْنَ يَفْطُرُ وَيَشْرَبُ وَحِيْنَ يَلْقَانِيْ فَأُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ'' ''روزہ دار کے علاوہ اولاد آدم کا ہر عمل خود اس کے لئے ہے اور روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی روزہ کی جزا دوں گا، اور قیامت کے دن بندۂ مومن کی اسی طرح سپر ہے جس طرح دنیا

(۱) سنن نسائی ج۴
(۲) اصول کافی: ج۴
(۳) سورۂ بقرہ: آیت ۴۵
(۴) سورۂ زمر آیت ۱۰



میں ہر آدمی کا اسلحہ اس کی حفاظت کرتا ہے. اور روزہ دار کے دہن کی بو خداوند عزوجل کے نزدیک مشک کی بو سے بھی بہتر ہے روزہ دار کو دُہری خوشی نصیب ہوتی ہے. ایک افطار کے وقت جب کوئی چیز کھاتا یا پیتا ہے دوسرے جب میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔'' (۱)

آپؐ ہی کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّمَا يَذَرُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ لِأَجْلِيْ فَالصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ'' ''اس ذات گرامی کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منھ کی بو خداوند عالم کے نزدیک مشک کی بو سے بہتر ہے. خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: اس بندہ نے اپنے خواہشات اور کھانے پینے کو صرف میرے لئے ترک کر رکھا ہے لہذا روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔'' (۲)

۲۔ روزہ سپر ہے

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: ''الصَّوْمُ جُنَّةٌ من النَّارِ'' ''روزہ جہنم سے حفاظت کی سپر ہے۔'' (۳)

اس سلسلہ میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ وَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ يَاْتِيَكَ الْمَوْتُ وَبَطْنُكَ جَائِعٌ فَافْعَلْ'' ''روزہ رکھو کیونکہ وہ جہنم سے محفوظ رہنے کی سپر ہے اور اگر تمہارے لئے ممکن ہو کہ مرتے وقت تم بالکل خالی پیٹ ہو تو ایسا ہی کرو۔'' (۴)

(۱) بحار الانوار ج ۹۳ ص ۲۴۹ باب ۳۰
(۲) صحیح بخاری ج ۳
(۳) بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۱۲۶، باب ۱۴
(۴) بحار الانوار، ص ۲۵۸، باب ۳۰

پیغمبر اکرمؐ نے روزہ کو سپر اس لئے قرار دیا ہے کہ روزہ کی وجہ سے انسان کی دو مضبوط قوتیں یعنی شہوت اور غضب اس کے قابو میں رہتی ہیں. اور اگر یہ دونوں بے قابو رہیں تو انسان کو گمراہی اور بھیانک تباہی کے منہ میں جھونک سکتی ہیں اسی لئے آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ مالَمْ یَخْرِقُھَا" ''روزہ اس وقت تک سپر ہے جب تک اسے پارہ نہ کیا جائے۔'' (یعنی اسے باطل نہ کیا جائے) (۱)

## ۳۔ روزہ کے اسباب

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں "فَرَضَ اللّٰہُ... الصِّیَامَ ابْتِلاءً لِاِخْلاصِ الْخَلْقِ" ''خداوند عالم نے روزہ کو لوگوں کے خلوص کی آزمائش کے لئے فرض کیا ہے۔'' (۲)

شہزادی کائناتؑ فرماتی ہیں: "فَرَضَ اللّٰہُ الصِّیَامَ تَثْبِیْتاً لِلْاِخْلاصِ" ''اللہ تعالیٰ نے روزہ کو خلوص کے استحکام کے لئے واجب قرار دیا ہے۔'' (۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "أَمَّا الْعِلَّۃُ فِي الصِّیَامِ لِیَسْتَوِيَ بِہِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِیْرُ وَذٰلِکَ لِاَنَّ الْغَنِيَّ لَمْ یَکُنْ لِیَجِدَ مَسَّ الْجُوْعِ فَیَرْحَمَ الْفَقِیرَ لِاَنَّ الْغَنِيَّ کُلَّمَا أَرَادَ شَیْئاً قدر عَلَیْہِ فأَرادَ اللّٰہُ عَزَّوجَلَّ أَنْ یُسَوِّيَ بَیْنَ خَلْقِہِ وَأَنْ یُذِیْقَ الْغَنِيَّ مَسَّ الْجُوعِ وَالْالَمِ لِیَرِقَّ عَلَی الضَّعِیفِ ویَرْحَمَ الْجائِعَ" ''روزہ واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مالدار اور فقیر سب برابر ہو جائیں کیونکہ مالدار جب تک بھوک کا مزہ نہ چکھ لے وہ فقیر کے اوپر رحم نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کا جو دل چاہتا ہے وہ اسے حاصل کر لیتا ہے. لہذا خداوند عالم نے یہ

(۱) بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۹۶، باب ۳۶

(۲) نہج البلاغہ: حکم ۲۵۲

(۳) بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۳۶۸، باب ۴۶



چاہا کہ اس کی تمام مخلوقات کے درمیان مساوات پیدا ہو جائے اور مالدار بھی بھوک کا مزہ اور درد چکھ لے تاکہ اس کا دل بھی کمزوروں کے لئے نرم پڑ جائے اور وہ بھی بھوکوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آئے۔'' (۱)

امام رضاؑ نے روزہ کے وجوب کا یہ سبب بیان فرمایا ہے: "فَاِنْ قَالَ: فَلِمَ أُمِرُوْا بِالصَّوْمِ؟ قِیلَ: لِکَيْ یَعْرِفُوْا أَلَمَ الْجُوْعِ وَالْعَطَشِ فَیَسْتَدِلُّوْا عَلَیٰ فَقْرِ الْآخِرَۃِ وَلِیَکُوْنَ الصَّائِمُ خَاشِعاً ذَلِیْلاً مُسْتَکِیْناً مَأْجُوْراً مُحْتَسِباً عارِفاً، صَابِراً لِمَا أَصَابَہُ مِنَ الْجُوْعِ وَالْعَطَشِ فَیَسْتَوْجِبُ الثَّوَابَ مَعَ مَا فِیْہِ مِنَ الْاِنْکِسَارِ عَنِ الشَّھَوَاتِ وَلِیَکُوْنَ ذٰلِکَ وَاعِظاً لَھُمْ فِي الْعَاجِلِ وَرَائِضاً لَھُمْ عَلَیٰ أَدَاءِ مَا کَلَّفَھُمْ وَدَلِیْلاً فِي الْآجِلِ وَلِیَعْرِفُوْا شِدَّۃَ مَبْلَغِ ذٰلِکَ عَلَیٰ أَھْلِ الْفَقْرِ وَالْمَسْکَنَۃِ فِي الدُّنْیَا فَیُؤَدُّوْا اِلَیْھِمْ مَا افْتَرَضَ اللّٰہُ تَعَالَیٰ لَھُمْ فِيْ أَمْوَالِھِمْ" ''اگر کوئی یہ کہے کہ روزہ کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ تو کہا جائے تاکہ وہ بھی بھوک اور پیاس کی تکلیف کا احساس کر سکے! اور اس کے ذریعہ آخرت کی غربت کا اندازہ کر لے اور یہ کہ روزہ دار اپنی بھوک و پیاس کو برداشت کر کے خدا کے سامنے ذلیل، مسکین (نیازمند) ثواب کا مستحق، جزا کا منتظر اور خداوند عالم کا عارف اور ثواب کا مستحق بن جائے اس کے علاوہ اس میں خواہشات کا توڑ، زود گذر چیزوں کے بارے میں نصیحت، فرائض کی ادائیگی کے لئے آمادگی، آئندہ کے لئے رہنمائی ہے اور تاکہ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ فقیروں اور مسکینوں کے لئے اس کو برداشت کرنا کتنا دشوار ہے لہذا اسے دیکھ کر وہ ان کے وہ حقوق ادا کریں جن کو خداوند عالم نے ان کے اموال میں واجب قرار دیا ہے۔'' (۲)

(۱) بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۳۷۱، باب ۴۹

(۲) بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۳۶۹، باب ۴۶

## ۴۔روزہ کے معنوی اثرات

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

☆ "نَوْمُ الصَّائِمِ عبادةٌ ونَفَسُهُ تَسْبِيحٌ" "روزہ دار کا سونا عبادت اور سانس تسبیح ہے۔"(۱)

☆ "اِنَّ اللّهَ وَكَّلَ مَلائِكَةً بِالدُّعاءِ لِلصّائِمِينَ" "خداوند عالم نے کچھ فرشتوں کو روزہ دار کے لئے دعا کرنے پر مامور فرمایا ہے۔"(۲)

☆ "مَنْ صَامَ يَوْماً تَطَوُّعاً فَلَوْ أُعْطِيَ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَباً مَا وُفِّيَ أَجْرُهُ دُونَ يَوْمِ الْحِسابِ" "جو شخص ایک دن مستحبی روزہ رکھے تو اگر اسے پوری زمین سونے سے بھر کر دیدی جائے تو بھی اس کا اجر کامل نہیں ہو سکتا ہاں صرف روز قیامت وہ اپنے مکمل اجر حاصل کرے گا۔"(۳)

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: "نَوْمُ الصَّائِمِ عِبادَةٌ وَصَمْتُهُ تَسْبِيحٌ وَدُعاؤُهُ مُسْتَجابٌ وعَمَلُهُ مُضاعَفٌ" "روزہ دار کا سونا عبادت، سانس تسبیح اور دعا مستجاب ہے نیز اس کے عمل کا اجر دوگنا ہو جاتا ہے۔"(۴)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ اِفْطارِهِ دَعْوَةً لا تُرَدُّ" "افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی ہے۔"(۵)

(۱) بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۲۵۸، باب ۳۰
(۲) بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۲۵۳ باب ۳۰
(۳) بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۲۵۲، باب ۳۰
(۴) بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۲۵۵، باب ۳۰
(۵) گذشتہ حوالہ



پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "اَلصَّائِمُ فِيْ عِبادَةِ اللّهِ وَاِنْ كانَ نائِماً عَلَىٰ فِراشِهِ مالَمْ يَغْتَبْ مُسْلِماً" "روزہ دار عبادت الٰہی میں مشغول ہے چاہے وہ بشرطیکہ کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے۔"(۱)

## ۵۔روزہ کی حد

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "لَيْسَ الصِّيامُ مِنَ الطَّعامِ وَالشَّرابِ أَنْ لا يَأْكُلَ الْانسانُ ولا يَشْرَبَ فقط ولٰكِنْ إذا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ ولِسانُكَ وبَطْنُكَ وفَرْجُكَ وَاحْفَظْ يَدَكَ وفَرْجَكَ وَاكْثِرِ السُّكُوتَ إلّا مِنْ خَيْرٍ وارْفُقْ بخادمك" "روزہ صرف کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے کہ انسان صرف کھانا پینا چھوڑ دے بلکہ جب تم روزہ رکھو تو پھر تمہارے کان، آنکھ، زبان، پیٹ، شرمگاہ کو بھی روزہ دار ہونا چاہئے۔ اور اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کو بچا کر رکھو، اور نیک باتوں کے علاوہ زیادہ سے زیادہ خاموش رہو، اور اپنے خادموں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔"(۲)

امام رضاؑ نے فرمایا ہے "اِذا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَجِلْدُكَ وَشَعْرُكَ" "جب تم روزہ رکھو تو تمہارے کان، آنکھ، کھال، اور بال کو بھی روزہ دار ہونا چاہئے۔"(۳)

(۱) بحار الانوار ص ۲۴۷، باب ۳۰
(۲) وسائل الشیعہ: ج ۱۰، ص ۱۶۵، باب ۱۱
(۳) بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۲۹۱ باب ۳۶

## سبق کا خلاصہ:

اسلام کی ایک اور اہم عبادت کا نام روزہ ہے کیونکہ ایک مسلمان روزہ رکھ کر اپنی خواہشات نفس اور ہوا و ہوس پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنی روح کو پاک و پاکیزہ بناتا ہے۔

پروردگار عالم نے روزہ داروں کے لئے عظیم اجر قرار دیا ہے۔

## سوالات:

۱۔ خداوند عالم نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ روزہ کا ثواب میرے ذمہ ہے؟

۲۔ روزہ دار کی دوہری خوشیاں کونسی ہیں؟

۳۔ روزہ جہنم کی سپر ہے!!! اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ روزہ واجب ہونے کا سبب کیا ہے؟

۵۔ روزہ کے روحانی اور معنوی آثار بیان کیجئے؟

۶۔ کیا روزہ صرف نہ کھانے پینے کا نام ہے؟

# پچیسواں سبق

# قرآن مجید کی فضیلت

## ۱۔ قرآن مجید کی فضیلت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَیٰ سَائِرَ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلیٰ خَلْقِہٖ" "قرآن مجید کو ہر کلام کے اوپر وہی فوقیت و برتری حاصل ہے جو فوقیت خداوند عالم کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔"(۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَلْقُرْآنُ غِنیً لَا غِنَیٰ دُوْنَہٗ وَلَا فَقْرَ بَعْدَہٗ" "قرآن مجید ایسی دولت ہے جس سے بے نیازی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کے (مل جانے کے) بعد کوئی فقر ہے۔(۲)

آپ یہ بھی فرماتے ہیں "اَصْدَقُ الْقَوْلِ وَاَبْلَغُ الْمَوْعِظَۃِ وَاَحْسَنُ الْقَصَصِ کِتَابُ اللّٰہ" "سب سے سچا کلام، اور بلیغ ترین موعظہ اور سب سے حسین داستان کتاب خدا ہے۔"(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: "عَلَیْکُمْ بِالْقُرْآنِ فَاتَّخِذُوْہُ اِمَاماً قَائِداً" "تمہیں قرآن مجید کا خیال رہے لہذا اسے اپنا امام اور قائد قرار دو۔"(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج۸۹، ص۱۷، باب ۱

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحار الانوار ج۷۴، ص۱۱۶، باب ۶

(۴) کنز العمال: حدیث ۴۰۲۹

اسی طرح آپؐ نے فرمایا ہے: "اِعْلَمُوْا اِنَّهُ لَيْسَ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ وَلَا لِاَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْآنِ مِنْ غِنًی فَاسْتَشْفُوْهُ مِنْ اَدْوَائِكُمْ وَاسْتَعِيْنُوْا بِهٖ عَلٰی لَاْوَائِكُمْ فَاِنَّ فِيْهِ شِفَاءً مِنْ اَكْبَرِ الدَّاءِ وَهُوَ الْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ وَالْغَيُّ وَالضَّلَالُ" "یادرکھو (فہم وادراک) قرآن مل جانے کے بعد کوئی فاقہ کش نہیں رہ سکتا اور قرآن سے پہلے مستغنی ہوجانا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اس کے ذریعہ اپنی بیماریوں کا علاج کرو۔ اور سختیوں میں اس سے مدد حاصل کرو کیونکہ اس میں سب سے بڑی بیماریوں کی شفا ہے اور وہ یہ ہیں کفر، نفاق، بغاوت، گمراہی۔"(۱)

## ۲۔ تلاوت قرآن کی فضیلت

اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ "اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِيْ قِرَائَةُ الْقُرْآنِ" "میری امت کی سب سے افضل عبادت تلاوت قرآن ہے۔"(۲)

☆ "اَهْلُ الْقُرْآنِ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ" "اہل قرآن اہل اللہ اور اس کے خواص ہیں۔"(۳)

☆ "اِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ كَمَا يَصْدَاُ الْحَدِيْدُ فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جَلَاؤُهَا؟ فَقَالَ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَذِكْرُ الْمَوْتِ" "دل بھی اسی طرح زنگ آلود ہوجاتے ہیں جس طرح لوہا زنگ آلود ہوجاتا ہے۔ کہا گیا: یا رسول اللہ اس کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تلاوت قرآن اور موت کو یاد رکھنا۔(۴)

☆ "اِذَا اَحَبَّ اَحَدُكُمْ اَنْ يُحَدِّثَ رَبَّهُ فَلْيَقْرَأِ الْقُرْآنَ" "تم میں سے جب کوئی

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۶
(۲) سنن دارمی: ج ۲
(۳) سنن ابن ماجہ: حدیث ۲۱۵
(۴) احیاء علوم الدین: کتاب آداب، مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۱۰۴



شخص اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو وہ قرآن مجید کی تلاوت کرلیا کرے۔"(۱)

☆ "عَلَيْكَ بِقِرَائَةِ الْقُرْآنِ، فَاِنَّ قِرَائَتَهُ كَفَّارَةٌ لِلذُّنُوْبِ وَسِتْرٌ فِي النَّارِ وَاَمَانٌ مِنَ الْعَذَابِ" "تمہارے لئے تلاوت قرآن ضروری ہے کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ، جہنم کی آگ سے پوشش اور عذاب سے امان ہے۔"(۲)

☆ "لَا تَغْفُلْ عَنْ قِرَائَةِ الْقُرْآنِ، فَاِنَّ الْقُرْآنَ يُحْيِي الْقَلْبَ وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ" "قرائت قرآن سے غافل نہ رہنا کیونکہ قرآن دل کو زندہ کرتا ہے اور برائیوں نیز گناہوں اور ظلم وستم سے روکتا ہے۔"(۳)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ اَنِسَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ لَمْ تُوْحِشْهُ مُفَارَقَةُ الْاِخْوَانِ" "جو شخص تلاوت قرآن مجید سے مانوس ہوجائے اسے دوستوں کی جدائی وحشت زدہ نہیں کرتی ہے۔"(۴)

نیز فرمایا: "اَلْقَاحُ الْاِيْمَانِ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ" (۵) ایمان کے بارآور ہونے کا نام تلاوت قرآن ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ قَرَاَ الْقُرْآنَ وَهُوَ شَابٌّ مُؤْمِنٌ اِخْتَلَطَ الْقُرْآنُ بِلَحْمِهٖ وَدَمِهٖ، جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ" "جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرے اور وہ مومن جوان ہو تو قران مجید اس کے گوشت اور خون میں مخلوط ہوجاتا ہے اللہ تعالی اس کو اپنے نیک اور بلند مرتبہ انبیاء کے ساتھ قرار دیتا ہے۔"(۶)

(۱) کنز العمال: تلاوت القرآن ح ۲۲۵۷
(۲) بحار الانوار ۸۹، ص ۱۷، باب ۱
(۳) کنز العمال حدیث ۲۰۳۲
(۴) غرر الحکم: ص ۱۱۲، حدیث ۱۹۹۳
(۵) غرر الحکم: ص ۱۱۲ ح ۱۹۹۲
(۶) بحار الانوار: ج ۸۹، ص ۱۸۷، باب ۲۰

## ۳۔قرآن مجید کی تعلیم کی فضیلت

اس بارے میں رسول اکرم ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ "إنّ هذا القرآن مأدبة الله فتعلّموا من مأدبته ما استطعتم" "یہ قرآن مجید خداوند عالم کا دسترخوان ہے لہذا تمہارے لئے جتنا ممکن ہو سکےاس کے دسترخوان سے تعلیم حاصل کرلو۔"(۱)

اسی طرح آپؐ نے جناب معاذ بن جبل سے ارشاد فرمایا: يا معاذ! إن أردت عيش السعداء وميتة الشهداء والنجاة يوم الحشر والأمن يوم الخوف والنور يوم الظلمات والظلّ يوم الحرور والريّ يوم العطش والوزن يوم الخفّة والهدى يوم الضلالة فادرس القرآن فإنّه ذكر الرحمن وحرز من الشيطان ورجحان في الميزان" "اے معاذ اگر سعادت مندوں کی زندگی، شہداء کی موت، روز محشر نجات، روز خوف امن وسلامتی، روز ظلمت نور اور گمراہی کے دن ہدایت چاہئے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرو. کیونکہ وہ خدائے رحمان کا ذکر اور شیطان سے حفاظت کا حرز، اور میزان اعمال میں دوسروں سے بھاری بھر کم ہے۔"(۲)

☆ "خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه" "تمہارے درمیان سب سے بہتر وہ ہے جو پہلے خود قرآن سیکھے اور پھر دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دے۔"(۳)

☆ "من علّم عبداً آية من كتاب الله فهو مولاه لا ينبغي أن يخذله ولا

(۱) کنزالعمال ج۱ص۵۲۶ حدیث ۲۳۵۶

(۲) کنزالعمال ح۲۳۴۹

(۳) کنزالعمال: ح۲۳۵۱



يستأثر عليه فإن هو فعله قصم عروة من عري الإسلام" "جو شخص کسی دوسرے کو کتاب خدا کی ایک آیت کی تعلیم دیدے تو وہ اس کا مولا وآقا ہے لہذا اس کے لئے اسے چھوڑ دینا یا اس کے اوپر کسی اور کو ترجیح دینا ہرگز مناسب نہیں ہے۔اور اگر وہ ایسا کام کرگذرے تو اس نے اسلام کی رسیوں میں سے ایک رسی کو کاٹ ڈالا ہے۔"(۱)

☆ "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفّتهم الملائكة وذكرهم فيمن عنده" "جب کبھی بھی خداوند عالم کے کسی گھر (مسجد) میں کچھ لوگ جمع ہو کر کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کے اوپر ضرور سکون واطمینان (سکینہ) نازل ہوتا ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ملائکہ اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اپنے درمیان ان کا ذکر خیر کرتے ہیں۔"(۲)

☆ "من علّم ولداً له القرآن قلّده قلادة يعجب منها الأوّلون والآخرون يوم القيامة" "جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن مجید کی تعلیم دے تو روز قیامت اس کی گردن میں ایک ایسا ہار پڑا ہو گا جسے دیکھ کر اولین وآخرین سب دنگ رہ جائیں گے۔"(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "حقّ الولد على الوالد أن يحسن اسمه ويحسن أدبه ويعلّمه القرآن" "باپ کے اوپر بیٹے کا یہ حق ہے کہ اس کا بہترین نام رکھے اسے اچھی تربیت نیز قرآن مجید کی تعلیم دے۔"(۴)

(۱) کنزالعمال: حدیث ۲۳۳۰

(۲) کنزالعمال: حدیث ۲۳۳۰

(۳) کنزالعمال حدیث ۲۳۸۶

(۴) نہج البلاغہ: حکمت ۳۹۹

آپ ہی نے فرمایا: "تعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الْحَدِيثِ وَتَفَقَّهُوا فِيهِ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ وَاسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءُ الصُّدُورِ وَأَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَإِنَّهُ أَنْفَعُ الْقَصَصِ" "قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ یہ بہترین کلام ہے اور اس کے مطالب و معانی درک کرنے کی سوجھ بوجھ پیدا کرو کیونکہ وہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کیونکہ وہ دلوں کے لئے شفا ہے اور اچھی طرح اس کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ سب سے زیادہ فائدہ مند قصہ ہے۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ لَا يَمُوتَ حَتَّى يَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ أَوْ يَكُونَ فِي تَعَلُّمِهِ" "مومن کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ قرآن سیکھے بغیر مرجائے یا کم از کم (مرتے وقت) اس کی تعلیم میں مشغول ہو۔"(۲)

## ۴۔ حفظ اور فہم قرآن کی فضیلت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

☆ "أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ" "میرے امت کے اشراف حاملین قرآن اور شب زندہ دار حضرات ہیں۔"(۳)

☆ "حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرَفَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ" "حاملین قرآن اہل جنت کے عرفاء ہیں۔"(۴)

☆ "لَا يُعَذِّبُ اللَّهُ قَلْباً وَعَى الْقُرْآنَ" "اس دل پر خدا عذاب نہ کرے گا جس میں قرآن مجید محفوظ ہے۔"(۵)

(۱) نہج البلاغہ: خطبہ ۱۱۰
(۲) بحار الانوار: ج ۸۹، ص ۱۸۹، باب ۲۰
(۳) بحار الانوار: ج ۸۹ ص ۱۷۷، باب ۱۹
(۴) گذشتہ حوالہ
(۵) گذشتہ حوالہ ص ۱۷۸



☆ "إِنَّ أَهْلَ الْقُرْآنِ فِي أَعْلَى دَرَجَةٍ مِنَ الْآدَمِيِّينَ مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ فَلَا تَسْتَضْعِفُوا أَهْلَ الْقُرْآنِ حُقُوقَهُمْ فَإِنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ لَمَكَاناً" "اہل قرآن انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے زیادہ بلند درجہ پر فائز ہونگے۔ لہذا اہل قرآن کے حقوق کو ضائع نہ کرو کیونکہ ان کے لئے خداوند عالم کی طرف ایک عظیم منزلت اور مقام ہے۔"(۱)

☆ "مَنْ أَعْطَاهُ اللَّهُ حِفْظَ كِتَابِهِ فَظَنَّ أَنَّ أَحَداً أُعْطِيَ أَفْضَلَ مِمَّا أُعْطِيَ فَقَدْ غَمَطَ أَفْضَلَ النِّعْمَةِ" "جسے خداوند عالم اپنی کتاب کو حفظ کرنے کی دولت سے نوازدے اور پھر وہ یہ گمان کرے کہ کسی دوسرے کو اس سے بہتر چیز مل گئی ہے تو اس نے خداوند عالم کی سب سے بڑی نعمت کی تحقیر اور ناشکری کی ہے۔"(۲)

☆ "إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرَابِ" "جس کے باطن میں قرآن مجید کا کوئی حصہ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔"(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "الْحَافِظُ لِلْقُرْآنِ الْعَامِلُ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ" "قرآن مجید پر عمل کرنے والا حافظ قرآن، اللہ کے نیک اور بزرگ انبیاء کے ساتھ رہے گا۔"(۴)

اسی طرح آپ نے فرمایا: "إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ فُلَانٌ قَارِئٌ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ لِيَطْلُبَ بِهِ الدُّنْيَا وَلَا خَيْرَ فِي ذَلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ لِيَنْتَفِعَ بِهِ فِي صَلَاتِهِ وَلَيْلِهِ وَنَهَارِهِ" "کچھ لوگ اس لئے قرآن مجید پڑھتے ہیں تا کہ لوگ یہ کہیں

(۱) اصول کافی، ج ۲ ص ۶۰۳
(۲) کنز العمال، حدیث ۲۳۱۷
(۳) کنز العمال: حدیث ۲۴۷۸
(۴) بحار الانوار: ج ۸۹، ۱۷۷، باب ۱۹

کہ فلاں قاری قرآن ہے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیا طلبی کے لئے قرآن پڑھتے ہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور کچھ لوگ اس لئے قرآن مجید پڑھتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ اپنی نماز اور رات و دن (ہر معاملۂ زندگی) میں ہمیشہ فائدہ حاصل کریں۔"(۱)

## ۵۔ قرآن مجید کی تلاوت سننا

رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

☆ "أَلا مَنِ اشْتَاقَ إِلَى اللّٰهِ فَلْيَسْتَمِعْ كَلامَ اللّٰهِ" "یاد رکھو جو شخص خداوند عالم کا مشتاق ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے۔"(۲)

☆ "مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ مُضَاعَفَةٌ وَمَنْ تَلا آيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهُ نُوراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "جو شخص قرآن مجید کی ایک آیت سنے گا اس کے لئے دوہرا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص اس کی ایک آیت کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے لئے روز قیامت نور بن جائے گی۔"(۳)

☆ "يُدْفَعُ عَنْ قَارِئِ الْقُرْآنِ بَلاءُ الدُّنْيَا وَيُدْفَعُ عَنْ مُسْتَمِعِ الْقُرْآنِ بَلاءُ الآخِرَةِ" "قاری قرآن کی دنیاوی بلائیں اور تلاوت سننے والے کی اخروی بلائیں دور کر دی جاتی ہیں۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی: ج۲، ص ۶۰۷

(۲) کنز العمال حدیث ۲۴۷۲

(۳) کنز العمال حدیث ۱۳۱۶

(۴) کنز العمال: حدیث ۴۰۳۱



## سبق کا خلاصہ:

کیونکہ قرآن مجید کتاب سعادت و ہدایت ہے لہذا تدبر اور اسکے معانی پر توجہ کے ساتھ اس کی تلاوت کرنا سعادت کی شناخت اور اس تک پہونچنے کا بہترین راستہ ہے. اسی لئے روایات معصومین علیہم السلام میں تلاوت قرآن مجید کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے اور مومنین کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ ہر مرحلہ میں اس کی طرف خصوصی توجہ رکھیں۔

## سوالات:

۱۔ روایات معصومین علیہم السلام میں قرآن مجید کی کیا اہمیت بیان کی گئی ہے؟

۲۔ تلاوت قرآن کا روحانی (معنوی) نتیجہ کیا ہے؟

۳۔ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی کیا اہمیت اور قدر و قیمت ہے؟

۴۔ روایات میں حفاظ قرآن کے کیا فضائل بیان کئے گئے ہیں؟

۵۔ روایات کے مطابق تلاوت قرآن سننے والوں کے لئے کیا ثواب (جزا) ہے؟

# چھبیسواں سبق

## تلاوت قرآن کے آداب

قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام اور اس کی عظیم کتاب ہے اور یہ دوسری کتابوں سے ممتاز ہے اس لئے اس کی تلاوت کے بھی مخصوص آداب ہیں جن کا ہر مسلمان کو خیال رکھنا چاہئے. ان آداب میں بعض کا تعلق اس کے احترام سے ہے جبکہ کچھ آداب اس کو سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے نیز اس سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے بارے میں ہیں جنکی تفصیلات حاضر خدمت ہے:

### ۱۔ظاہری آداب

تلاوت کے وقت با وضو، با طہارت اور صاف ستھرا نیز کتاب خدا کے حضور میں با ادب رہے اور قرآن کے سامنے چاہے بیٹھا ہو یا کھڑا ہو ہمیشہ متواضع رہے اور ہر متکبرانہ انداز سے پرہیز کرے جیسے پیر پھیلانا وغیرہ مختصر یہ کہ خلاف ادب کوئی کام نہ کرے۔

اسی طرح قاری کے لئے بہتر ہے کہ مسواک کر کے منہ دھولے کیونکہ پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم نے ارشاد فرمایا ہے. نَظِّفُوا طَرِيقَ الْقُرآنِ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا طَرِيقُ الْقُرآنِ؟ قَالَ: أَفْوَاهُكُمْ. قِيلَ: بِمَاذا؟ قَالَ: بِالسِّوَاكِ" "قرآن کریم کے راستوں کو صاف ستھرا رکھو عرض کیا گیا یا رسول اللہ قرآن کے راستے کونسے ہیں، آپ نے فرمایا: تمہارے دہن سوال کیا گیا کہ انہیں

کس طرح صاف رکھیں فرمایا: مسواک کے ذریعہ۔"(۱)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: اِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَيِّبُوهَا بِالسِّوَاكِ" "تمہارے دہن قرآن کریم کی گذرگاہ (آمدورفت کے راستے) ہیں لہذا انہیں مسواک کے ذریعہ صاف ستھرا رکھو۔"(۲)

## ۲۔ قرائت قرآن کی جگہ

ہر مسلمان پر قرآن کریم کا احترام کرنا واجب ہے، لہذا حمام یا بیت الخلاء جیسی جگہوں پر قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے. بلکہ ہر قاری کو تلاوت کے لئے بہتر سے بہتر جگہ تلاش کرنا چاہئے جیسے مسجد یا متبرک مقامات، اسی طرح برادران اسلام کو اپنے گھروں میں قرآن کی تلاوت کرنا چاہئے کیونکہ اس کے بے شمار فائدے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: نَوِّرُوا بُيُوتَكُمْ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُوراً كَمَا فَعَلَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى. صَلُّوا فِي الْكَنَائِسِ وَالْبِيَعِ وَعَطَّلُوا بُيُوتَهُمْ. فَإِنَّ الْبَيْتَ إِذَا كَثُرَ فِيهِ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ كَثُرَ خَيْرُهُ وَاتَّسَعَ أَهْلُهُ وَأَضَاءَ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا يُضِيءُ نُجُومُ السَّمَاءِ لِأَهْلِ الدُّنْيَا" "اپنے گھروں کو تلاوت قرآن سے نورانی بناؤ. اور یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح انہیں قبر نہ بنا ڈالو کہ وہ گرجا گھروں اور اپنی عبادت گاہوں میں نماز پڑھتے ہیں اور گھروں میں کوئی عبادت نہیں کرتے. جب کہ گھر میں جتنی زیادہ تلاوت قرآن مجید ہوگی اس کے لئے اتنی ہی بھلائی ہے اور اس سے اہل خانہ کے لئے آسانیاں فراہم ہوں گی اور وہ اہل آسمان کو اسی طرح چمکتا دکھائی دے گا جس طرح اہل زمین کو ستارے دکھائی دیتے ہیں۔"(۳)

(۱) بحارالانوار: ج۸۹، ص۲۱۳، باب۲۶

(۲) کنز العمال: حدیث ۲۷۵۱، بحارالانوار ج۸۱، ص۳۳۰، باب۲۰

(۳) اصول کافی: ج۲، ص۶۱۰



حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "اَلْبَيْتُ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ الْقُرْآنُ وَيُذْكَرُ اللّٰهُ فِيهِ تَكْثُرُ بَرَكَتُهُ وَتَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ وَتَهْجُرُهُ الشَّيَاطِينُ وَيُضِيءُ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تُضِيءُ الْكَوَاكِبُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي لَا يُقْرَأُ فِيهِ الْقُرْآنُ وَلَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيهِ تَقِلُّ بَرَكَتُهُ وَتَهْجُرُهُ الْمَلَائِكَةُ وَتَحْضُرُهُ الشَّيَاطِينُ" "جس گھر میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور ذکر الٰہی ہوتا ہے اس کی برکتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور اس میں ملائکہ آ جاتے ہیں اور شیاطین چلے جاتے ہیں اور وہ اہل آسمان کو اسی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس طرح اہل زمین کو ستارے دکھائی دیتے ہیں. اور جس گھر میں قرآن مجید نہیں پڑھا جاتا ہے اور نہ ذکر الٰہی ہوتا ہے اس کی برکتیں کم ہو جاتی ہیں وہاں سے ملائکہ چلے جاتے ہیں. اور اس پر شیاطین قبضہ کر لیتے ہیں۔"(۱)

## ۳۔ تلاوت کی مقدار

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: "اَلْقُرْآنُ عَهْدُ اللّٰهِ إِلَى خَلْقِهِ فَقَدْ يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ أَنْ يَنْظُرَ فِي عَهْدِهِ وَأَنْ يَقْرَأَ مِنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ خَمْسِينَ آيَةً" "قرآن مجید اللہ کی مخلوق کے لئے اسکا ایک عہد ہے لہذا ہر مسلمان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے عہد نامہ کو ملاحظہ کرتا رہے اور ہر روز اس کی پچاس آیتیں پڑھا کرے۔"(۲)

واضح رہے کہ اگر چہ قرآن مجید کی جتنی زیادہ تلاوت کی جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ تلاوت کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آیتوں کے معانی و مفاہیم پر توجہ باقی نہ رہے یعنی صرف اتنی تلاوت کرے جتنا آسانی سمجھ سکے. جیسا کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی! کیا میں ایک دن میں پورا قرآن ختم کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: "لَا يُعْجِبُنِي أَنْ تَقْرَأَهُ فِي

(۱) اصول کافی ج۲، ص۶۱۰

(۲) اصول کافی: ص۶۰۹

اُقلّ مِنْ شَهرٍ" "مجھے پسند نہیں ہے کہ تم اسے ایک مہینہ سے پہلے پڑھ لو. (یعنی ایک ختم قرآن کے لئے کم از کم ایک مہینہ صرف کرنا چاہئے)۔(۱)

پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے: "مَنْ قرأ القرآنَ اقلَّ مِنْ ثلاثٍ لم يَفْقَهْهُ" "جو شخص تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم کرلے وہ اسے نہیں سمجھ سکتا ہے۔"(۲)

## ۴/۵۔ استعاذہ اور تسمیہ (اعوذ باللہ اور بسم اللہ کہنا)

تلاوت شروع کرنے سے پہلے شیطان کے شر سے خداوند عالم کی پناہ مانگے اور یہ کہے أعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: "فَإذا قَرَأْتَ الْقُرآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" لہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان رجیم سے مقابلہ کے لئے اللہ کی پناہ طلب کریں۔(۳)

استعاذہ کے بعد بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کہے۔ اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "اَغلِقُوا أبوابَ المَعْصِيَةِ بِالاستِعاذةِ وَافْتَحُوا أبوابَ الطّاعَةِ بِالتَّسْمِيَةِ" "استعاذہ کہہ کر گناہوں کے دروازے بند کردو اور تسمیہ (بسم اللہ) سے اطاعت کے دروازے کھول دو۔(۴)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جب کبھی کسی آیت سے استدلال کرتے تھے تو آیت پڑھنے سے پہلے "أعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ" ضرور کہتے تھے اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے۔(۵)

(۱) اصول کافی: ج۲ص ۶۱۷
(۲) سنن ابن ماجہ: حدیث ۱۳۴۷
(۳) سورۂ نحل آیت ۹۸
(۴) بحار الانوار: ج۸۹ص ۲۱۶، باب ۲۶
(۵) بحار الانوار: ص۲۱۰، باب ۲۶



## ۶۔ ترتیل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرآنَ تَرْتِيلاً﴾ "اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر باقاعدہ پڑھو"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے معنی دریافت کئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے "بَيِّنْهُ تِبْياناً وَلا تَهُذَّهُ هَذَّ الشِّعْرِ وَلا تَنْثُرْهُ نَثْرَ الرَّمْلِ وَلٰكِن افْزَعُوا قُلُوبَكُم القاسِيَةَ وَلا يَكُن هَمُّ أحَدِكُم آخِرَ السُّورَةِ" "اسے اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اور شعر کی طرح (گا گا کر) نہ پڑھو اور نہ ریت کی طرح ایک دم منتشر کردو بلکہ اپنے سخت دلوں کو خوفزدہ کرو اور تمہیں یہی فکر نہ رہے کہ یہ سورہ کب ختم ہوگا" مختصر یہ کہ تلاوت اتنے آرام آرام سے ہونی چاہئے کہ پڑھنے والے کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع بھی ملتا رہے۔

## ۷۔ دلنشین آواز

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "زَيِّنُوا الْقُرآنَ بِأصْواتِكُمْ" "قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے آراستہ اور مزین کرو۔"(۲)

☆ "اِنّ حُسْنَ الصَّوْتِ زِينَةٌ لِلقُرآنِ" "بیشک اچھی آواز قرآن مجید کی زینت ہے۔"(۳)

☆ "اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حِلْيَةً وَحِلْيَةُ القُرآنِ الصَّوْتُ الْحَسَنُ" "ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن مجید کی زینت اچھی آواز ہے۔"(۴)

(۱) سورۂ مزمل آیت ۴
(۲) سنن دارمی: ج۲
(۳) بحار الانوار: ج۸۹، ص۱۹۰، باب ۲۱
(۴) گذشتہ حوالہ

## ۸۔حزن اور خشوع

تلاوت قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ قاری، تلاوت قرآن کے وقت حزن وملال کا انداز اپنائے کیونکہ یہ قرآن کے معانی کو سمجھنے کا اثر ہے اور اس لئے بھی کہ یاد خدا سے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے جیسا کہ پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ''أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ'' ''کیا صاحبان ایمان کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل ذکر خدا اور اس کی طرف سے نازل ہونے والے حق کے لئے نرم ہوجائیں۔''(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

☆ ''اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ بِالْحُزْنِ فَإِنَّهُ نَزَلَ بِالْحُزْنِ'' ''قرآن کو حزن کے ساتھ پڑھو کیونکہ قرآن مجید حزن کے ساتھ نازل ہوا ہے۔''(۲)

☆ ''اُتْلُوا الْقُرْآنَ وَابْكُوا فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا'' ''قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت گریہ کیا کرو اور اگر گریہ نہیں کر سکتے تو رونے والے کی شکل اختیار کرلو۔''(۳)

☆ ''مَا مِنْ عَيْنٍ فَاضَتْ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، إِلَّا قَرَّتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ''جو آنکھ بھی تلاوت قرآن مجید سے اشکبار ہوگی وہ روز قیامت پرسکون رہے گی۔''(۴)

## ۹۔تدبر

تلاوت کرنے والے کا سب سے اہم فریضہ قرآن مجید کے مضامین میں تدبر اور غور وفکر کرنا

---

(۱) سورۂ حدید: آیت ۱۶

(۲) کنز العمال حدیث ۲۷۷۷

(۳) سنن ابن ماجہ: حدیث ۳۱۹۶

(۴) کنز العمال حدیث ۲۸۲۳



ہے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت کا اصل مقصد اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔

واضح رہے کہ صرف تلاوت کرنے یعنی الفاظ کو دہرانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔لہٰذا اس میں تدبر ضروری ہے اور اگر اس تدبر اور غور وفکر کے بعد قرآن مجید سمجھ میں نہ آئے تو اس کی تفسیروں میں ملاحظہ کرے جیسا کہ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ ''یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور صاحبان عقل نصیحت حاصل کریں۔''(۱)

دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ ''تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔''(۲)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: أَلَا لَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبُّرَ فِيهَا ''یاد رکھو جس قرائت قرآن میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔''(۳)

## ۱۰۔قرآن مجید میں دیکھ کر اس کی تلاوت کرنا

بہتر ہے کہ قرآن مجید میں دیکھ کر اس کی تلاوت کرے چاہے وہ حافظ قرآن ہو تب بھی قرآن میں دیکھ کر ہی پڑھنا زیادہ بہتر ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں: کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی! مجھے قرآن مجید حفظ ہے. تو میں زبانی پڑھوں یہ بہتر ہے یا

---

(۱) سورۂ ص: آیت ۲۹

(۲) سورۂ محمد: آیت ۲۴

(۳) بحار الانوار: ج ۸۹، ص ۲۱۰، باب ۲۶

قرآن مجید میں دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "بَلْ اِقْرَأْهُ وَانْظُرْ فِي الْمُصْحَفِ فَهُوَ أَفْضَلُ أَما عَلِمْتَ أَنَّ النَّظَرَ فِي الْمُصْحَفِ عِبادَةٌ" "قرآن مجید میں دیکھ کر پڑھا کرو یہی افضل ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ قرآن مجید کی عبارت کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔"(۱)

(۱) بحارالانوار، ص۱۹۶، باب۲۲



## سبق کا خلاصہ:

قرآن مجید کے احترام اور اس سے کماحقہ استفادہ کرنے کے لئے تلاوت کرنے والے کو چند آداب کا خیال رکھنا چاہئے جیسے باادب اور روبقبلہ بیٹھنا، تلاوت کی مقدار، تلاوت کا صحیح طریقہ، معانی قرآن میں تدبر اور غور وفکر کرنا۔

## سوالات:

۱۔ تلاوت قرآن کرنے والے کو تلاوت کرتے وقت کس طرح ہونا چاہئے؟

۲۔ کن جگہوں پر تلاوت کرنا صحیح نہیں ہے؟

۳۔ ہر روز کتنی آیتوں کی تلاوت کرنا چاہئے؟

۴۔ ترتیل کے معنی کیا ہیں؟

۵۔ تدبر قرآن کی اہمیت بیان کریں؟

# ستائیسواں سبق

## دعا وزیارت کی اہمیت

اس سبق میں ہم سب سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی احکام وآداب کے درمیان دعا اور بارگاہ الٰہی میں حاجات طلب کرنے کی اہمیت ومنزلت کیا ہے؟ اس جواب کے بعد ہمیں فضیلت واہمیت دعا کا اندازہ ہوجائے گا اس سبق میں ہم اولیاء الٰہی کے دیدار اور دنیا سے ان کی رحلت کے بعد ان کی قبروں کی زیارت کے سلسلہ میں بھی گفتگو کریں گے۔

### ۱۔ دعا کی منزلت

دعا کی منزلت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبادَةِ وَلَایُهْلَکُ مَعَ الدُّعَاءِ أحَدٌ" "دعا عبادت کی جان ہے دعا کے ہوتے ہوئے کوئی بھی انسان ہلاک نہیں ہوسکتا۔"(۱)

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے: تَرْکُ الدُّعَاءِ مَعْصِیَةٌ" ترک دعا گناہ ہے۔"(۲)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "أحَبُّ الأعْمَالِ اِلَیٰ اللّٰہِ فِي الأرْضِ الدُّعَاءُ" "روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل دعا ہے۔"(۳)

ارشاد الٰہی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبادَتِي سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ﴾

..........................................

(۱) بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۰۰، باب ۱۶

(۲) میزان الحکمہ: باب ۱۱۸۹

(۳) اصول کافی: ج ۲، ص ۴۶۷

کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے. "هُوَ الدُّعَاءُ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اَلدُّعَاءُ" اس سے مراد دعا ہے اور بہترین عبادت دعا ہے۔(۱)

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا: کون سی عبادت سب سے بہتر ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "مَا مِنْ شَيْءٍ اَفْضَلُ عِنْدَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ اَنْ يُسْأَلَ وَيُطْلَبَ مِمَّا عِنْدَهُ وَمَا اَحَدٌ اَبْغَضُ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِمَّنْ يَسْتَكْبِرُ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَايَسْأَلُ مَا عِنْدَهُ" "اللہ کے نزدیک اس سے بہتر عبادت اور کوئی نہیں ہے کہ اس کے پاس جو ہے وہ اس سے سوال کر کے طلب کیا جائے اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین بندہ وہ ہے جو اس کی عبادت سے روگردانی کرے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ نہ مانگے۔"(۲)

ان احادیث کے ذریعہ دعا کی عظمت خود بخود واضح ہو جاتی ہے اور کیونکہ مشیت الٰہی یہی ہے کہ ہر انسان کمال حقیقی کی منزل تک پہونچے اور چونکہ اس کا مقصد خلقت عبادت ہے لہذا عبادت کے بغیر کمال حقیقی تک نہیں پہونچا جا سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ "ہم نے جن وانس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔"(۳)

انسان کو یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ وہ ذاتاً محتاج ہے اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب پروردگار عالم کا عطا کیا ہوا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ "انسانو! تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد وثنا ہے۔"(۴)

(۱) سورۂ غافر: آیت ۶۰، اصول کافی: ج۲، ص۴۶۶

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) سورۂ ذاریات آیت ۵۶

(۴) سورۂ فاطر: آیت ۱۵



جب انسان اس حقیقت کو محسوس کرے گا تو خود بخود دعا و عبادت اور غنی مطلق پروردگار کی جانب خضوع وخشوع کے ساتھ قدم بڑھائے گا۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ "اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو تمہارا پروردگار تمہاری پرواہ نہ کرتا۔"(۱)

دعا ہی انسان اور خالق کے رشتہ اور رابطہ کو محکم کرتی ہے وہ رشتہ جو مخلوق اور خالق، فقیر اور غنی، محتاج بندہ اور خدائے واحد و بے نیاز کے درمیان پایا جاتا ہے. اسی لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دعا کے بارے میں تاکید پائی جاتی ہے. ﴿وَ ادْعُوْهُ خَوْفاً وَطَمَعاً اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ "اور خدا سے ڈرتے ڈرتے اور امیدوار بن کر دعا کرو. کہ اس کی رحمت صاحبان حسن عمل سے قریب تر ہے۔"(۲)

﴿فَادْعُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ "لہذا تم خالص عبادت کے ساتھ خدا کو پکارو۔"(۳)

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ "اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقیناً جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔"(۴)

دعا کو ترک کر دینے والا، گناہ اور عصیان کا پیکر بن جاتا ہے جب کہ دعا کی پابندی،

(۱) سورۂ فرقان آیت ۷۷

(۲) سورۂ اعراف: آیت ۵۶

(۳) سورۂ غافر: آیت ۱۴

(۴) سورۂ غافر: آیت ۶۰

رب العالمین کی بارگاہ میں انسان کی عبودیت کی ترجمان ہوتی ہے اللہ کے نیک اور صالح بندے وہ ہیں جو خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں. خداوند عالم قرآن مجید میں ایسے بندوں کا تذکرہ ان اوصاف کے ساتھ کرتا ہے:

﴿یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً﴾ ”اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور طمع کی بنیاد پر پکارتے رہتے ہیں۔“(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا: ﴿وَیَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَرَهَباً وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ﴾ ”اور وہ رغبت اور خوف کے ہر عالم میں ہمیں کو پکارنے والے تھے اور ہماری بارگاہ میں گڑگڑا کر التجا کرنے والے بندے تھے۔“(۲)

## ۲۔ دعا کی قدر ومنزلت اور اس کے آثار

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤمِنِ وَعَمُوْدُ الدِّيْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ“ ”دعا مومن کا اسلحہ، دین کا ستون اور زمین وآسمان کا نور ہے۔“(۳)

آپ نے فرمایا: ”لَایَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ“ ”قضا کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے۔“(۴)

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے: ”دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَادْفَعُوْا اَبْوَابَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ“ ”اپنے مریضوں کا علاج صدقہ کے ذریعہ کرو اور دعا کے ذریعہ بلاؤں کو دفع کرو۔“(۵)

پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے تھے: ”مَا مِنْ شَيْءٍ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الدُّعَاءِ“ ”اللہ کی نگاہ میں دعا سے زیادہ مکرم کوئی شے نہیں ہے۔“(۶)

(۱) سورہ سجدہ: آیت ۱۶
(۲) سورۂ انبیاء: آیت ۹۰
(۳) اصول کافی: ج۲، ص۴۶۸
(۴) بحار الانوار: ج۹۰، ص۲۹۴، باب ۱۶
(۵) بحار الانوار: ج۹۰، ص۲۲۸ باب ۱۶
(۶) بحار الانوار: ج۹۰، ص۲۹۴ باب ۱۶



امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

☆ ”اَعْلَمُ النَّاسِ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ اَكْثَرُهُمْ لَهُ مَسْأَلَةً“ ”خداوند عالم کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ ہے جو اس کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ دعا کرتا ہے۔“(۱)

☆ ”اَلدُّعَاءُ مِفْتَاحُ الرَّحْمَةِ وَمِصْبَاحُ الظُّلْمَةِ“ ”دعا رحمت الٰہی کے خزانہ کی کنجی اور ظلمت کا چراغ ہے۔“(۲)

☆ ”مَنْ قَرَعَ بَابَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ فُتِحَ لَهُ“ ”جو دروازۂ الٰہی پر دستک دے گا اس کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔“(۳)

☆ ”اَلدُّعَاءُ اَنْفَذُ مِنَ السِّنَانِ“ ”دعا نیزہ سے بھی زیادہ کارگر ہوتی ہے۔“(۴)

## ۳۔ زیارت اولیاء

ہر انسان دوسروں سے کچھ نہ کچھ سماجی تعلقات رکھتا ہے جن کے باعث وہ ایک دوسرے سے میل جول رکھتے ہیں اور ملاقات کرتے رہتے ہیں. اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انسان کسی بھی قلبی جذبہ یا محبت آمیز رویہ کی بنا پر کسی سے زیادہ مانوس ہوتا ہے اور پھر اسی محبت ودوستی کے اظہار کے لئے اس سے ملتا رہتا ہے ایسے سماجی روابط اسی وقت پیدا ہوتے ہیں کہ جب ان کے درمیان کوئی نقطہ مشترک ہو. بسا اوقات نظریاتی یا سیاسی ہم آہنگی کی بنیاد پر بھی یہ تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگ فکری یا مادی فائدہ کے تحت ایک دوسرے سے ملاقات کیا کرتے ہیں۔

(۱) غرر الحکم: ص۱۹۲، حدیث ۳۷۳۴
(۲) بحار الانوار: ج۹۰، ص۳۰۰ باب ۱۶
(۳) غرر الحکم ص۱۹۳
(۴) بحار الانوار: ج۹۰، ص۲۹۵ باب ۱۶

مختصر الفاظ میں ملاقات اور زیارت کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں:

۱۔ محبت ومودت اور دوستی کا اظہار

۲۔ جماعت یا پارٹی کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنا

۳۔ معنوی یا مادی فوائد

مذہبی دنیا میں لوگ اپنے مذہبی قائدین نیز متقی اور پرہیزگار علماء سے بھی اسی بنیاد پر تعلقات رکھتے ہیں کیونکہ یہ حضرات دینی معاملات کی زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اور ان پر زیادہ عمل پیرا ہونے کی وجہ سے عام افراد کی بہ نسبت خدا سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

ایسے افراد سے محبت وعقیدت کا اظہار درحقیقت ان کے اندر موجود خدا کی محبت اور دین کی عظمت کا اظہار واعتراف ہوتا ہے اسی طرح متقی، صالح اور خدا کے منتخب بندوں سے ملاقات کا مقصد اپنی روحانی تشنگی دور کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے تحت اولیاء الٰہی سے ملاقات کو ''زیارت'' کہا جاتا ہے۔

اگرچہ اولیاء الٰہی اور صالح علماء کی زیارت کا بھی ہر زمانہ میں بلند درجہ ہے لیکن سب سے بہتر اور برتر زیارت خود پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی زیارت ہے چنانچہ خوش نصیب ہیں وہ افراد جن کو حیات معصومین علیہم السلام میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا کیونکہ یقیناً وہ بہت بڑی سعادت سے شرفیاب ہوئے ہیں لیکن عہد معصومین علیہم السلام کے بعد زندگی گذارنے والوں کو بھی اس سعادت سے محروم نہیں رکھا گیا بلکہ انسان معصومین علیہم السلام کے مشاہد مشرفہ کی زیارت کر کے اپنی روحانی اور معنوی تشنگی بجھا سکتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''مَنْ زَارَنِي حَيّاً أَوْ مَيِّتاً كُنْتُ لَهُ شَفِيعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ''میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد جو بھی میری زیارت کرے گا میں روز قیامت اس کی شفاعت کروں گا۔''(۱)

(۱) بحار الانوار: ج ۹۷، ص ۱۳۹، باب ۱



آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَرْضِ أُبْلِغْتُهُ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ عِنْدَ الْقَبْرِ سَمِعْتُهُ'' ''روئے زمین پر کوئی کہیں سے بھی مجھے سلام کرتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں اور جو میری قبر کے نزدیک مجھے سلام کرتا ہے تو میں اس کا سلام سنتا ہوں۔''(۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''إِذَا حَجَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَخْتِمْ حَجَّهُ بِزِيَارَتِنَا لِأَنَّ ذٰلِكَ مِنْ تَمَامِ الْحَجِّ'' ''جب حج کرو تو حج کا اختتام ہماری زیارت پر کرو کیونکہ یہ تکمیل حج کی علامت ہے۔''(۲)

صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''مَنْ زَارَنَا فِي مَمَاتِنَا فَكَأَنَّمَا زَارَنَا فِي حَيَاتِنَا'' ''ہماری موت کے بعد ہماری زیارت کرنے والا ہماری زندگی میں ہماری زیارت کرنے والے کے مانند ہے۔''(۳)

لہٰذا مومن روئے زمین پر کہیں بھی رہتا ہو اس کے لئے مناسب وضروری ہے کہ قلب و روح کی گہرائی کے ساتھ پیغمبر ﷺ کی جانب متوجہ ہو کر آپ کی بارگاہ میں سلام وتحیت کا نذرانہ پیش کرے اسی طرح ائمہ اطہار علیہم السلام کی بھی زیارت کرے کہ یہ عمل رسول اکرم ﷺ اور آپ کی آل پاک سے محبت کا اظہار اور ان کے دشمنوں سے نفرت وبیزاری کا اعلان ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کی عترت ہی خدا کی بارگاہ میں ہمارا وسیلہ اور روز قیامت ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔

(۱) بحار الانوار: ج ۹۷، ص ۱۸۲، باب ۳

(۲) بحار الانوار: ج ۹۷، ص ۳۹، باب ۱

(۳) بحار الانوار: ج ۹۷، ص ۱۲۴، باب ۲

## سبق کا خلاصہ:

انسانی خلقت کا مقصد منزل کمال تک پہونچنا ہے اور خالق کی عبادت وبندگی کے بغیر منزل کمال تک رسائی ممکن نہیں ہے چونکہ دعا کے ذریعہ انسان خدائے بے نیاز کے سامنے اپنے فقرو احتیاج کا اظہار کرتا ہے لہذا دعا کے موقع پر عبودیت وبندگی مجسم ہوکر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اسی بنا پر اسلامی علوم میں دعا کا درجہ بہت بلند ہے۔

اسی طرح منزل کمال تک پہونچنے کے لئے اولیاء الٰہی خصوصاً پیغمبر اکرم ﷺ اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی زیارت بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

## سوالات:

۱۔ حدیث پیغمبر اکرم ﷺ میں دعا کو عبادت کی جان کیوں کہا گیا ہے؟

۲۔ فقرواحتیاج اور عبودیت وعبادت میں کیا رابطہ ہے؟

۳۔ احادیث کی روشنی میں دعا کے آثار بیان کیجئے؟

۴۔ لوگوں کے درمیان باہمی میل جول اور ملاقات کے مقاصد کیا ہوسکتے ہیں؟

۵۔ اولیاء الٰہی کی زیارت کے فوائد ونتائج بیان کیجئے؟

# اٹھائیسواں سبق

# دعا وزیارت کے کچھ آداب اور شرائط

دعا وزیارت کے بھی کچھ آداب وشرائط ہیں لہذا ہر دعا کرنے والے اور زائر کو ان کا خیال رکھنا چاہیئے اس سبق میں ہم چند آداب ذکر کررہے ہیں۔

## الف: آداب دعا

### ۱۔ معرفت پروردگار

دعا کرنے والے کے دل میں معرفت پروردگار ہونا چاہئے یعنی اسے یہ معلوم ہو کہ خدا ہر شے پر قادر ہے اور اسی کی ذات تمام اشیاء کا سرچشمہ ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "یَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ سَئَلَنِي وَهُوَ يَعْلَمُ اَنِّي اَضُرُّ وَاَنْفَعُ اَسْتَجِيبُ لَهُ" "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ جو یہ علم ویقین رکھتے ہوئے مجھ سے سوال کرے کہ میں ہی نفع، نقصان پہونچاتا ہوں میں اس کی دعا کو قبول کر لیتا ہوں۔"(۱)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں

---

(۱) بحار الانوار ج ۹۰ ص ۳۰۵، باب ۱۷

عرض کی آخر کیا بات ہے ہم دعائیں کرتے ہیں مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ آپ نے فرمایا: "لِأَنَّكُمْ تَدْعُوْنَ مَنْ لَا تَعْرِفُوْنَهُ" "اس لئے کہ تم اسے پکارتے ہو جسے پہچانتے نہیں ہو۔"(۱)

## ۲۔امید ورجاء

گذشتہ سبق میں ہم نے پروردگار عالم کا یہ قول نقل کیا تھا: ﴿وَادْعُوْهُ خَوْفاً وَطَمَعاً اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یہاں پر طمع سے مراد یہ ہے کہ انسان ذات پروردگار سے امید رکھے اور اسے اطمینان ہو کہ پروردگار سمیع ومجیب ہے پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں: "اُدْعُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ" "اس یقین کے ساتھ اللہ سے دعا مانگو کہ وہ قبول کرے گا۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "اِذَا دَعَوْتَ فَظُنَّ أَنَّ حَاجَتَكَ بِالْبَابِ" "جب دعا کرو تو قبولیت کا یقین رکھو۔"(۳)

## ۳۔غیر اللہ سے قطع امید

جو شخص پروردگار کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے اسے دوسرے تمام اسباب سے امیدیں منقطع کر لینا چاہئے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ "اِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ لَا يَسْأَلَ رَبَّهُ شَيْئاً إِلَّا أَعْطَاهُ فَلْيَيْأَسْ مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ وَلَا يَكُوْنُ لَهُ رَجَاءٌ إِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ فَإِذَا عَلِمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ذٰلِكَ مِنْ قَلْبِهِ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ شَيْئاً إِلَّا أَعْطَاهُ" "اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پروردگار تمہاری ہر دعا پوری کرلے تو تمام لوگوں سے مایوس ہو کر صرف اللہ کی ذات کو مرکز امید قرار دو جب تمہاری اس قلبی کیفیت کو خدا جان لے گا تو پھر تم جو بھی طلب کروگے اللہ اسے پورا کردے گا۔"(۴)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ج ۱۱، ص ۲۳۰
(۲) بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۰۵، باب ۱۷
(۳) اصول کافی: ج ۲، ص ۴۷۳
(۴) اصول کافی ج ۲، ص ۱۴۸



## ۴۔حضور قلب

دعا کے لازمی اور ضروری آداب میں حضور قلب بھی ہے یعنی زبان پر جاری ہونے سے پہلے دل میں بھی وہی دعا ہو اور دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان تک آئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً بِظَهْرِ قَلْبٍ سَاهٍ فَإِذَا دَعَوْتَ فَأَقْبِلْ بِقَلْبِكَ ثُمَّ اسْتَيْقِنْ بِالْاِجَابَةِ" "بد دلی سے کی جانے والی دعا کو خداوند عالم قبول نہیں کرتا ہے لہٰذا اگر دعا مانگنا ہے تو دل سے خدا کی جانب متوجہ رہو اور یہ یقین بھی رکھو کہ وہ قبول کرے گا۔"(۱)

## ۵۔تضرع اور رقت قلب

رقت قلب اور تضرع کی حالت سے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان واقعاً محتاج اور ضرورت مند ہے لہٰذا جب یہ کیفیت پیدا ہو تو دعا مانگنا چاہئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِذَا رَقَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَدْعُ فَإِنَّ الْقَلْبَ لَا يَرِقُّ حَتّٰى يَخْلُصَ" "جب کسی پر رقت قلب طاری ہو تو دعا مانگے اس لئے کہ اس موقع پر دل میں خلوص پایا جاتا ہے۔"(۲)

## ۶۔بسم اللہ سے ابتداء کرنا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے: "لَا يُرَدُّ دُعَاءٌ أَوَّلُهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" "ایسی دعا رد نہیں کی جاتی جس کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہو۔"(۳)

اور یوں بھی بنیادی طور پر ہر عمل کی ابتداء "بسم اللہ" سے ہی کرنا چاہئے۔

---

(۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۴۷۳
(۲) اصول کافی ج ۲، ص ۴۷۷
(۳) بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۱۳، باب ۱۷

## ۷۔ حمد وثنائے الٰہی

دعا سے پہلے حمد وثنائے الٰہی، خدا کی عظمت وجلالت اور دیگر صفات خدا کا تذکرہ کرنا چاہیئے. امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''كُلُّ دُعَاءٍ لَايَكُوْنُ قَبْلَهُ تَمْجِيْدٌ فَهُوَ أَبْتَرٌ'' ''جس دعا سے پہلے حمد الٰہی نہ ہو وہ ابتر (مقطوع اور ادھوری) ہے۔(۱)

## ۸۔ نبیؐ وآل نبیؑ پر درود وسلام

حمد وثنائے الٰہی اور ذکر خدا کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاکؑ پر درود وسلام بھیجنا چاہیئے. پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''صَلَاتُكُمْ عَلَيَّ إِجَابَةٌ لِدُعَائِكُم وَزَكَاةٌ لِأَعْمَالِكُمْ'' ''مجھ پر صلوات بھیجنا تمہاری دعاؤں کی قبولیت اور اعمال کی پاکیزگی کا سبب ہے۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''لَا يَزَالُ الدُّعَاءُ مَحْجُوْباً عَنِ السَّمَاءِ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ'' ''جب تک نبی اور آل نبی پر صلوات نہ بھیجی جائے دعا آسمان تک نہیں پہونچتی۔''(۳)

## ۹۔ نبیؐ وآل نبیؑ سے توسل

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت اطہار علیہم السلام رحمت وفیضان الٰہی کا وسیلہ ہیں اور انہیں خدا کی بارگاہ میں حق شفاعت حاصل ہے۔

لہٰذا اپنی دعائیں قبول کرانے کے لئے ان سے توسل کرنا چاہئے انہیں وسیلہ بنانا چاہئے اور

(۱) بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۱۷، باب ۱۷

(۲) بحار الانوار: ج ۹۱، ص ۵۴، باب ۲۹

(۳) بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۱۲، باب ۱۷



خدا کو ان کی عظمت وجلالت اور ان کے حق کا واسطہ دیکر انہیں اپنا شفیع بنانا چاہئے۔

## ۱۰۔ اعتراف گناہ

دعا مانگنے سے پہلے انسان کو اپنی عاجزی، ناتوانی، گناہوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنا چاہیئے اور اس اعتراف کے ساتھ ان پر ندامت بھی ہونا چاہیئے. امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اِنَّهُ وَاللّٰهِ مَا خَرَجَ عَبْدٌ مِنْ ذَنْبٍ اِلَّا مَا لْاِقْرَارِ'' ''خدا کی قسم کوئی بھی انسان اقرار کے بغیر گناہوں سے پاک نہیں ہوسکتا۔''(۱)

## ۱۱۔ پاک اور حلال غذا

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے ''فَمِنْكَ الدُّعَاءُ وَعَلَيَّ الْاِسْتِجَابَةُ فَلَا تَحْتَجِبُ عَنِّيْ دَعْوَةٌ إِلَّا دَعْوَةُ آكِلِ الحَرَامِ'' ''دعا کرنا تیرا کام ہے قبول کرنا میری ذمہ داری ہے لقمۂ حرام کھانے والے کے علاوہ میں کسی کی دعا رد نہیں کرتا۔''(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''مَنْ أَحَبَّ اَنْ يُسْتَجَابَ دُعَاؤُهُ فَلْيُطَيِّبْ مَطْعَمَهُ وَكَسْبَهُ'' ''جو اپنی دعائیں قبول کرانا چاہتا ہے اس کی غذا اور کسب معاش طیب وطاہر ہونا چاہیئے۔''(۳)

## ۱۲۔ دعا پر اصرار

دعا پر اصرار کرتے رہنا چاہیئے اور دعا مانگنے سے تھکنا نہیں چاہیئے اور جتنا ممکن ہو گڑگڑانا چاہیئے. گڑگڑانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کو ہی اول وآخر سمجھتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ صرف پروردگار ہی میری حاجتیں پوری کرے گا اور وہی میری مشکلات برطرف کرسکتا ہے۔

(۱) اصول کافی: ج ۲ ص ۴۲۸

(۲) نجدۃ الداعی: ص ۱۳۹

(۳) بحار الانوار: ج ۹۰ ص ۳۷۲ باب ۲۴

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُلِحِّينَ فِي الدُّعَاءِ "خداوند عالم دعا میں گڑگڑانے والوں سے محبت کرتا ہے۔"(۱)

## ۱۳۔ اجتماعی شکل میں دعا

جب دعا مانگنا ہو اور اپنی حاجتوں کا اظہار مقصود ہو تو اپنے گھر والوں یا دوستوں کو جمع کر کے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا چاہیئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "كَانَ أَبِي إِذَا أَحْزَنَهُ أَمْرٌ جَمَعَ النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ ثُمَّ دَعَا وَأَمَّنُوا" "میرے پدر بزرگوار جب محزون ہوتے تھے تو عورتوں اور بچوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیتے تھے اور پھر دعا فرماتے اور سب لوگ آمین کہتے تھے۔"(۲)

## ۱۴۔ دعا کے ساتھ عمل بھی

توکل اور تواکل میں فرق ہے۔ توکل کا مطلب ہے کہ انسان عمل کرے اور ساتھ ہی ساتھ مشیت الٰہی پر ایمان و یقین بھی رکھے اس کے برخلاف تواکل یہ ہے کہ مشکلات برطرف ہونے کے لئے صرف خدا کو پکارتا رہے اور خود کچھ نہ کرے یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے۔ دعا کرنے والے پر فرض ہے کہ میدان عمل میں بھرپور کوشش اور جدوجہد کرے اور پھر اللہ پر توکل کرے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلدَّاعِي بِلَا عَمَلٍ كَالرَّامِي بِلَا وَتَرٍ" "عمل کے بغیر پکارنے والا کمان کے بغیر تیر چلانے والے کے مانند ہے۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج۹۰، ص۳۰۰، باب ۱۶

(۲) اصول کافی: ج۲، ص۴۸۷

(۳) نہج البلاغہ: حکمت ۳۳۷



## ۱۵۔ بارگاہ الٰہی میں حاجات پیش کرنا

بارگاہ الٰہی میں حاجات پیش کرنے کے لئے اہلبیت عصمت وطہارت علیہم السلام سے منقول و ماثور دعاؤں کا سہارا لینا چاہیئے اس لئے کہ معصومین کی دعاؤں میں آداب دعا اور حسن بیان کے علاوہ اصول تربیت اور تزکیۂ نفس کا سامان بھی پایا جاتا ہے جن میں دعائے کمیل، دعائے صباح، دعائے ابوحمزۂ ثمالی اور مناجات شعبانیہ وغیرہ معروف دعائیں ہیں۔

دعا کے اور بھی آداب ہیں جیسے باطہارت و باوضو ہونا، قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنا، مناسب جگہ اور وقت کا انتخاب۔

# ب: آداب زیارت

## ۱۔ غسل و نظافت

۱۔ ائمۂ معصومین علیہم السلام کی زیارت سے قبل غسل کرنا، پاک و صاف ہونا مستحب ہے اسی طرح زیارت کے وقت باوضو ہونا اور پاک و صاف لباس پہننا مستحب ہے۔

## ۲۔ زیارت پڑھتے وقت قبلہ رخ ہونا۔

## ۳۔ باادب رہنا۔

زائر کے لئے ادب واحترام کا پاس ولحاظ ضروری ہے جس کی زیارت کر رہا ہے اس کے حضور تواضع وانکساری کا انداز اپنائے اور اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ گویا خود انہیں حضرت کے سامنے کھڑا ہے۔

## ۴۔ ماثور زیارت پڑھنا

اگر چہ سلام وتحیت کافی ہے مگر روایات میں جو معتبر (منصوص اور ماثور) زیارات ہیں انہیں

زیارتوں کو پڑھنا چاہیئے۔

### ۵۔ نماز زیارت

زائر کے لئے دو رکعت نماز زیارت پڑھنا مستحب ہے یہ خیال رہے کہ یہ استحباب زیارت ائمہ کے لئے ہے۔

### ۶۔ تلاوت قرآن

قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور جس کی زیارت کر رہا ہے اس کی خدمت میں اس تلاوت کا ثواب ہدیہ کرنا مستحب ہے۔



## سبق کا خلاصہ:

دعا کرنے والے کو اتنی معرفت ہونا چاہیئے کہ جسے وہ پکار رہا ہے اور جو اس کی دعا قبول کرنے والا ہے وہ خدائے عز و جل ہے اسی کے ساتھ دعا کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ ذات پروردگار کے علاوہ ہر ایک سے امیدیں منقطع کر لے دعا کے ساتھ تضرع و زاری بھی ہونا چاہیئے اور دل کی گہرائیوں سے خدا کی جانب متوجہ ہو. دعا سے پہلے ذکر حمد و ثنائے الٰہی کرے اور محمد و آل محمدؐ پر درود و سلام بھیجے اور مسلسل دعا کرتا رہے گڑگڑانا بھی دعا کے آداب میں شامل ہے. دعا کے وقت اپنی کمزوری اور عاجزی نیز گناہوں کا اعتراف اور انہیں ترک کرنے کا عزم کرے. دعا کے لئے محمد و آل محمد علیہم السلام کو وسیلہ بنانا بھی آداب دعا کا جزء ہے اس لئے کہ معصومین علیہم السلام کی شفاعت یقیناً قبول ہوتی ہے۔

## سوالات:

۱۔ دعا کے لئے معرفت پروردگار کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ دعا کرنے والے کا انداز کیا ہونا چاہیئے؟

۳۔ دعا کرنے والے کے لئے غیر اللہ سے امید توڑ لینا کیوں ضروری ہے؟

۴۔ دعا سے پہلے کیا چیزیں ضروری ہیں؟

۵۔ محمد و آل محمد علیہم السلام کا وسیلہ کیوں درکار ہے؟

۶۔ کن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ احادیث کی روشنی میں بیان کیجئے؟

# انتیسواں سبق

## سفر: مقاصد اور فوائد

ہر انسان کسی نہ کسی سبب اور مقصد کے تحت سفر کرتا ہے سفر کے مقاصد صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی. دوسری بات یہ کہ سفر کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہی نہیں بلکہ دوسروں سے بھی ہوتا ہے لہذا اسلام نے سفر کے بارے میں دو اعتبار سے گفتگو کی ہے۔

۱۔شرعی نقطہ نظر سے

۲۔اخلاقی اعتبار سے

شرعی اعتبار سے موضوع بالکل واضح ہے اور اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ سفر کا مقصد جائز وحلال ہے یا حرام؟ اور پھر اسی لحاظ سے اس پر نماز روزہ وغیرہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔

اخلاقی اعتبار سے سفر آپسی تعلقات کے دائرہ میں آتا ہے مثلاً رفیق سفر کیسا ہونا چاہئے؟ سفر میں اپنے طور پر یا دوسروں کے ساتھ خصوصاً ساتھیوں کے ساتھ کن آداب کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔

اس درس میں ہم احادیث کی روشنی میں سفر کے جائز مقاصد اور فوائد ونتائج کا تذکرہ کریں گے. آداب سفر انشاء اللہ... آئندہ درس میں بیان کئے جائیں گے۔

# سفر کے جائز مقاصد

## ۱۔ حصول علم ومعرفت

سفر کے جائز مقاصد میں حصول علم سرفہرست ہے۔ سفر کا مقصد اگر دینی علوم اور معارف الٰہی حاصل کرنا ہو تو یہ نہایت باعظمت اور اعلیٰ مقصد ہے۔

سفر کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی دو راہیں ہیں: انسان روئے زمین پر آثار کائنات میں غور وخوض کرے مختلف اقوام اور گذشتہ امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے اور خداوند عالم کی نعمتوں اور نشانیوں کے مشاہدہ کی غرض سے سیر وگردش کرے۔

یا پھر ایسے شہر کا رخ کرے جہاں بزرگ علماء زندگی بسر کرتے ہوں وہ شہر مرکز علم ہو تو ایسے شہر کی جانب حصول علم کے لئے سفر کرنا بھی قابل مدح وستائش ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ''آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ خدا نے کس طرح خلقت کا آغاز کیا ہے اس کے بعد وہی آخرت میں دوبارہ ایجاد کرے گا بیشک وہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔''(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾(۲)

گذشتہ امتوں کی سرگزشت سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ ﴿فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ ''تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔''(۳)

---

(۱) سورۂ عنکبوت آیت ۲۰
(۲) سورۂ حج آیت ۴۶
(۳) سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۷



نیز خداوند عالم کا ارشاد ہے: ''أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ ''کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے زیادہ زبردست قوت رکھنے والے تھے اور زمین میں آثار کے مالک تھے پھر خدا نے انہیں ان کے گناہوں کی گرفت میں لے لیا اور اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی بچانے والا نہیں تھا۔''(۱)

مذکورہ آیات کی مانند دیگر آیات بھی سفر اور سیر وسیاحت کے دو مقاصد بیان کرتی ہیں:

۱۔ عالم طبیعت میں غور وفکر اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی ان بے شمار نشانیوں کا مشاہدہ جو خالق کی عظمت اور بندوں پر اس کی رأفت ورحمت کا پتہ دیتی ہیں۔

۲۔ گذشتہ امتوں اور اقوام کے آثار اور ان کے بادشاہوں کے ذریعہ تعمیر کئے گئے قلعے، محلات، یا ان کھنڈرات کو دیدۂ عبرت سے دیکھ کر گذشتہ تاریخ سے سبق اور نصیحت حاصل کرنا اور جادۂ حق وصراط مستقیم تلاش کرنا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَرْجِعَ'' ''طلب علم کے لئے گھر سے نکلنے والا راہ خدا میں رہتا ہے یہاں تک کہ واپس آجائے۔''(۲)

آپ کا ارشاد گرامی ہے ''مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ بِهِ عِلْماً سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقاً إِلَى الْجَنَّةِ'' ''جو شخص طلب علم کے لئے راستہ طے کرتا ہے اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔''(۳)

---

(۱) سورۂ غافر آیت ۲۱
(۲) ترمذی ج ۱۰
(۳) منیۃ المرید ص ۱۰۲

## ۲۔ دین کی حفاظت

اگر وطن میں رہ کر دینی احکام پر عمل اور عقیدہ کی حفاظت ناممکن ہو جائے تو سفر کرنا ضروری ہے اور انسان کے اوپر ہجرت واجب ہو جاتی ہے ظالم اور سرکش افراد کا جبر و استبداد دین کی نابودی اور عقیدہ سے دست برداری کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے بلکہ ایسے مواقع پر ہر مسلمان کے لئے لازم و واجب ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر ایسے مقام پر چلا جائے جہاں دینی احکام اور مذہبی رسوم کی پابندی ممکن ہو خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا﴾ ''جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حال میں اٹھایا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں کمزور بنا دیئے گئے تھے ملائکہ نے کہا کہ کیا زمین خدا وسیع نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے۔''(۱)

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے دین اور عقیدے کی حفاظت کے لئے ہجرت کرنے والے مومنین کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے. ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِراً إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾(۲) ''اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کر خدا اور اسکے رسول کی طرف نکل پڑے کہ اسے موت آجائے تو اسکا اجر خدا کے ذمہ ہے۔''

## ۳۔ حج و زیارت

اگر انسان مستطیع ہو تو زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ الحرام بجالانا واجب ہے. استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ مکہ تک آمد و رفت کا خرچ موجود ہو۔ اور جسمانی طور پر بھی کوئی عذر

(۱) سورۂ نساء: آیت ۹۷
(۲) سورۂ نساء: آیت ۱۰۰



یا مانع نہ ہو. اس طرح اگر فریضۂ حج کی ادائیگی، حرم پیغمبر ﷺ اور قبور ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے لئے سفر کیا جائے تو یہ مقصد بھی نہایت بلند اور اعلی ہے۔

## ۴۔ لقمۂ حلال کی تلاش

سفر کے جائز اغراض و مقاصد میں لقمۂ حلال کی تلاش بھی ہے اسی طرح تفریح طبع کی خاطر سفر بھی مطلوب ہے بشرطیکہ انسان حرام میں مبتلا نہ ہو. امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ''مَكْتُوبٌ فِي حِكْمَةِ آلِ دَاوُدَ علیہ السلام لَا يَظْعَنُ الرَّجُلُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: زَادٍ لِمَعَادٍ أَوْ مَرَمَّةٍ لِمَعَاشٍ أَوْ لَذَّةٍ فِي غَيْرِ مُحَرَّمٍ'' آل داؤد کی حکمت میں یہ تحریر تھا کہ تین کاموں کے علاوہ انسان سفر نہ کرے۔ ۱۔ توشۂ آخرت ۲۔ کسب معاش ۳۔ غیر حرام لذتیں حاصل کرنے کے لئے۔(۱)

## سفر کے فوائد

سفر کے فوائد و نتائج کے بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''سَافِرُوا تَصِحُّوا، سَافِرُوا تَغْنَمُوا'' ''سفر کرو صحت مند ہو جاؤ گے. سفر کرو فوائد حاصل کرو گے۔''(۲)

آپ کا ارشاد گرامی ہے: ''سَافِرُوا فَإِنَّكُمْ إِنْ لَمْ تَغْنَمُوا مَالاً أَفَدْتُمْ عَقْلاً'' ''سفر کرو کیونکہ اگر مال ہاتھ نہ بھی آیا تو عقل میں اضافہ ہوگا۔''(۳)

نیز آپ سے منقول ہے: ''سَافِرُوا تَصِحُّوا وَتُرْزَقُوا'' ''سفر کرو کہ سفر صحت اور رزق

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۲۲۱، باب ۴۵
(۲) گذشتہ حوالہ
(۳) مکارم الاخلاق ص ۲۴۰

کا موجب ہے۔"(۱)

امیرالمومنین حضرت علیؑ سے منسوب اشعار ہیں جن کا مضمون یہ ہے:

تَغَرَّبْ عن الْاَوْطانِ فی طلب الْعُلی     وَسافِرْ فَفِی الْاَسْفَارِ خَمْسُ فَوَائِدَ

تَفَرُّجُ هَمٍّ و اكْتِسابُ مَعِيشَةٍ     وَ عِلْمٌ و آدَابٌ وَ صُحْبَةُ مَاجِدِ

"وطن کو چھوڑ کے نکلو تو آگہی کے لئے     سفر میں پانچ فوائد ہیں آدمی کیلئے

ملے گا علم وادب، ہم نشینی دانا کی     مٹاؤ غم کو، چلو کسب زندگی کیلئے "(مترجم)

اس طرح سفر تقویت روح اور کثرت علم کا ذریعہ ہوتا ہے۔ سفر کے ذریعہ وسیع رزق میسر ہوتا ہے مختلف اقوام وقبائل کے آداب ورسوم سے آگاہی ہوتی ہے۔ تجارت اور کسب حلال کے امکانات سامنے آتے ہیں اور سفر کے ذریعہ ہی ایک مبلغ کو تبلیغ کا موقع ملتا ہے مبلغ سفر کے بعد مختلف جگہوں اور معاشروں کو ہدایت کی روشنی دکھا کر انہیں اسلام کے راستہ پر لاسکتا ہے اور اس سفر سے مبلغ کو کتنا اجر ملنے والا ہے اسے صرف خدا ہی جانتا ہے۔

(۱) کنز العمال حدیث ۱۷۴۶۹

(۲) مولائے کائنات سے منسوب دیوان ص ۱۳۹، مستدرک الوسائل ج ۸، ص ۱۱۵



## سبق کا خلاصہ:

اسلام کی نگاہ میں سفر کے جائز مقاصد یہ ہیں تعلیم، دین اور عقیدہ کی حفاظت، حج بیت اللہ و زیارت قبر پیغمبرؐ وائمہ طاہرینؑ رزق حلال کی تلاش، حرام چیزوں سے پرہیز کے ساتھ تفریح طبع۔

## سوالات:

۱۔ معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے سفر کی کتنی صورتیں ہوسکتی ہیں؟

۲۔ قرآن مجید کس قسم کا سفر کرنے کے لئے زور دیتا ہے؟

۳۔ کچھ لوگ ظلم کا شکار ہو کر ظالموں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے..... یہ تذکرہ کس آیت میں ہے؟ آیت بیان کیجئے اور مختصر تشریح بھی کیجئے؟

۴۔ امام جعفر صادقؑ کی حدیث کی روشنی میں ہجرت کے اسباب کیا ہیں؟

۵۔ انسان سفر سے کیا فوائد حاصل کرسکتا ہے؟

# تیسواں سبق

## سفر کے آداب

مسافر کی ذمہ داری ہے کہ سفر کے دوران سفر سے متعلق آداب وشرائط اور اخلاقیات کا لحاظ رکھے۔

### ۱۔ رفیق سفر کا انتخاب

جہاں تک ممکن ہو سکے انسان کو اکیلے سفر نہیں کرنا چاہیئے اور سفر کے لئے رفیق اور ساتھی تلاش کرنا چاہئے. کیونکہ رفیق سفر کی موجودگی میں راستہ کی تنہائی اور وحشت کے بجائے انس ومحبت کی کیفیت محسوس کرتا رہے گا کبھی سفر میں مشکلات کا سامنا ہو جائے تو ایسے حالات میں کسی ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس کی مدد کر سکے. ان باتوں کے علاوہ تنہا سفر کرنے کے باعث کبھی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ کا یہ قول نقل فرمایا ہے: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ: مَنْ سَافَرَ وَحْدَهُ وَمَنَعَ رِفْدَهُ وَضَرَبَ عَبْدَهُ" "کیا میں تمہیں بدترین افراد سے مطلع نہ کروں؟ لوگوں نے عرض کیا، اے خدا کے رسول ضرور مطلع فرمائیں. پیغمبر ﷺ نے فرمایا. بدترین انسان وہ ہے جو تنہا سفر کرے، اپنے ساتھیوں سے دریغ کرتا



ہو اور اپنے غلام کو مارتا ہو۔(۱)

آپ ہی سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ: "لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثَلَاثَةً: اَلْآكِلُ زَادَهُ وَحْدَهُ وَالنَّائِمُ فِي بَيْتٍ وَحْدَهُ وَالرَّاكِبُ فِي الْفَلَاةِ وَحْدَهُ" رسول مقبول ﷺ نے تین لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے. ۱۔ جو اپنے توشہ سفر کو تنہا کھائے ۲۔ گھر میں اکیلا سوئے ۳۔ صحرا میں اکیلا سفر کرے۔(۲)

اسی سلسلہ میں امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں. "اَلرَّفِيْقُ قَبْلَ الطَّرِيْقِ" یعنی راہ سے پہلے ہمراہ تلاش کرو۔(۳)

لہذا بہترین رفیق سفر کا انتخاب ضروری ہے. اچھا اور بہترین رفیق وہ ہے جو اپنے اخلاق و کردار سے تمہیں متاثر کرے اور تمہارے اخلاق و کردار سے متاثر ہو اس طرح دونوں کے کردار میں نکھار آئے گا۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "لَا تَصْحَبَنَّ فِي سَفَرٍ مَنْ لَا يَرىٰ لَكَ مِنَ الْفَضْلِ عَلَيْهِ كَمَا تَرىٰ لَهُ عَلَيْكَ" "سفر میں اس کے ساتھ ہرگز نہ رہو کہ تم اس کی جتنی عزت کرتے ہو وہ تمہاری اتنی عزت کا بھی قائل نہ ہو۔"(۴)

### ۲۔ حقوق کی ادائیگی

جو شخص سفر کا قصد رکھتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ذمہ جو حقوق ہیں مثلاً قرض وغیرہ

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲، ص۲۷۹

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ ج۲، ص۲۷۷

(۳) بحار الانوار: ج۷۳، ص۲۲۹، باب۴۷

(۴) من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲، ص۲۷۸

انہیں ادا کرے پھر سفر کے لئے نکلے. اور اگر ادا کرنا ممکن نہ ہو تو واجب ہے کہ تحریری شکل میں وصیت کرے تاکہ بعد میں اس کے مال سے ان حقوق کو ادا کیا جاسکے. حقوق الناس کے مانند سفر سے پہلے حقوق اللہ بھی ادا کرنا چاہئیں۔

## ۳۔لوازمات سفر

سفر سے پہلے ہی اس کے لوازمات اور ضروریات فراہم کر لینا چاہئیں اور ضروری سازوسامان کے بغیر سفر کرنا مناسب نہیں ہے. ضروریات سفر کے بغیر اگر سفر کرے گا تو ایسی صورت میں یا تو خود زحمتیں اور پریشانیاں اٹھائے گا یا پھر اپنے ساتھیوں پر بوجھ بن جائے گا اور ان کی نظروں میں اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے گی. رسول مقبول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مِنْ شَرَفِ الرَّجُلِ اَنْ يُطَيِّبَ زَادَهُ إذَا خَرَجَ فِي سَفَرٍ" انسان کی شرافت وعظمت اسی میں ہے کہ جب سفر کے لئے جائے تو مناسب زاد سفر اپنے ساتھ لیکر جائے۔(۱)

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے: "مِنَ السُّنَّةِ إذَا خَرَجَ الْقَوْمُ فِي سَفَرٍ أنْ يُخْرِجُوا نَفَقَتَهُمْ فَإنَّ ذٰلِكَ أطْيَبُ لِأنْفُسِهِمْ وَأحْسَنُ لِأخْلاقِهِمْ" "جب کوئی قوم یا کاروان سفر کے لئے نکلے تو سب کے لئے مستحب ہے کہ اپنا ہزینہ سفر نکال کر جدا کردیں اس میں ان کی بہتری ہے اور یہ ان کے حسن اخلاق کے لئے موزوں ہے۔"(۲)

یہ نکتہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور سماجی تعلقات اور اخلاقیات کی بنیاد ہے کہ جب تمام رفقائے سفر اپنا زاد راہ آپس میں برابر سے تقسیم کرلیں گے تو کسی کے اوپر بوجھ نہیں پڑے گا جس سے ان کا اخلاق سنور جائے گا اور آپسی احترام ومحبت میں اضافہ ہوگا۔

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲،ص۲۸۱

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲،ص۲۷۸



## ۴۔دعا وذکر خدا

سفر سے پہلے دعا اور ذکر خدا کرنا چاہئے یہ چیز صرف سفر سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلامی آداب کے مطابق ہر عمل کا آغاز دعا اور یاد خدا سے ہونا چاہئے. مسافر کے لئے سورۂ حمد، آیۃ الکرسی، اور سفر کے بارے میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول دعا پڑھنا مستحب ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ سفر کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ خَلِّ سَبِيْلَنَا وَأحْسِنْ مَسِيْرَنَا وَأعْظِمْ عَافِيَتَنَا"(۱) "خدایا ہمارے راستہ کو ہموار، سفر کو بہترین اور ہماری سلامتی کو زیادہ کردے۔"

رکاب میں قدم رکھتے وقت اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرماتے تھے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ﴾ "پاک وبے نیاز ہے وہ خدا جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کردیا ہے ورنہ ہم اس کو قابو میں لاسکنے والے نہیں تھے۔"(۲)

پھر سات مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" سات مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور سات مرتبہ "لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ" کہتے تھے۔(۳)

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: "إذَا خَرَجْتَ مِنْ مَنْزِلِكَ فِي سَفَرٍ أوْ حَضَرٍ فَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إلَّا بِاللّٰهِ" "سفر کے لئے یا کسی بھی کام کے لئے گھر سے نکلو تو کہو "بِسْمِ اللّٰهِ" میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اسی پر

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲،ص۲۷۱

(۲) سورۂ زخرف: آیت ۱۳

(۳) مکارم الاخلاق

میرا اعتماد ہے جو اللہ چاہے، اس کے علاوہ کوئی قدرت وطاقت نہیں ہے۔(۱)

## ۵۔صدقہ

فقراء اور محتاجوں کو صدقہ دینا اسلامی احکام کے لحاظ سے مستحب ہے مگر ارادۂ سفر کے وقت شریعت اسلامیہ میں صدقہ نکالنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

☆ "اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ" "صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔"(۲)

☆ "اَلصَّدَقَةُ تَسُدُّ سَبْعِيْنَ بَاباً مِنَ الشَّرِّ" "صدقہ شر کے ستر دروازے بند کردیتا ہے۔"(۳)

☆ "اَلصَّدَقَةُ تَمْنَعُ سَبْعِيْنَ نَوْعاً مِنْ اَنْوَاعِ الْبَلَاءِ اَهْوَنُهَا الْجُذَامُ وَالْبَرَصُ" "صدقہ ستر قسم کی بلاؤں اور آفات کو روکتا ہے جن میں سب سے معمولی آفت جذام اور برص ہے۔"(۴)

☆ "اَلصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِيتَةَ السُّوءِ" "صدقہ بری موت سے بچاتا ہے۔"(۵)

## ۶۔مروت

سفر کے دوران تمام مسافر ایک دوسرے کا احترام کریں نیز حسن اخلاق اور مروت، شہامت کا مظاہرہ کریں اور سب لوگ برابر سے سفر کے مشکلات برداشت کریں اور ایک دوسرے کو اذیت نہ دیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "مَا اصْطَحَبَ اثْنَانِ إِلَّا كَانَ أَعْظَمُهُمَا

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ: ج۲،ص۲۷۲

(۲) بحار الانوار: ج۹۳،ص۱۳۷، باب۱۴

(۳) بحار الانوار: ج۹۳،ص۱۳۲، باب۱۴

(۴) کنز العمال: خ۱۵۹۸۲

(۵) بحار الانوار: ج۹۳،ص۱۳۰، باب۱۴



اجراً وَأَحَبُّهُمَا اِلَى اللهِ أَرْفَقُهُمَا بِصَاحِبِهِ" "جب دو انسان سفر میں ساتھ ہوتے ہیں تو زیادہ اجر کا مستحق اور عند اللہ زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اپنے ساتھی کے حق میں زیادہ مہربان ہوتا ہے۔"(۱)

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے: "وَأَمَّا الْمُرُوَّةُ الَّتِيْ فِي السَّفَرِ فَبَذْلُ الزَّادِ وَحُسْنُ الْخُلْقِ وَالْمِزَاحِ فِيْ غَيْرِ الْمَعَاصِيْ" "سفر میں مروت کا مطلب زادراہ خرچ کرنا، حسن اخلاق کا اظہار اور گناہ سے بچتے ہوئے ہنسی مذاق کرنا ہے۔"(۲)

امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: "أَمَّا مُرُوَّةُ السَّفَرِ فَبَذْلُ الزَّادِ وَقِلَّةُ الْخِلَافِ عَلَى مَنْ صَاحَبَکَ وَكَثْرَةُ ذِكْرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فِي كُلِّ مَصْعَدٍ وَمَهْبِطٍ وَنُزُولٍ وَقِيَامٍ وَقُعُودٍ" "سفر میں مروت سے مراد زادراہ خرچ کرنا، ساتھیوں کی مخالفت سے اجتناب اور ہر بلندی وپستی، ہر منزل اور اٹھتے بیٹھتے کثرت سے ذکر خدائے عزوجل کرنا ہے۔"(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "أَمَّا مُرُوَّةُ السَّفَرِ فَبَذْلُ الزَّادِ وَالْمِزَاحُ فِيْ غَيْرِ مَا يُسْخِطُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَقِلَّةُ الْخِلَافِ عَلَى مَنْ صَحِبَکَ وَتَرْکُ الرِّوَايَةِ عَلَيْهِمْ إِذَا أَنْتَ فَارَقْتَهُمْ" "سفر میں مروت یعنی زادسفر خرچ کرنا، ایسا مذاق کرنا جس سے اللہ ناراض نہ ہو، ساتھیوں کی مخالفت نہ کرنا اور جدا ہونے کے بعد ان کی برائی نہ کرنا۔"(۴)

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج۱۱،ص۴۱۲

(۲) بحار الانوار: ج۷۳،ص۲۶۶، باب۴۹

(۳) وسائل الشیعہ: ج۱۱،ص۴۳۷

(۴) وسائل الشیعہ: ج۱۱،ص۴۳۶

آپ ہی سے منقول ہے: "قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: إِذَا سَافَرْتَ مَعَ قَوْمٍ فَأَكْثِرْ اسْتِشَارَتَهُمْ فِي أَمْرِكَ وَأُمُورِهِمْ وَأَكْثِرِ التَّبَسُّمَ فِي وُجُوهِهِمْ وَكُنْ كَرِيمًا عَلَىٰ زَادِكَ بَيْنَهُمْ وَإِذَا دَعَوْكَ فَأَجِبْهُمْ وَإِنِ اسْتَعَانُوا بِكَ فَأَعِنْهُمْ" "حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: جب کسی قوم کے ساتھ سفر کرو اپنے اوران کے امور میں کثرت سے مشورہ کروان کے سامنے خوب مسکراؤ اوران پر زادراہ خرچ کرنے میں اعلیٰ ظرفی سے کام لو اگر تمہیں پکاریں تو جواب دو اگر مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرو۔"(۱)

## ۷۔ تحفہ وتحائف

شریعت اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ کوئی مسافر جب اپنے وطن واپس لوٹے تو گھر والوں کے لئے تحفہ وتحائف ساتھ لے جائے اس لئے کہ گھر والے اس کی آمد کا انتظار کرتے ہیں واپسی کی تمنا کرتے ہیں اوراس کے دیدار کے مشتاق رہتے ہیں چنانچہ مسافر کی جانب سے تحفہ وہدیہ اس کی محبت اوراشتیاق ملاقات کا اظہار بن جائے گا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "إِذَا خَرَجَ أَحَدُكُمْ إِلَىٰ سَفَرٍ ثُمَّ قَدِمَ عَلَىٰ أَهْلِهِ فَلْيُهْدِهِمْ وَلْيُطْرِفْهُمْ وَلَوْ حِجَارَةً" "تم میں سے جب بھی کوئی سفر کے لئے جائے تو واپس آتے وقت گھر والوں کے لئے ضرور ہدیہ لانا چاہیئے، چاہے ایک پتھر ہی کیوں نہ ہو۔"(۲)

ان کے علاوہ اور بھی سفر کے آداب ہیں جن کا سفر میں پاس ولحاظ رکھنا چاہئے مثلا وصیت لکھنا، دو رکعت نماز پڑھنا، اپنے احباب، اعزاء واقارب سے رخصت ہونا تاکہ جب وہ پلٹ کر آئے تو یہ لوگ اس کے استقبال کو جائیں اوراس سے ملاقات کریں۔

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۱۱، ص ۴۳۰

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۲۸۳



اسی طرح اگر کوئی جماعت یا کاروان سفر کررہا ہے تو انہیں اپنے درمیان سے کسی ایک کو امیر اور سردار منتخب کرلینا چاہیئے اور سب کو اس کی بات تسلیم کرنا چاہیئے. اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ" "اگر تین آدمی بھی سفر کررہے ہوں تو کسی ایک کو امیر بنالینا چاہیئے۔"(۱)

البتہ جسے امیر اور (قافلہ سالار) منتخب کیا گیا ہے اسے یہ خیال رہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کی خدمت اوران کے کاموں کی نگرانی کے لئے منتخب کیا گیا ہے. جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا قول ہے: "سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ فِي السَّفَرِ" "سفر میں قافلہ والوں کی خدمت کرنے والا ہی قافلہ کا سردار ہوتا ہے۔"(۲)

(۱) کنز العمال: حدیث ۱۷۵۴۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۲۷۳، باب ۴۹

## سبق کا خلاصہ:

سفر کے چند آداب ہیں: تنہا سفر نہ کرے، اپنے قرض کو ادا کردے یا اسے اپنے وصیت نامہ میں لکھ دے، اپنے ہمسفر کے اوپر بوجھ نہ بنے، اگر چند مسافر ہوں تو ایک کو اپنا ذمہ دار بنالیں۔

آداب سفر میں یہ بھی ہے کہ: دعا پڑھے، جتنا ممکن ہو قرآن پڑھے، سفر کے لئے نکلتے وقت صدقہ دینا مستحب ہے، اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر رہے، سفر سے واپس لوٹتے وقت اپنے گھر والوں کے لئے کوئی ہدیہ ضرور لیکر آئے۔

## سوالات:

۱۔ بعض آداب سفر ذکر کیجئے؟

۲۔ حدیث شریف "اَلرَّفِیْقُ قَبْلَ الطَّرِیْقِ" کی وضاحت کیجئے؟

۳۔ اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے؟

۴۔ سفر سے لوٹتے وقت گھر والوں کے لئے کیسا ہدیہ لانا چاہئے؟

☆☆☆

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلىٰ اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ